خلافتِ راشدہ

قدم بہ قدم

عبداللہ فارانی

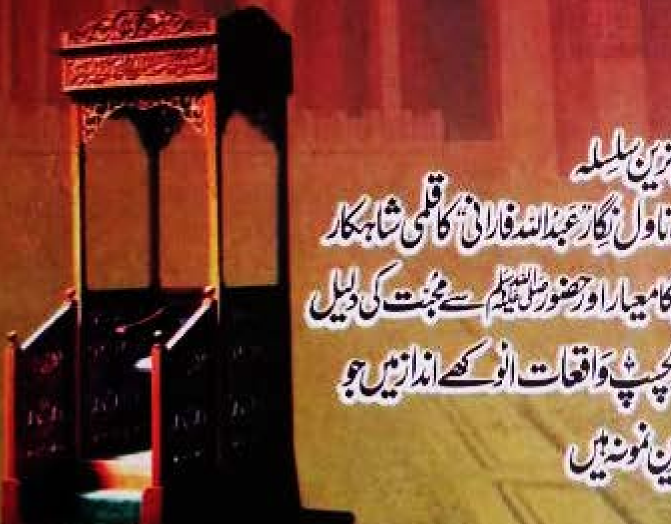

- "بچوں کا اسلام" کا مقبول ترین سلسلہ
- ہر دل عزیز مشہور مصنف و ناول نگار "عبداللہ فارانی" کا قلمی شاہکار
- صحابہؓ کی محبت، ایمان کا معیار اور حضور ﷺ سے محبت کی دلیل
- خلفائے راشدین کے دلچسپ واقعات انوکھے انداز میں جو ہر مسلمان کے لیے بہترین نمونہ ہیں

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

خلافتِ راشدہ

قدم بہ قدم

تحریر:

عبداللہ فارانی

مکتبہ عمر فاروق

4/501 شاہ فیصل کالونی ٥ کراچی
فون: 4594144

جملہ حقوق بحق مکتبہ عمر فاروق محفوظ ہیں

11010907

* * *

نام کتاب : خلافت راشدہ قدم بہ قدم
تالیف : عبداللہ فارانی
ترتیب وتصحیح : مولوی اختر علی صاحب (سابق استاذ جامعہ فاروقیہ)
ایڈیشن : جنوری ۲۰۰۹ء
طابع : زمزم پرنٹنگ پریس کراچی
ناشر : فیاض احمد: 021-4594144-8352169
: موبائل: 0334-3432345
: مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی نمبر ۴ کراچی

باعث تحریر آنکہ

خلافت راشدہ قدم بہ قدم کے عنوانات کے تحت بچوں کا اسلام میں شائع ہونے والے سلسلہ کو کتابی شکل میں شائع کرنے کے حقوق میں نے مکتبہ عمر فاروق پبلشر شاہ فیصل کالونی کراچی کو دے دیئے ہیں اور یہ تحریر لکھ دی ہے تا کہ بوقت ضرورت کام آئے۔

نوٹ:...... یہ سلسلہ وار تحریر میں نے اپنے قلمی نام **عبداللہ فارانی** کے نام سے تحریر کی ہے

اشتیاق احمد
مدیر بچوں کا اسلام، بازار لوہاراں، جھنگ صدر
۲۰۰۷/۵/۲۵

فہرست

خلافت راشدہ قدم بہ قدم

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
0	عرضِ ناشر	9
1	خلافت کا مسئلہ	11
2	لشکر اسامہ ؓ کی روانگی	17
3	منکرینِ زکوٰۃ سے جہاد	21
4	طلیحہ سے مقابلہ	26
5	مسیلمہ کذاب سے معرکہ	30
6	مسیلمہ کا خاتمہ	34
7	مُرتدین کی سرکوبی	38
8	عراق کی طرف پیش قدمی	41
9	خون ریز معرکے	45
10	انبار، عین التمر اور دومۃ الجندل کی لڑائیاں	49
11	شام کی مُہمات کی تیاریاں	53
12	دریائے یرموک کی سمت	57
13	یرموک کے محاذ پر	61
14	صدیق اکبر ؓ کی جانشینی	64
15	آفتابِ امامت وخلافت ڈوب گیا	68
16	خلافت صدیقی	72

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
17	جمع قرآن اور فدک کا مسئلہ	75
18	سیرت صدیقی کے چند گوشے	80
19	فقر صدیقی	84
20	شجاعت	85
21	برداشت	85
22	سلام میں پہل	86
23	اطاعت	86
24	مزاح	86
25	حلیہ مبارکہ	86
26	خاندانِ ابوبکر صدیق ؓ	88
27	دورِ فاروقی کا آغاز	91
28	بویب کا معرکہ	95
29	لشکرِ اسلام قادسیہ کی سمت	98
30	قادسیہ کے قاصد	103
31	قادسیہ کا معرکہ	107
32	معرکہ قادسیہ	110
33	لشکر کا استقبال	113
34	قادسیہ کے فاتح	117
35	مدائن کی فتح	121
36	فتوحات پر فتوحات	125
37	فحل کا معرکہ	128
38	حمص کا معرکہ	132

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
39	یرموک کی تیاری	136
40	یرموک کا معرکہ	140
41	فتح یرموک	148
42	بیت المقدس کی فتح	152
43	حضرت ابوعبیدہ ؓ کی وفات	155
44	خوزستان کا معرکہ	159
45	ہرمزان کی گرفتاری	164
46	فتح الفتوح	168
47	فدا ہوتا ہوں	173
48	کبوتر کا گھونسلہ	177
49	شہادت	182
50	فتوحات عمر رضی اللہ عنہ پر ایک نظر	185
51	فتوحات عثمان ؓ کا آغاز	190
52	جزیرہ روڈس، صقلیہ	194
53	بلنجر کے شہید	198
54	سازش کی ابتدا	202
55	حضرت عثمان ؓ پر اعتراضات	206
56	الزامات کا جواب	210
57	کیا ایسا نہیں ہے	214
58	سبائی دعوے	218
59	فتنوں کی آگ	222
60	حملہ ہوتا ہے	226

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
61	آخری کوشش	230
62	شہادت کی تیاری	235
63	شہادت کے بعد	239
64	حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت	242
65	جنگ جمل	246
66	جنگِ صفین	250
67	واقعہ شہادت	257
68	حضرت علی ؓ کے فضائل	261
69	بیعتِ حضرت حسن ؓ	265

* * *

عرض ناشر

الحمد للّٰہ و کفٰی و سلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی

اما بعد!

اللہ ﷻ نے اس آخری اُمت پر ایک احسانِ عظیم تو یہ فرمایا کہ اپنا پیارا برگزیدہ پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد ﷺ ان میں مبعوث فرمایا اور پھر دوسری بڑی نعمت جو اس اُمت کو بخشی وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک شاگرد تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ" (التوبۃ: ١٠٠)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوئے اور یہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔"

اور یہ ایسی برگزیدہ جماعت ہے کہ روئے زمین پر حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے معزز و معتبر ہے جن کی سچائی للّٰہیت عدل و امانت کی گواہی اللہ جل شانہٗ اور خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ دنیا اس جماعت کو "صحابہ" کے نام سے جانتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محبت اور نفرت کا میزان بھی ان کو بتلایا، چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے:

"فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ"

(ترمذی، ابواب المناقب، رقم: ٣٨٦٢)

ترجمہ: "جس نے ان (صحابہ) سے محبت کی تو اس نے میری محبت کی وجہ سے اُن سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض و نفرت کی تو اس نے میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے اُن سے بغض کیا۔"

بلاشبہ صحابہ کرام معیارِ حق ہیں ان میں سے ہر ایک فرد ایسا تھا کہ ان میں دین کو دیکھا اور پرکھا جا سکتا ہے جو قیامت تک کے لئے نمونہ عمل ہیں، جن کی سیرت کا مطالعہ خوابیدہ جذبۂ عمل کو بیدار کرتا ہے، جن کے تذکرے سے دلوں میں شوق اور ولولے کی اُمنگ بیدار ہوتی ہے۔

خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

"جسے دین کی راہ اختیار کرنی ہے تو ان کی راہ اختیار کرے جو اس دنیا سے گزر چکے ہیں اور وہ حضرت محمد ﷺ کے صحابہ ہیں، جو اس اُمت کا افضل ترین طبقہ ہے، قلوب ان کے پاک تھے، علم

ان کا گہرا تھا، تکلف اور تصنع ان میں کالعدم تھا، اللہ جل شانہٗ نے انہیں اپنے نبی ﷺ کی صحبت اور دین کی اشاعت کے لیے منتخب فرمایا تھا، اس لئے ان کی فضیلت اور برگزیدگی کو پہچانو، ان کے نقشِ قدم پر چلو اور جتنا تم سے ہوسکے اُن کے اخلاق اور ان کی سیرت کو مضبوط پکڑو، اس لئے کہ وہی ہدایت کے راستے پر تھے۔“ (حلیۃ الاولیاء: ۱/۳۰۵، بحوالہ حیاۃ الصحابہ: ۱/۲۳)

صحابہ کرام ؓ کے تذکروں سے دل منور ہوتے ہیں، شریعت محمدیہ کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے اور دین پر چلنا آسان ہوتا ہے۔ گمراہی سے حفاظت اور ہدایت کی طرف راہنمائی ہوتی ہے، عقائد درست اور پختہ ہوتے ہیں، غرض ان کا ایمان ہمارا معیار ہے۔

" فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا " (البقرۃ: ۱۳۷)

یعنی اگر بعد میں آنے والے صحابہ کرام کی طرح ایمان لائیں گے تب ہی وہ صحیح ہدایت پائیں گے۔

الحمد للہ یہ اس رَبِّ کریم کا بندے پر احسانِ عظیم ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے ان جان نثار صحابہ میں سے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے مختصر مگر دلچسپ واقعات چھاپنے کی توفیق عطا فرمائی۔

ہمارے محترم بھائی اشتیاق احمد صاحب مدظلہٗ جو ہفت روزہ ”بچوں کا اسلام“ کے مدیر بھی ہیں اور ”عبداللہ فارانی“ کے نام سے لکھنے والے وہ ادیب ہیں کہ لاکھوں قارئین ہر ہفتہ اُن کے مضامین کا انتظار کرتے ہیں ”خلافت راشدہ قدم بہ قدم“ یہ ان ہی کے مضامین کا مجموعہ ہے جو سالہا سال سے ”بچوں کے اسلام“ میں شائع ہوتے رہے، اب قارئین کی سہولت کے لئے جناب ”عبداللہ فارانی“ صاحب ہی کی اجازت سے ان تمام مضامین کو یک جا شائع کیا جارہا ہے۔ اس کے لئے میں اپنے محترم دوست حضرت مولانا اختر علی صاحب زید مجدہٗ کا بھی نہایت شکرگزار ہوں کہ انہوں نے اپنے قیمتی اوقات سے وقت نکال کر اس کتاب کی تصحیح و ترتیب میں تعاون فرمایا۔

الحمد للہ حتی الامکان اس کتاب میں ہر لحاظ سے تصحیح وغیرہ کا لحاظ رکھا گیا ہے پھر بھی بحیثیت انسان و بشر کے اگر کہیں کوئی کوتاہی نظر آئے تو تمام قارئین کرام سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ ناشر کو ضرور مطلع فرمائیں اور دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مؤلف، مصحح، ناشر و تمام مسلمانوں کے لئے دنیا و آخرت میں بھلائیوں کا ذریعہ بنائے اور اپنے دربارِ عالی میں اس کتاب کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین ثم آمین

بندہ فیاض احمد

مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی نمبر ۴، کراچی

خلافت کا مسئلہ

آں حضرت ﷺ کی تدفین کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ ایک شخص نے حضرت عمر ؓ کے پاس آ کر کہا:

"اے عمر! انصاری حضرات سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں اور خلافت کے مسئلے پر بات کر رہے ہیں"

یہ سنتے ہی حضرت عمر ؓ فوراً رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر تشریف لائے حضرت ابوبکر صدیق ؓ اس وقت اندر تھے انہیں باہر بلوایا وہ اندر کفن دفن کی تیاریوں میں مصروف تھے لہٰذا کہلا بھیجا:

"میں اس وقت مصروف ہوں"

حضرت عمر ؓ نے اندر پھر پیغام بھیجا کہ ایک خاص بات پیش آئی ہے اس لئے باہر آ کر سن لیں۔ حضرت ابوبکر ؓ باہر تشریف لائے، حضرت عمر نے کہا:

"کیا آپ کو معلوم ہے سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار جمع ہیں اور خلافت کے مسئلے پر بات کر رہے ہیں اور سننے میں آیا ہے کہ وہ حضرت سعد بن عبادہ ؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں...... یا پھر ان کا کہنا ہے کہ ایک امیر مہاجرین میں سے ہو اور ایک انصار میں سے۔"

یہ سنتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے حضرت عمر ؓ سے کو ساتھ لیا اور تیزی سے سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف چل پڑے۔ راستے میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح ؓ مل گئے وہ بھی ان کے ساتھ ہو لیے۔

سقیفہ بنی ساعدہ مشہور انصاری صحابی حضرت سعد بن عبادہ ؓ کی ملکیت تھی اور بیٹھک کا کام دیتی تھی انصاری حضرات وہاں جمع ہو کر آپس کے فیصلے کیا کرتے تھے۔ آج وہاں اس سلسلے میں تقاریر ہو رہی تھیں۔ حضرت سعد بن عبادہ ؓ تقریر میں کہہ رہے تھے:

"اے گروہ انصار! دین میں تمہیں وہ برتری حاصل ہے اور اسلام میں تمہیں فضیلت حاصل ہے جو عرب میں کسی کو نہیں...... تم نے مشکل ترین وقت میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا

جب ان کے اپنے لوگ ان سے دشمنی کر رہے تھے تم نے مہاجرین کی مدد کی اسلام کے دشمنوں کے ساتھ جہاد کیا اب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اپنے پاس بلا لیا اس حال میں کہ وہ تم سے بہت ہی خوش تھے۔ لہٰذا خلافت تمہارا حق ہے...... اور کسی کا نہیں۔"

حضرت سعد بن عبادہ ؓ کی اس تقریر کو انصار نے پسند کیا تاہم ایک دو نے یہ سوال کیا:

"اگر مہاجرین نے اس بات کو پسند نہ کیا تو؟"

انصاری حضرات میں سے چند نے اس کا یہ جواب دیا:

"تب ہم یہ تجویز پیش کریں گے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے۔"

حضرت سعد بن عبادہ ؓ نے اس تجویز کو ناپسند فرمایا...... اتنے میں یہ دونوں حضرات وہاں پہنچ گئے...... حضرت عمر ؓ فرماتے ہیں کہ میں راستے میں یہ سوچتا آیا تھا کہ وہاں جا کر کیا کہوں گا...... اپنی تقریر کا مضمون میں نے سوچ لیا تھا۔ وہاں پہنچ کر میں نے چاہا، اپنی تقریر شروع کروں...... میرا ارادہ بھانپ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے:

"عمر! ذرا صبر کرو، پہلے مجھے کہہ لینے دو، پھر جو تمہارا جی چاہے کہنا۔"

پھر انہوں نے تقریر شروع کی تو وہ ایسی تھی کہ جو کچھ میں کہنا چاہتا تھا، اس سے بھی زیادہ بہتر انہوں نے کہہ دیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس نازک ترین موقعے پر جو تقریر کی وہ یہ تھی:

"اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کے پاس محمد ﷺ کو اپنا اور اپنی امت کا نگراں مقرر کر کے اس لئے مبعوث فرمایا تاکہ صرف اسی کی پرستش ہو، اسی کی وحدانیت ہو حالاں کہ اس سے پہلے لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا مختلف معبودوں کی عبادت کرتے تھے دعویٰ کرتے تھے کہ یہ معبود اللہ کے یہاں ان کے سفارش کرنے والے اور نفع پہنچانے والے ہیں حالاں کہ وہ پتھر سے تراشے اور لکڑی سے بنائے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ (سورۃ یونس:۱۰)

ترجمہ:...... اور وہ اللہ کے سوا ایسوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ان کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے معبود اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیام عربوں کو ناگوار ہوا اور وہ اپنے آبائی دین کے ترک

کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے لئے مہاجرین اوّلین کو مخصوص فرمایا۔ وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ ہر حال میں رہنے کے لئے بیعت کا وعدہ کیا اور باوجود اپنی قوم کی ایذا رسانی اور تکذیب کے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا حالاں کہ تمام لوگ ان کے مخالف تھے اور ان پر ظلم کرتے تھے مگر وہ تمام لوگوں کے ظلم اور ان کی سازشوں کے باوجود اپنی کم تعداد سے کبھی متاثر اور خائف نہیں ہوئے۔ اس طرح وہ پہلے لوگ ہیں جنہوں نے اس زمین میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے ولی اور خاندان والے ہیں اور ان کے بعد اس منصب امارت کے سب کے مقابلے میں وہی زیادہ مستحق ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کے اس حق میں سوائے ظالم کے اور کوئی ان سے جھگڑا نہیں کرے گا۔ اب رہے تم انصار! کوئی شخص دین میں تمہاری فضیلت اور ابتدائی شرکت اور خدمت کا انکار نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور اپنے رسول کی حمایت کے لئے تمہیں پسند کیا اور اسی لیے رسول اللہ ﷺ تمہارے پاس ہجرت کر کے آئے اس وقت بھی ان کی ازواج اور اصحاب تمہارے یہاں رہتے ہیں۔ بے شک مہاجرین کے بعد تمہارے مقابلے میں ہماری نظر میں کسی اور کی قدر و منزلت نہیں ہے، لہٰذا مناسب ہوگا کہ امیر ہم ہوں اور تم وزیر، ہر معاملے میں تم سے مشورہ کیا جائے گا اور بغیر تمہارے اتفاق رائے کے ہم کوئی کام نہیں کریں گے۔“

حضرت ابوبکرؓ کی تقریر ختم ہوئی تو حضرت ابو عبیدہؓ نے ان لوگوں سے کہا:

”اے گروہ انصار! تم وہ لوگ ہو جنہوں نے سب سے پہلے دین کی حمایت کی، اب ایسا نہ کرو کہ تم ہی دین میں بگاڑ پیدا کر دو۔“

حضرت بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ نے بھی اسی قسم کے الفاظ کہے، ایسے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بول اُٹھے:

”یہ عمر ہیں اور یہ ابوعبیدہ ہیں، تم ان میں سے جسے چاہو، امیر بنا لو۔“

یہ دونوں حضرات فوراً بولے:

”آپ کے ہوتے ہوئے ہم ہرگز اس منصب کو قبول نہیں کریں گے، کیوں کہ آپ مہاجرین میں سب سے بزرگ ہیں، غار میں رسول اللہ ﷺ کے رفیق رہے اور نماز کی امامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین بن چکے ہیں...... اور نماز ہمارے دین کا سب سے

بڑا رکن ہے اس لیے آپ کے ہوتے ہوئے یہ بات کسی کو زیب نہیں دیتی ہے کہ وہ امیر بنے۔ آپ اپنا ہاتھ بیعت کے لئے بڑھایئے۔"

اب جوں ہی حضرت عمر فاروق اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما بیعت کے لئے آگے بڑھے ان سے بھی پہلے حضرت بشیر بن سعد ؓ نے آگے بڑھ کر حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے بیعت کر لی۔ پھر تو سب ہی بیعت کے لئے اٹھ آئے۔ ہر طرف سے لوگ آ آ کر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی بیعت کرنے لگے۔

بیعت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور دوسرے حضرات واپس لوٹے۔ آنحضرت ﷺ کی تدفین میں شریک ہوئے۔ دفن کے وقت یہ اختلاف پیدا ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو دفن کہاں کیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اس موقع پر فرمایا:

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث سنی ہے اور میں اسے بھولا نہیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ کسی نبی کی روح اسی جگہ قبض کرتا ہے جہاں اسے دفن ہونا پسند ہوتا ہے، لہٰذا تم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہیں دفن کرو۔"

چناں چہ ایسا ہی کیا گیا۔

پہلے دن جو بیعت ہوئی تھی وہ خاص لوگوں کے مجمعے میں تھی لہٰذا دوسرے دن مسجد نبوی میں عام بیعت کا انتظام کیا گیا۔ سب مسلمان جمع ہوئے۔ اس موقعے پر حضرت عمر ؓ نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا اور فرمایا:

"میں امید کرتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کے بعد تک زندہ رہیں گے لیکن اب وہ وفات پا گئے ہیں۔ بہر حال! اللہ تعالیٰ نے تمہارے سامنے ایک ایسا نور رکھ دیا ہے کہ جس سے تم وہی ہدایت حاصل کر سکتے ہو جو رسول اللہ ﷺ سے حاصل کرتے تھے۔ بلاشبہ ابوبکر صدیق ؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھی اور غار کے رفیق ہیں۔ مسلمانوں کی سربراہی کے لئے تم میں سب سے بہتر یہی ہیں...... بس کھڑے ہو جاؤ اور ان سے بیعت کرو۔"

یہ کہنے کے بعد حضرت عمر ؓ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے عرض کیا:

"آپ منبر پر آ جائیں"۔

حضرت ابوبکر ؓ کے جسم میں کوئی حرکت نہ ہوئی...... ان سے کئی بار کہا گیا، تب وہ کھڑے ہوئے...... اور پھر مسلمانوں نے اس سے بیعت کی۔ اس کے بعد انہوں نے لوگوں کو

خطبہ دیا خلیفہ بننے کے بعد یہ ان کا پہلا خطبہ تھا۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ ایسا خطبہ پھر کسی زبان سے سننے میں نہیں آیا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے پہلے تو اللہ کی حمد و ثناء بیان کی، پھر فرمایا:

"لوگو! میں تمہارا امیر بنایا گیا ہوں، حالاں کہ میں تم سے بہتر نہیں...... پس اگر میں اچھا کروں تو تم میری مدد کرو اور اگر برا کروں تو مجھے سیدھا کردو۔ سچائی ایک امانت ہے اور جھوٹ خیانت۔ تم میں جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک طاقت ور ہے جب تک کہ میں اس کی شکایت دور نہ کردوں اور تم میں جو طاقت ور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے جب تک کہ اس سے حق وصول نہ کرلوں۔ جو قوم جہاد کو چھوڑ دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر ذلت مسلط کردیتا ہے اور جس قوم میں بے حیائی عام ہوجاتی ہے اللہ تعالیٰ ان پر مصیبت نازل کردیتا ہے۔ میں جب تک اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں...... تم میری اطاعت کرو۔ اور جب میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری کوئی اطاعت فرض نہیں۔ اب نماز کے لئے اٹھو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔"

سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں یہ ذکر ملتا ہے کہ کچھ لوگوں نے اس دن حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے بیعت نہیں لی تھی ان میں ایک نام حضرت علی ؓ کا لیا جاتا ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ انہوں نے چھ ماہ تک یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا کی وفات تک بیعت نہیں کی اور گھر میں بیٹھے رہے۔ پھر چھ ماہ بعد بیعت کی...... لیکن یہ بات درست نہیں مستدرک حاکم نے حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت کی ہے۔

"جب کہ ابوبکر منبر پر بیٹھ گئے تو انہوں نے لوگوں پر نظر ڈالی۔ حضرت علی ؓ نظر نہ آئے تو ان کے بارے میں پوچھا، اس پر کچھ انصاری اٹھے اور حضرت علی ؓ کو لے آئے۔ اس کے بعد حضرت علی ؓ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے بیعت کرلی۔ امام حاکم فرماتے ہیں...... یہ حدیث صحیح ہے۔" (مستدرک حاکم)

یہ ٹھیک ہے کہ حضرت علی ؓ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا کی وفات کے بعد ایک بار پھر حضرت ابوبکر کی بیعت کی تھی مگر یہ دوسری بیعت اس وجہ سے تھی کہ وراثت کے معاملے میں جو علمی اشکال حضرت علی ؓ کو تھا، وہ بھی جاتا رہا تھا۔ مطلب یہ کہ خلافت کے سلسلے کی بیعت تو اسی دن کرلی تھی، یہ دوسری بیعت تجدید بیعت تھی اور علمی اشکال کے ختم ہونے کا کھلا اعلان تھی۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی اسی قسم کی بات کہی جاتی ہے..... لیکن یہ بھی درست نہیں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی بیعت کی تھی۔ (مستدرک جلد ۳ صفحہ ۶۶)

اسی طرح حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بھی بیعت نہیں کی تھی...... یہ بھی غلط ہے، کیونکہ مسند امام احمد میں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے خوشی سے بیعت کی تھی۔ معلوم ہوا کہ اسلام دشمن لوگ ایسی باتیں مشہور کرتے ہیں۔ ان کی طرف کان نہیں دھرنا چاہئے۔

جس وقت حضرت ابوبکر ؓ خلیفہ بنے وہ مسلمانوں کے لئے نہایت نازک وقت تھا سب سے بڑا صدمہ تو حضور نبی کریم ﷺ کی وفات کا تھا۔ اس کے علاوہ مدینہ منورہ میں منافقوں کا ایک گروہ بھی موجود تھا۔ یہ لوگ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ میں بھی انہوں نے بار بار منافقت دکھائی تھی۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد انہوں نے خوب کھل کر کام کرنے کی ٹھان لی۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس وقت کے حالات کا نقشہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

’’رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ہم مسلمانوں کو ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑا کہ اگر اللہ تعالیٰ ابوبکر صدیق ؓ کو عطا فرما کر ہم پر احسان نہ کرتے تو ہم ہلاک ہو جاتے۔‘‘

(فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۰۱)

اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

’’رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو میرے والد پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ایک طرف مدینہ منورہ میں منافق موجود تھے تو دوسری طرف عرب مرتد ہو رہے تھے۔‘‘

ان حالات میں ایک اہم مسئلہ یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں حضرت اسامہ بن زید ؓ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ فرمایا تھا۔ وہ آنحضرت ﷺ کی وفات کی وجہ سے رک گیا تھا حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے سامنے سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ وہ اس لشکر کو روانہ کریں یا پہلے مرتد ہو جانے والوں کی طرف توجہ دیں۔ اس وقت تمام صحابہ بہت گھبرائے ہوئے تھے۔

* * * * *

لشکر اسامہ ؓ کی روانگی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان حالات میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو یہ مشورہ دیا:

"آپ دیکھ رہے ہیں حالات کیا ہیں۔ لے دے کر اب یہی مسلمان ہیں جو آپ کے سامنے ہیں۔ آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ عرب کا کیا حال ہے...... اس لئے مناسب نہیں کہ آپ اس وقت اس لشکر کو روانہ فرمائیں۔"

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ بھی تو کسی عام انسان کو نہیں بنایا تھا۔ وہ پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط تھے سب کی رائے سن کر بولے:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے...... اس لشکر کو بھیجنے کے سلسلے میں اگر مدینہ اس طرح خالی ہو جائے کہ میں ہی اکیلا رہ جاؤں اور درندے اور کتے مجھے پھاڑ کھائیں تو بھی میں اسامہ کو آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق اس مہم پر روانہ کروں گا۔"

(طبری جلد دوم صفحہ ۲۶۱)

اب جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا فیصلہ معلوم ہو گیا اور انہوں نے جان لیا کہ خلیفہ رسول ایسا کر کے رہیں گے تو حضرت عمر ؓ نے اس موقعے پر یہ مشورہ دیا:

"اے خلیفۂ رسول! اس لشکر میں عمر رسیدہ اور تجربہ کار صحابہ شامل ہیں...... جب کہ اسامہ نوجوان ہیں، اس لئے بہتر یہ ہے گا کہ کسی عمر رسیدہ اور تجربہ کار آدمی کو لشکر کا امیر مقرر فرما دیں۔"

یہ رائے سنتے ہی حضرت ابوبکر صدیق ؓ شدید غصے میں آ گئے اور فرمایا:

"اے خطاب کے بیٹے! رسول اللہ ﷺ نے اسامہ کو لشکر کا امیر مقرر فرمایا ہے اور اب تم کہتے ہو، میں ان کی جگہ کسی اور کو امیر مقرر کر دوں ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔"

یہ مشورہ دراصل حضرت عمر ؓ کو کچھ دوسرے صحابہ کرام نے دیا تھا۔ حضرت عمر ؓ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا فیصلہ سن کر ان حضرات کے پاس واپس آئے اور انہیں برا بھلا کہا کہ ان کی وجہ سے انہیں خلیفۂ رسول کی ناراضگی کا سامنا کرنا پڑا۔

اب حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اعلان فرمایا:

”جن لوگوں کو اسامہ کے لشکر میں شامل کیا گیا تھا، وہ سب جانے کے لئے تیار ہو جائیں ......ان میں سے کوئی پیچھے نہ رہے...... سب لوگ مقام جرف میں پہنچ جائیں۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تیار ہو کر وہاں پہنچ گئے اب حضرت ابوبکر ؓ بھی وہاں تشریف لائے۔ حضرت اسامہ بن زید ؓ کو روانگی کا حکم فرمایا۔ لشکر روانہ ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ پیدل حضرت اسامہ ؓ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر چلنے لگے۔

اب صورتِ حال یہ تھی کہ حضرت اسامہ ؓ گھوڑے پر سوار ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ ان کے گھوڑے کی لگام تھامے پیدل چل رہے ہیں...... اس صورتِ حال سے حضرت اسامہ ؓ پریشان ہوئے، چنانچہ انہوں نے عرض کیا:

”اے خلیفۂ رسول! یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا میں گھوڑے سے اتر جاتا ہوں۔“

اس وقت حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے جو جواب دیا، اس پر انسان جتنا بھی جھومے، کم ہے...... آپ نے فرمایا:

”اللہ کی قسم! نہ تم اترو گے، نہ میں سوار ہوں گا، کیا ہوا، اگر اللہ تعالیٰ کے راستے میں کچھ دیر کے لئے میرے پاؤں غبار آلود ہو گئے۔ غازی کے ہر ہر قدم کے بدلے سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔“

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے حضرت اسامہ ؓ سے فرمایا:

”اگر تم نامناسب نہ سمجھو تو عمر کو میرے پاس چھوڑ جاؤ۔ مجھے ان کے مشورے کی ضرورت ہوگی۔“

حضرت اسامہ ؓ نے یہ بات خوشی سے مان لی۔ اب حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے لشکر کو روک کر نہایت اہم اور قیمتی ہدایات دیں۔

اس مہم کو روانہ کرنا اس لیے ضروری تھا کہ چند سال پہلے عرب اور شام کی سرحد کے ایک رئیس شرحبیل بن عمرو نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حضرت حارث بن عمرو ؓ کو قتل کر دیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا انتقام لینے کی غرض سے زید بن حارث ؓ کی قیادت میں لشکر روانہ فرمایا تھا، لیکن اس لشکر کے مقابلے میں موتہ کے مقام پر کفار کا بہت بڑا لشکر جمع ہو گیا تھا۔ اس لیے اسلامی لشکر شدید مشکلات میں گھر گیا تھا۔ لشکر کے امیر حضرت اسامہ ؓ کے والد زید بن حارثہ ؓ اس جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کے بعد حضرت جعفر

ؓ اور پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ بھی جو یکے بعد دیگرے لشکر کے امیر بنے تھے، شہید ہو گئے تھے۔ تب اسلامی لشکر کی کمان خالد بن ولید ؓ نے سنبھالی تھی اور لشکر کو دشمن کے گھیرے سے نکال لانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

اس کے بعد عیسائیوں کے حوصلے بلند ہو گئے تھے اور وہ مدینہ منورہ پر حملے کا خواب دیکھنے لگے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید ؓ کے بیٹے حضرت اسامہ ؓ کی قیادت میں ان کے مقابلے کے لیے لشکر روانہ فرمایا تھا۔ لیکن ایسے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا اور لشکر کی روانگی ملتوی کر دی گئی۔ اب جوں ہی حضرت ابوبکر صدیق ؓ خلیفہ بنائے گئے انہوں نے سب سے پہلے اسی لشکر کو روانہ فرمانے کا فیصلہ کیا۔

اس وقت صحابہ کرام نے حالات کی نزاکت کے تحت ایسا کرنا مناسب خیال نہیں کیا تھا۔ لیکن بعد میں ان سب پر واضح ہو گیا کہ اس لشکر کو بھیجنا واقعی بہت دور اندیشی کی بات تھی...... کیوں کہ اگر اس کام میں دیر کی جاتی تو دشمنوں کے حوصلے مزید بلند ہو جاتے...... جب کہ لشکر کی روانگی سے وہ مرعوب ہو جاتے ...... اور ایسا ہی ہوا، اس لشکر کی صرف روانگی سے دشمن حوصلہ ہار گیا۔

رخصت کے وقت حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے حضرت اسامہ ؓ سے یہ بھی فرمایا:

"رسول اللہ ﷺ نے تمہیں جیسے حکم دیا تھا، ویسے ہی کرنا...... اس کی تعمیل میں ذرہ برابر کوتاہی نہ ہو۔"

اور آنحضرت ﷺ نے اپنے آخری ایام میں ان سے فرمایا تھا:

"فلسطین کی سرزمین میں بلقا اور داروم کے جو علاقے ہیں، اسلامی لشکر ان کو فتح کر کے آئے۔"

یہ لشکر تین ہزار مہاجرین اور انصار پر مشتمل تھا۔ ان میں سے ایک ہزار سوار فوج تھی۔

جب یہ لشکر عیسائیوں کے لشکر کے سامنے آیا تو حضرت اسامہ ؓ نے ان سے فرمایا:

"اے مجاہدینِ اسلام! حملے کے لیے تیار ہو جاؤ، دشمن اگر بھاگ نکلے تو اس کا پیچھا نہ کرنا۔ آپس میں متحد رہو اور اتفاق سے رہو...... ہلکی آواز سے بولو، اللہ کو اپنے دلوں میں یاد کرو اور تلواریں جب ایک بار نیام سے باہر نکال لو تو پھر جب تک تم اپنے دشمنوں کے سر قلم نہ کر دو، ان کو نیاموں میں نہ رکھنا۔"

اس تقریر کے بعد حملہ شروع ہوا۔ اس وقت حضرت اسامہ ؓ اپنے والد کے اسی

گھوڑے پر سوار تھے جس پر جنگ کرتے ہوئے وہ شہید ہوئے تھے۔ ایسے میں چند مسلمانوں نے اس کافر کی نشان دہی کر دی جس نے حضرت زید ؓ کو شہید کیا تھا...... وہ بھی اس جنگ میں مارا گیا...... شدید لڑائی کے بعد آخر دشمن بھاگ نکلا...... ان میں سے بے شمار قتل ہوئے اور لشکر اسامہ کامیاب رہا۔

اس جنگ میں ایک مسلمان بھی شہید نہیں ہوا تھا حضرت اسامہ ؓ نے کامیابی کی خبر مدینہ منورہ روانہ فرمائی...... مدینہ منورہ میں اس خبر سے خوشی کی لہر دوڑ گئی...... جب لشکر مدینہ منورہ میں داخل ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور دوسرے صحابہ سمیت مدینہ کے لوگوں نے اس کا زبردست استقبال کیا۔ حضرت اسامہ ؓ اس وقت بھی اپنے والد کے گھوڑے پر سوار تھے اور ان کے گھوڑے کے آگے حضرت بریدہ ؓ پرچم اٹھائے چل رہے تھے...... اور یہ وہی پرچم تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے چند روز پہلے حضرت اسامہ ؓ کے سپرد کیا تھا۔ جب کچھ لوگوں نے حضرت اسامہ ؓ کو امیر بنانے پر اعتراض کیا تھا تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا تھا:

"جس پرچم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھولا تھا، میں اسے کس طرح لپیٹ دوں۔"

اس وقت مسلمانوں کی خوشی بے پایاں تھی۔ اس مہم کا سب سے اچھا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ قیصر روم بدحواس ہو گیا۔ وہ اس وقت حمص میں تھا۔ اس نے اپنے لوگوں سے کہا:

"دیکھو! یہ وہی لوگ ہیں، جن سے میں نے تمہیں خبردار کیا تھا...... لیکن تم نے میری بات پر دھیان نہیں دیا...... اب ذرا ان عربوں کی ہمت اور جرأت دیکھو، ایک ماہ کے فاصلے پر آ کر تم پر حملہ کر دیتے ہیں اور صحیح سلامت واپس چلے جاتے ہیں۔" (ابن عساکر)

عرب اور شام کی سرحدوں پر جو قبائل آباد تھے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سن کر باغی ہو گئے تھے...... اس فتح سے انہیں یقین ہو گیا کہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے ورنہ وہ اس قدر فاصلے پر لشکر ہرگز روانہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس خیال نے ان پر مسلمانوں کی دھاک بٹھا دی۔

یہ مہم ماہ ربیع الاول ۱۱ ہجری میں روانہ کی گئی تھی اور روانہ ہونے کے بعد واپس آنے تک دو ماہ لگے تھے۔ اس زبردست کامیابی کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ان لوگوں کے خلاف کاروائی کا فیصلہ فرمایا جو زکوٰۃ کا انکار کر بیٹھے تھے۔

منکرینِ زکوٰۃ سے جہاد

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مدینے کے آس پاس آباد قبائل نے اعلان کر دیا کہ ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ ان قبائل میں بنو کنانہ، بنو غطفان، بنو فزارہ، بنو عبس اور ذبیان شامل تھے ...... انہوں نے اعلان کیا:

”ہم نماز تو پڑھیں گے، لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے۔“

اب حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ان قبائل کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تو ایک بار پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان ہوئے بغیر نہ رہ سکے ......

حضرت عمر ؓ نے اس فیصلہ پر اعتراض کرتے ہوئے عرض کیا:

”آپ ان لوگوں سے کس طرح جہاد کریں گے۔ آنحضرت ﷺ نے تو فرمایا ہے، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں جب تک کہ وہ ... لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ...... نہ کہیں، لیکن جب وہ کلمہ پڑھ لیں گے تو ان کے جانیں اور ان کے مال محفوظ ہو جائیں گے ......“

اس بات کے جواب میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا:

” نماز اور زکوٰۃ میں فرض ہونے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، چنانچہ قرآن مجید میں اکثر مقامات پر نماز اور زکوٰۃ کا ذکر ایک ساتھ ہے، اس کے علاوہ قرآن میں ارشاد ہے ......

ترجمہ: ”پس اگر یہ لوگ توبہ کرلیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں تو انہیں کچھ نہ کہو۔“

(سورۃ التوبہ آیت ۵)

اس کے علاوہ ایک دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں طائف کا ایک وفد آیا تھا۔ اس نے کہا تھا، ہم اسلام قبول کرنے کے لیے تیار ہیں، لیکن ہم نماز نہیں پڑھیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سختی سے ان کی بات رد فرما دی تھی اور فرمایا تھا:

”بھلا وہ دین ہی کیا ہے جس میں نماز نہ ہو۔“

”سو جب نماز کے بغیر دین دین نہیں تو زکوٰۃ کے بغیر بھی دین دین نہیں۔“

یہ جواب سن کر حضرت عمر ؓ نے بھی اس بات کو درست تسلیم کر لیا۔ حضرت عمر ؓ نے

اس موقعے پر فرمایا:

"تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ میں نے دیکھ لیا، اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کا سینہ کھول دیا تھا۔"

جو لوگ یہ بات کرنے کے لیے آئے تھے کہ ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے، وہ مایوس ہو کر لوٹ گئے۔ مدینہ منورہ سے رخصت ہوتے وقت ان لوگوں نے یہ بات صاف محسوس کر لی تھی کہ مدینہ منورہ میں اس وقت بہت تھوڑے مسلمان باقی ہیں، زیادہ تر حضرت اسامہ ؓ کے لشکر کے ساتھ جا چکے ہیں، چنانچہ انہوں نے اپنے قبیلوں کو جمع کیا۔ ساری صورت حال انہیں بتائی کہ اس موقعے سے فائدہ اٹھانا چاہیے...... اس وقت مدینہ منورہ پر قبضہ کرنا بہت آسان کام ہوگا۔

ادھر یہ لوگ یہ منصوبہ بنا رہے تھے، ادھر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے وقت کی نزاکت کو محسوس کر لیا اور مدینہ منورہ کی حفاظت میں لگ گئے۔ پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ بڑے بڑے صحابہ مثلاً حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم کی سرکردگی میں مدینہ منورہ کے مختلف راستوں پر حفاظتی دستے مقرر فرما دیے۔ باقی جو لوگ مدینہ منورہ میں تھے۔ ان پر مسجد کی حاضری ضروری قرار دے دی تاکہ ہنگامی حالت میں فوراً سب کو خبر ہو جائے۔ ساتھ ہی آپ نے سب لوگوں کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

"مسلمانو! یہ جو وفد یہاں سے گیا ہے، یہ تمہاری تعداد کی کمی کو دیکھ کر گیا ..... یہ لوگ کسی وقت بھی تم پر حملہ کر سکتے ہیں۔ یہ ہیں بھی آس پاس کے، انہیں مدینہ منورہ تک پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی ..... ہم نے ان کی بات نہیں مانی ..... لہٰذا یہ حملہ ضرور کریں گے۔" (البدایہ والنہایہ)

حضرت ابوبکر ؓ کا خیال بالکل درست ثابت ہوا...... زکوٰۃ کا انکار کرنے والے قبائل نے مدینہ منورہ پر حملہ کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے پہلے ہی حفاظتی دستے مقرر فرما دیے تھے۔ انہوں نے حملے کی اطلاع آپ کو بھیج دی۔ آپ نے انہیں پیغام بھیجا کہ اپنی جگہ ڈٹے رہو، میں آ رہا ہوں، پھر آپ نے مسلمانوں کو ساتھ لیا اور باغیوں کے مقابلے میں آئے۔ زوردار جنگ ہوئی...... باغی حملے کی تاب نہ لا سکے اور بھاگ نکلے۔

مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا۔ باغیوں نے ذوحسی کے مقام پر پہنچ کر پناہ لی۔ وہاں ان کے ساتھ دوسرے باغی شامل ہو گئے۔ ایک بار پھر یہ لوگ مدینہ منورہ پر حملے کے لیے روانہ

ہوئے۔ ان حملہ کرنے والوں میں قبیلہ عبس، ذبیان، بنو مرۃ اور بنو کنانہ وغیرہ کے لوگ شامل تھے۔

دوسری طرف حضرت ابوبکر صدیق ؓ بھی جان چکے تھے کہ یہ لوگ پھر حملہ کریں گے، لہٰذا انہوں نے جنگ کی تیاری جاری رکھی۔ فوج کی باقاعدہ ترتیب کی۔ فوج کے دائیں بازو پر حضرت نعمان بن مقرن ؓ کو، بائیں بازو پر حضرت عبداللہ بن مقرن ؓ کو مقرر کیا۔ پھر اس سے پہلے کہ دشمن مدینہ منورہ کے نزدیک پہنچتا، حضرت ابوبکر صدیق ؓ ان کی طرف بڑھے۔ ابھی صبح نہیں ہوئی تھی کہ ان پر جا پڑے۔ وہ ابھی سوئے پڑے تھے۔ مسلمانوں نے انہیں مارنا کاٹنا شروع کیا تو بدحواس ہو کر بھاگے، حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ذوالقصہ کے مقام پر پہنچ کر دم لیا...... لیکن باغیوں میں اب مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ آپ نے حضرت نعمان بن مقرن ؓ کو وہاں چھوڑا اور فوراً مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ اسلامی لشکر کی اس شاندار کامیابی سے مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس کا شاندار نتیجہ یہ نکلا کہ مختلف قبیلوں کے سردار، اپنے اپنے قبیلے کی زکوٰۃ لے کر آنے لگے...... یعنی پہلے زکوٰۃ کے انکاری تھے...... اب خود لے کر آ گئے۔ اس سے مسلمانوں کی مالی حالت مضبوط ہو گئی۔

اس دوران ایک واقعہ اور ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ جب ذوالقصہ سے واپس لوٹ آئے تو قبیلہ عبس اور ذبیان نے وہاں موجود تھوڑے سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور انہیں دھوکے سے قتل کر دیا۔ صدیق اکبر کو یہ المناک خبر ملی تو قسم کھائی:

”جب تک ہم ان قبیلوں سے مسلمانوں کے ناحق خون کا بدلہ نہیں لیں گے، چین سے نہیں بیٹھیں گے۔“

اس دوران حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا لشکر شاندار فتح حاصل کرنے کے بعد مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ اس سے حضرت ابوبکر ؓ کو اور زیادہ اطمینان نصیب ہو گیا۔ آپ نے حضرت اسامہ ؓ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام بناتے ہوئے ان سے فرمایا:

”تم لوگ اب آرام کر لو۔“

پھر آپ نے خود ایک فوج لے کر ذوالقصہ کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ فرمایا تاکہ غدار قبیلوں کو سزا دیں اور مسلمانوں کا انتقام لے سکیں۔ اس پر چند بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے عرض کیا:

''اے خلیفۂ رسول! آپ نہ جایئے، اگر خدانخواستہ آپ کو کچھ ہوا یا آپ زخمی ہو گئے تو ہم لوگوں کا نظام باقی نہیں رہے گا...... جب کہ اگر آپ یہاں رہیں گے تو اس سے دشمن پر رعب رہے گا..... آپ اپنے بجائے کسی اور کو بھیج دیں۔''

اس موقعے پر حضرت علی ﷺ نے آپ سے عرض کیا:

''اے خلیفۂ رسول! آپ کہاں جا رہے ہیں..... اپنی جان کو خطرے میں نہ ڈالیے۔''

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے صحابہ کرام کے اصرار کے باوجود خود ہی جانا پسند فرمایا اور ذوالقصہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ مقامِ ابرق میں پہنچ کر ان لوگوں پر حملہ کیا۔ ان کے سردار حارث اور عوف تھے۔ ان دونوں کو شکست دی۔ بنوعبس اور بنوبکر خوف زدہ ہو کر بھاگے۔ آپ نے چند دن ابرق میں آرام فرمایا، پھر آگے بڑھے اور بنوذبیان کو شکست دی اور ان کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح قبیلہ عبس اور ذبیان نے جن مسلمانوں کو شہید کیا تھا، ان سے انتقام لے لیا۔ پھر فتح کا پرچم لہراتے ہوئے واپس آئے۔

بنوذبیان، عبس، غطفان، بنوبکر اور ان کے علاوہ دوسرے قبیلوں کی یہ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کے ساتھ آخری جنگ تھی۔ یہ قبیلے مدینہ منورہ کے قریب آباد تھے اور اعراب مدینہ کہلاتے تھے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اب یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کی اطاعت قبول کر لیتے، زکوٰۃ کی فرضیت کے بھی قائل ہو جاتے اور پکے سچے مسلمان بن جاتے، لیکن اب یہ مسلمانوں کے مقابلے میں جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، ان کی صفوں میں شامل ہو گئے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا لشکر کچھ دنوں تک آرام کرنے کے بعد پھر سے تازہ دم ہو چکا تھا..... اس لیے حضرت ابوبکر ﷺ نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کی طرف توجہ فرمائی۔ آپ نے اسلامی فوج کو گیارہ حصوں میں تقسیم فرمایا۔ ہر حصے کا ایک سالار مقرر فرمایا۔ ان لشکروں کو روانہ کرنے سے پہلے حضرت صدیق اکبر ﷺ نے ان سے خطاب بھی فرمایا۔

ان گیارہ لشکروں میں سے پہلا لشکر حضرت خالد بن ولید ﷺ کا تھا حضرت خالد بن ولید ﷺ اور ان کے لشکر کو طلیحہ اسدی اور مالک بن نویرہ کی طرف روانہ فرمایا۔ طلیحہ نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا جب کہ مالک بن نویرہ زکوٰۃ کا منکر تھا۔

طلیحہ بزاخہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ ادھر اُدھر کے قبیلوں کو ملا کر مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی جنگ کی تیاری میں مصروف تھا۔ اسی لیے حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے سب سے پہلا لشکر اس

کی طرف روانہ کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے لشکر روانہ کرتے وقت حضرت خالد بن ولید ؓ سے فرمایا:

”تم پہلے قبیلہ ”بنو طے“ کی طرف جاؤ، پھر بزاخہ کا رخ کرنا۔ وہاں سے فارغ ہو جاؤ تو پھر بطاح کی طرف رخ کرنا اور جب تم اس مہم سے فارغ ہو جاؤ تو میرا دوسرا حکم آنے تک وہیں ٹھہرنا۔“

حضرت خالد ؓ قبیلہ ”بنی طے“ کی طرف روانہ ہوئے، آپ نے اپنی روانگی سے پہلے حضرت عدی بن حاتم ؓ کو قبیلہ ”بنی طے“ کی طرف روانہ کیا۔ یہ مسلمان ہو چکے تھے اور اس قبیلے کے معزز آدمی تھے۔ انہوں نے قبیلے کے لوگوں میں پہنچ کر کہا:

”دیکھو! خالد بن ولید ایک لشکر جرار لے کر تم لوگوں کی طرف روانہ ہو چکے ہیں، اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم اسلام قبول کر لو اور طلیحہ کا ساتھ چھوڑ دو، ورنہ اسلامی فوج تم لوگوں کو تباہ و برباد کر دے گی۔“

یہ سن کر وہ لوگ مذاق اڑانے لگے۔ تب حضرت عدی بن حاتم ؓ نے سخت لہجے میں کہا:

”تم ہو کس خیال میں...... جو شخص تمہاری طرف لشکر لے کر آ رہا ہے...... وہ بہترین جنگ جُو ہے...... میں نے تمہیں سمجھا دیا...... اب تم جانو تمہارا کام جانے۔“

تب ان لوگوں نے کہا:

”اچھا آپ ذرا حضرت خالد کے لشکر کو ہم سے روکے رکھیے...... ہمارے جو بھائی طلیحہ کے پاس بزاخہ چلے گئے ہیں، ہم انہیں بلا لیں...... ورنہ ہمارے مسلمان ہونے کی خبر سن کر طلیحہ انہیں قتل کرا دے گا۔“

حضرت عدی بن حاتم ؓ نے یہ بات مان لی اور ”مقام سخ“ میں آئے۔ یہاں حضرت خالد بن ولید ؓ اپنے لشکر کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے۔ انہوں نے آ کر کہا:

”آپ ذرا تین دن تک ٹھہرے رہیں...... اس دوران بڑے بڑے جنگ جُو آ کر آپ کے ساتھ مل جائیں گے۔“

اور پھر یہی ہوا۔ قبیلہ بنی طے کے وہ افراد جو طلیحہ کے پاس بزاخہ چلے گئے تھے، واپس بلا لیے گئے، پھر حضرت عدی ؓ انہیں لے کر حضرت خالد ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا...... ساتھ ہی وہ اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے...... اس طرح

حضرت خالد ؓ کی فوج میں ایک ہزار جنگ جو لوگوں کا اضافہ ہو گیا۔ اسی طرح قبیلہ جدیلہ بھی حضرت عدی ؓ کی کوشش سے مسلمان ہو گیا اور حضرت خالد ؓ کی فوج میں ایک ہزار کا اور اضافہ ہو گیا۔ اس پر حضرت عدی ؓ کی خوب تعریف ہوئی۔

اس واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کس قدر بصیرت کے مالک تھے۔ یہ ان ہی کی ہدایات تھیں کہ پہلے قبیلہ "بنی طے" کی طرف جانا...... صرف اس ہدایت کی وجہ سے دو ہزار افراد نہ صرف یہ کہ مسلمان ہو گئے بلکہ لشکر میں شامل بھی ہو گئے۔

اب خالد بن ولید ؓ بزاخہ کی طرف بڑھے۔ جہاں دشمن مقابلے کی زبردست تیاریاں کر رہا تھا۔

طلیحہ سے مقابلہ

حضرت خالد بن ولید ؓ نے لشکر سے آگے جاسوسی کی غرض سے عکاشہ بن محصن اور حضرت ثابت بن اقرم انصاری رضی اللہ عنہما کو روانہ کیا تھا۔ راستے میں ان دونوں کو طلیحہ کا بھائی حبال مل گیا۔ انہوں نے حبال کو قتل کر دیا۔ طلیحہ کو اس کی اطلاع ملی تو وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان کی تلاش میں نکلا اور ان دونوں حضرات کو شہید کر دیا۔ حضرت خالد بن ولید ؓ جب اس مقام پر پہنچے تو اپنے دونوں ساتھیوں کی لاشوں کو دیکھ کر سخت رنجیدہ ہوئے۔ اب آگے بزاخہ کا میدان تھا۔ طلیحہ کے ساتھ اس وقت عیینہ بن محصن فزاری اپنے قبیلے کے سات سو بہادروں کے ساتھ تھا۔ ان کے علاوہ قبیلہ قیس اور بنو اسد بھی اس کے ساتھ تھے۔

آخر دونوں لشکر آمنے سامنے آ گئے۔ حضرت خالد بن ولید ؓ نے پہلے انہیں اسلام کی دعوت دی...... جب وہ نہ مانے تو جنگ شروع کر دی...... زبردست جنگ ہوئی...... طلیحہ اس وقت اپنے خیمے میں تھا۔ عیینہ اس کے پاس آیا اور بولا:

"جنگ کے بارے میں کوئی وحی آئی یا نہیں؟"

جواب میں اس نے کہا:

"ابھی کوئی وحی نہیں آئی...... تم جنگ کرو...... میں وحی کا انتظار کر رہا ہوں۔"

عیینہ پھر میدانِ جنگ کی طرف لوٹ گیا...... اپنے ساتھیوں کو لڑاتا رہا...... باقی لشکر بھی جنگ کی آگ میں کود چکا تھا...... مسلمان پورے جوش اور جذبے سے لڑ رہے تھے...... ایسے میں

عیینہ ایک بار پھر طلیحہ کے پاس اس کے خیمے میں آیا۔

"ہاں! کیا خبر ہے...... جبرئیل آئے یا نہیں؟"

"ابھی نہیں آئے...... جنگ جاری رکھو۔"

وہ پھر میدان جنگ میں لوٹ گیا...... آخر لشکر میں شکست کے آثار ظاہر ہونے لگے......

وہ پریشان ہوکر تیسری بار پھر طلیحہ کے خیمے میں آیا اور پوچھا:

"وحی آئی یا نہیں؟"

"ہاں! جبرئیل آئے تھے" طلیحہ نے فوراً کہا۔

"تب پھر انہوں نے کیا کہا؟"

"انہوں نے کہا ہے، یہ لڑائی تمہارے لیے چکی کا پاٹ ثابت ہوگی۔ عیینہ کے لیے یہ ایک ایسا واقعہ ہوگا جسے وہ کبھی فراموش نہیں کرے گا۔"

اس وقت عیینہ کو احساس ہو گیا کہ یہ شخص جھوٹا ہے۔ اس نے میدان جنگ میں جا کر اپنے قبیلے کے لوگوں سے کہا:

"اے بنی فزارہ...... طلیحہ جھوٹا ہے...... اس لیے بھاگ چلو۔"

اپنے سردار کا حکم سنتے ہی وہ بھاگ نکلے۔ ان کے بھاگتے ہی لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ باقی مرتد پہلے ہی حوصلہ ہار چکے تھے...... وہ بھاگتے ہوئے طلیحہ کے خیمے تک آئے اور اس سے کہا:

"اب کیا حکم ہے؟"

وہ فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہوا...... اپنی بیوی کو بھی سوار کرایا اور گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے بولا:

"تم لوگ بھی بھاگ چلو۔"

اس طرح مرتد دُم دبا کر بھاگے۔ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ طلیحہ وہاں سے بھاگ کر سیدھا شام پہنچا۔ کچھ دنوں بعد جب اسے معلوم ہوا کہ قبیلہ اسد اور غطفان دونوں مسلمان ہو گئے ہیں تو وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ وہ بنو کلب میں آ کر رہنے لگا۔ کسی نے اس کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بتایا تو انہوں نے فرمایا:

"اب اس کے خلاف کچھ نہیں کیا جا سکتا، وہ مسلمان ہو گیا ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے ہاتھ پر

بیعت کی۔
طلیحہ کی شکست کے بعد قبیلہ بنو اسد، بنو قیس اور بنو فزارہ نے اسلام قبول کر لیا...... قبیلہ بنو عامر بھی حضرت خالد بن ولید ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے:

''اب ہم نماز بھی پڑھیں گے اور زکوٰۃ بھی دیں گے۔''

گویا ان لوگوں نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ عیینہ بن حصن فزاری اور اس کے خاص ساتھیوں کو گرفتار کر کے مدینہ منورہ بھیج دیا گیا۔ مرتدوں کو عبرت ناک سزائیں دی گئیں۔ جن لوگوں نے مسلمانوں کو قتل کیا تھا، ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی گئی۔ فتح کی خبر حضرت ابو بکر صدیق ؓ کو بھیجی گئی۔

حضرت خالد ؓ بزاخہ میں ایک ماہ تک ٹھہرے رہے۔ ادھر میدان جنگ سے بھاگے ہوئے لوگ ایک عورت ''ام زمل'' کے گرد جمع ہو گئے۔ ''ام زمل'' کی ماں ''ام قرفہ'' آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک لڑائی میں گرفتار ہونے کے بعد قتل کر دی گئی تھی۔ ''ام زمل'' مسلمانوں سے اپنی ماں کا بدلہ لینے پر تلی ہوئی تھی...... چنانچہ اس نے مسلمانوں سے انتقام کے نام پر لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لیا تھا۔ ان باغیوں کو لے کر یہ عورت حضرت خالد بن ولید ؓ کے مقابلے پر نکلی۔ اس وقت یہ اپنی ماں کے اونٹ پر بیٹھی تھی اور بہت فخر اور غرور کا عالم اس پر طاری تھا۔

حضرت خالد کو اس کے کوچ کا علم ہوا تو خود اس کے مقابلے پر نکلے۔ جنگ شروع ہوئی تو مسلمانوں نے ''ام زمل'' کے اونٹ کو گھیر لیا۔ اس طرح وہ ماری گئی۔ اس کے اونٹ کی حفاظت کے لیے سو سوار مقرر تھے، وہ بھی اس لڑائی میں مارے گئے۔ اس فتح کے خبر بھی حضرت ابو بکر صدیق ؓ کو بھیجی گئی۔

آس پاس کچھ اور لوگ بھی مسلمانوں کے خلاف سازشیں کر رہے تھے۔ حضرت خالد بن ولید ؓ نے ان کی سازشوں کو بھی ختم کیا۔ ان لڑائیوں میں جو بڑے بڑے سردار پکڑے گئے، حضرت خالد بن ولید ؓ نے انہیں مدینہ منورہ بھیج دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے ان کے ساتھ بہت نرمی کا سلوک کیا، یہاں تک کہ عیینہ نے اسلام قبول کر لیا تو اسے رہا کر دیا گیا۔ طلیحہ بھی مسلمان ہو گیا تھا، اسے بھی معاف کر دیا گیا۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے آخری دنوں میں کچھ لوگوں کو زکوٰۃ وصول کرنے کی غرض سے بھیجا تھا۔ یہ لوگ قبیلہ بنو تمیم میں موجود تھے اور وہاں زکوٰۃ وصول کر رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ کا

انتقال ہو گیا۔ اب ان حضرات میں ایک اختلاف پیدا ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد زکوٰۃ کی رقم کا کیا کریں۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے پاس مدینہ بھیجیں یا یہیں کے لوگوں میں تقسیم کر دیں۔

اس قبیلے بنو تمیم کا ایک شخص مالک بن نویرہ تھا۔ وہ ان کا اہم آدمی تھا۔ اس نے زکوٰۃ کی رقم مدینہ بھیجنے سے انکار کر دیا۔ جب کہ آنحضرت ﷺ نے جن لوگوں کو بھیجا تھا ان کا کہنا تھا کہ زکوٰۃ کی رقم مدینہ منورہ بھیجی جائے گی۔ بس اس بات پر یہ شخص مسلمانوں کے خلاف ہو گیا۔

ابھی یہ اختلافی مسئلہ حل نہیں ہوا تھا کہ عراق کے ایک علاقے "الجزیرہ" کی ایک عورت "سجاح بنتِ حارث" وہاں پہنچ گئی۔ یہ نبوت کا دعویٰ کر چکی تھی۔ اس کے ساتھ ایک بڑا لشکر تھا۔ اس لشکر میں عراق کے بنو تغلب شامل تھے۔ ان کے علاوہ قبیلہ ربیعہ، نمر، آیاد اور شیبان کے تجربہ کار لوگ شامل تھے۔ خود "سجاح" بنو تمیم سے تھی، یعنی جس قبیلے کا مالک بن نویرہ تھا۔ "سجاح" کا تعلق بنو تمیم کے ساتھ ساتھ بنو تغلب سے بھی تھا اور یہ سب لوگ عیسائی تھے۔ اب چونکہ عیسائیوں اور یہودیوں کو اسلام سے دشمنی تھی، اس لیے یہ چالاک عورت ان لوگوں کو اسلام کے خلاف اُبھار کر لے آئی تھی۔ یوں یہ عورت پہلے سے ہی موقعے کی تلاش میں تھی۔ جوں ہی اس نے آنحضرت ﷺ کی وفات کی خبر سنی، اپنا لشکر لے کر مدینہ کی طرف چل پڑی۔ کہا جاتا ہے کہ ایران کے کچھ لوگ بھی اس کے ساتھ تھے۔

اب یہ سیدھی مالک بن نویرہ کے پاس پہنچی...... وہاں پہلے ہی زکوٰۃ کی رقم کے معاملے میں اختلاف رونما ہو چکا تھا، لہٰذا مالک بن نویرہ اپنے قبیلے کے لوگوں کے ساتھ "سجاح" کے لشکر میں شامل ہو گیا۔ دونوں ایک ہو گئے۔

مالک بن نویرہ نے سجاح کو مشورہ دیا کہ ابھی مدینہ منورہ پر حملے کا وقت نہیں ہے، بلکہ ابھی آس پاس کے لوگوں کو اپنی نبوت کا قائل کرے۔ انہیں ساتھ ملائے۔ اس طرح ہماری طاقت اور بڑھ جائے گی۔ سجاح نے مالک بن نویرہ کا مشورہ مان لیا۔

* * *

مسیلمہ کذاب سے معرکہ

ادھر یمامہ کے مسیلمہ کذاب نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس کے ساتھیوں میں کثرت ایسے لوگوں کی تھی جو اسے جھوٹا سمجھتے تھے، لیکن دولت اور اقتدار کے لیے اس کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔

''سجاح'' کے بارے میں ''مسیلمہ کذاب'' کو معلوم ہوا تو وہ فکر مند ہو گیا۔ اس نے سوچا، اگر ''سجاح'' میرے ساتھ شامل ہو جائے تو ہماری طاقت میں بہت زیادہ اضافہ ہو جائے گا...... ادھر ''سجاح'' کو بھی یہی بات سوجھی، چنانچہ دونوں میں ملاقات ہوئی۔ اس طرح دونوں نے شادی کر لی...... اب سجاح کی فوج بھی مسیلمہ کی فوج میں شامل ہو گئی...... اس کے جھنڈے تلے چالیس ہزار فوجی جمع ہو گئے۔ شادی کے بعد سجاح اپنی قوم میں کچھ ضروری معاملات نمٹانے کے لیے چلی گئی، لیکن پھر واپس نہ آ سکی۔ یہ بعد میں مسلمان ہو گئی تھی۔

ادھر حضرت خالد بن ولید ؓ طلیحہ کو شکست دے چکے تھے۔ انہیں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی طرف سے حکم ملا:

''اب تم یمامہ جا کر مسیلمہ کا مقابلہ کرو۔''

حضرت خالد بن ولید ؓ یہ حکم پا کر آگے بڑھے تو زکوۃ کے کچھ منکرین اپنی اپنی زکوۃ لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور انہوں نے نئے سرے سے اسلام قبول کر لیا...... البتہ مالک بن نویرہ نہ آیا۔ وہ ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا...... حضرت خالد بن ولید ؓ سے مقابلہ کرنے کی ہمت بھی اس میں نہیں تھی، اس لیے اس نے اپنے لوگوں کو منتشر کر دیا۔ حضرت خالد ؓ وہاں پہنچے تو میدان صاف تھا، انہوں نے اعلان کر دیا کہ جو لوگ نماز پڑھیں، زکوۃ دیں، انہیں کچھ نہ کہا جائے، جو ایسا نہ کریں، انہیں سزا دی جائے۔

اسلامی لشکر کے کچھ لوگ جب مالک بن نویرہ کے علاقے میں پہنچے تو انہوں نے اسے قتل کر دیا...... کیونکہ ابھی تک اس نے زکوۃ کے بارے میں کوئی اعلان نہیں کیا تھا، نہ زکوۃ لے کر حضرت خالد ؓ کے پاس آیا تھا۔

اس مقام سے اسلامی لشکر یمامہ کی طرف بڑھا۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے حضرت خالد ؓ سے پہلے ایک لشکر حضرت عکرمہ ؓ کی قیادت میں مسیلمہ کی طرف روانہ کیا تھا، لیکن انہیں ہدایت دی تھی کہ جا کر ابھی حملہ نہ کریں۔ ان کی مدد کے لیے آپ نے دوسرا لشکر” شُرَحْبِیْل بن حَسَنَہ کی قیادت میں روانہ فرمایا تھا۔

حضرت عکرمہ ؓ نے جاتے ہی مسیلمہ کے لشکر پر حملہ کر دیا، شُرَحْبِیْل ؓ کے لشکر کے انتظار نہ کیا۔ اس طرح انہوں نے مسیلمہ کے لشکر کے ہاتھوں شکست کھائی...... کیونکہ مسیلمہ تو اس وقت تک بہت طاقت پکڑ چکا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کو یہ اطلاع ملی تو آپ حضرت عکرمہ ؓ پر بہت ناراض ہوئے اور انہیں ایک دوسرے محاذ پر جانے کا حکم فرمایا اور حضرت شرحبیل ؓ کو آپ نے حکم فرمایا کہ وہیں ٹھہریں اور حضرت خالد بن ولید ؓ کا انتظار کریں۔

حضرت ابو بکر صدیق ؓ کا حکم پا کر حضرت خالد بن ولید ؓ یمامہ کی طرف بڑھے، یہاں تک کہ حضرت شرحبیل ؓ سے آ ملے۔ حضرت خالد ؓ کے اس لشکر میں حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے بڑے بڑے نامی گرامی مہاجرین اور انصار کو بھی شامل کیا تھا۔ چنانچہ مہاجرین کے دستے کے سردار ابو حذیفہ ؓ اور حضرت عمر ؓ کے بھائی حضرت زید ؓ تھے۔ انصار کا دستہ حضرت ثابت بن قیس ؓ کی قیادت میں تھا۔ حضرت ابو بکر ؓ نے حضرت سلیط ؓ کو بھی ایک دستہ دے کر اسلامی لشکر کے پیچھے روانہ فرمایا...... تاکہ کوئی پیچھے سے ان پر حملہ نہ کر سکے۔

مسیلمہ کذاب اس وقت یمامہ کے علاقے عقرباء میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں اس کی فوج کی تعداد چالیس ہزار سے ساٹھ ہزار تک لکھی ہے۔

صبح ہوئی تو حضرت خالد بن ولید ؓ نے اپنے لشکر کو اس طرح ترتیب دیا کہ میمنہ یعنی دائیں بازو پر حضرت زید بن خطاب ؓ کو مقرر فرمایا۔ میسرہ یعنی بائیں بازو پر اسامہ بن زید ؓ مقرر تھے۔ خود کو درمیان میں رکھا...... ادھر مسیلمہ اپنے لشکر کو ترتیب دے رہا تھا۔

آخر دونوں لشکر ایک دوسرے کی طرف بڑھے...... اسلامی لشکر میں مہاجرین کا جھنڈا حضرت سالمؓ کے ہاتھ میں تھا۔ یہ قرآن کے حافظ تھے۔ جھنڈا لیے سب سے آگے بڑھے تو کسی نے کہا:

''اے سالم! اگر آپ شہید ہو گئے تو ایک قرآن کا حافظ جاتا رہے گا۔''

یہ سن کر انہوں نے کہا:

''اگر میں اس بات کا اندیشہ کروں تو مجھ سے بُرا حافظِ قرآن کون ہوگا۔''

ادھر مسیلمہ کی صفوں سے ''رجال'' آگے آیا۔ یہ شخص مسیلمہ کا خاص آدمی تھا۔ اسی نے سب سے پہلے یہ جھوٹی خبر پھیلائی تھی کہ نعوذ باللہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کو اپنی نبوت میں شریک کر لیا ہے۔ اپنی صفوں سے باہر نکل کر اس نے للکار کر کہا:

''کون میرے مقابلے پر آتا ہے۔''

حضرت عمر ؓ کے بھائی حضرت زید بن خطاب ؓ اس کی للکار سن کر آگے بڑھے۔ آتے ہی اس زور کا وار کیا کہ ایک ہی وار میں اس ملعون کا کام تمام کر دیا۔ مسلمانوں نے پُر جوش انداز میں نعرہ تکبیر بلند کیا۔

اب دونوں لشکر پوری قوت سے ٹکرا گئے۔ زبردست جنگ شروع ہو گئی۔ مسیلمہ کا ایک ایک آدمی اس پر اپنی جان نچھاور کرنے پر تُلا ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جانتے تھے اگر مسیلمہ کو شکست ہو گئی تو مسلمانوں کی حکومت ان پر ہمیشہ کے لیے قائم ہو جائے گی۔

مسلمانوں کو ایسی ہولناک ترین جنگ لڑنے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ چالیس ہزار مرتدوں کا دباؤ ان پر پڑا تو مسلمان پسپا ہونے لگے...... ان کے پاؤں اکھڑنے لگے۔

مورخین نے لکھا ہے...... اسلام میں یہ سب سے پہلی شدید ترین لڑائی تھی اور اس میں مرتدوں نے حیرت انگیز حد تک بہادری دکھائی...... مسلمانوں کو پیچھے ہٹتے دیکھ کر مرتدوں کا حوصلہ اور بڑھ گیا، لیکن جلد ہی مسلمانوں نے خود کو سنبھال لیا۔ حضرت ثابت بن قیس ؓ پکارے:

''اے مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا۔ اے اللہ! جن مسلمانوں نے پسپائی اختیار کی ہے، میں ان سے لاتعلق ہوں۔''

ادھر حضرت زید بن خطاب ؓ بولے:

''میں تو ہرگز لوٹ کر نہیں جاؤں گا۔''

''اے اللہ میں مسیلمہ اور اس کے ساتھیوں سے بے زار ہوں۔''

اسی وقت ابو حذیفہ پکارے:

"اے مسلمانو! اے قرآن کو ماننے والو! کہاں ہو!"

یہ مسلمان اپنی اپنی جگہ دشمنوں کو للکار رہے تھے کہ اتنے میں حضرت خالد بن ولید ؓ نے اپنے دستے کے ساتھ پلٹ کر زوردار حملہ کیا۔ یہ حملہ ایسا تھا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے...... کچھ دیر تک وہ پیچھے ہٹتے چلے گئے...... آخر سنبھل گئے اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔

اب جنگ گھمسان کی ہونے لگی...... ایسے میں حضرت خالد بن ولید ؓ نے اپنی فوج کو حکم دیا:

"ہر دستہ الگ الگ ہو کر لڑے۔"

اس سے پہلے یہ سب ایک ساتھ مل کر لڑ رہے تھے، یہ حکم ملنے پر الگ الگ ہو گئے۔ الگ الگ ہونے پر حضرت خالد ؓ نے ان کا جائزہ لیا...... معلوم ہوا، حضرت زید بن خطاب، حضرت سالم اور ان کے آقا حضرت ابو حذیفہ (رضی اللہ عنہم) شہید ہو چکے ہیں، ادھر مسیلمہ اپنی جگہ ڈٹا کھڑا تھا...... اس کے محافظوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا اور وہ پوری طرح اس کی حفاظت کر رہے تھے:

اس وقت حضرت خالد ؓ نے محسوس کر لیا کہ جب تک مسیلمہ اور اس کا حفاظتی دستہ سلامت ہے...... ان لوگوں کو شکست نہیں دی جا سکے گی، چنانچہ انہوں نے ایک زوردار نعرہ لگایا اور اس دستے پر ٹوٹ پڑے...... ان کی تلوار بجلی کی طرح حرکت کر رہی تھی...... جو تلوار کی زد میں آیا، ٹکڑے ہو گیا...... اس صورتِ حال کو دیکھ کر مسیلمہ نے خود آگے بڑھ کر مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا، لیکن پھر خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا...... اب اس کی حالت یہ تھی کہ کبھی چند قدم آگے آتا اور کبھی پیچھے ہٹ جاتا...... یہ دیکھ کر حضرت خالد ؓ نے اپنے دستے کو للکارا۔

"بہادرو! ٹوٹ پڑو ان پر...... یہ بزدل اب بھاگنے کو ہیں۔"

اور واقعی مسیلمہ بھاگنے لگا، اس کے دستے میں سے کسی نے کہا:

"یہ کیا مسیلمہ تُو بھاگ رہا ہے...... تُو تو ہم سے فتح اور کامرانی کا وعدہ کرتا تھا...... وہ فتح کہاں ہے۔"

وہ یہ سن کر بھی نہ رکا...... خود تو بھاگ رہا تھا، لیکن اپنی فوج سے کہہ رہا تھا:

"اپنے حسب نسب کے لیے لڑو۔"

اس کی بات کا ان پر کیا اثر ہوتا جب کہ وہ خود بھاگ رہا تھا۔ نتیجہ یہ کہ فوج کے پاؤں

اکھڑ گئے...... ان کے پیچھے ایک بہت بڑا قلعہ نما باغ تھا...... مسیلمہ اور اس کی ساری فوج اس باغ میں داخل ہوگئی اور دروازہ بند کرلیا۔

مسیلمہ کا خاتمہ

اس باغ کے گرد بہت مضبوط چار دیواری تھی۔ یہ باغ دراصل مسیلمہ کا قلعہ تھا۔ مسیلمہ خود کو ''یمامہ کا رحمٰن'' کہتا تھا...... اسی طرح اس باغ کا نام بھی ''رحمٰن کا باغ'' تھا۔ اس قلعہ نما باغ کا دروازہ بند ہونے کے بعد مسلمانوں کا لشکر وہاں پہنچا۔ انہوں نے باغ کو گھیرے میں لے لیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ باغ کے اندر کس طرح داخل ہوں۔ اس وقت حضرت براء بن مالک ؓ نے ایک انوکھی تجویز پیش کی...... انہوں نے کہا:

''مسلمانو! تم یوں کرو کہ مجھے مل کر اٹھاؤ اور جھولا دے کر قلعے کی دیوار سے اونچا اُچھال دو، میں دوسری طرف جا گروں گا اور ان شاء اللہ دروازہ کھول دوں گا۔''

یہ سن کر مجاہدین پکار اٹھے:

''ہم ایسا نہیں کریں گے...... دوسری طرف مسیلمہ کا لشکر موجود ہے...... وہ آپ پر ٹوٹ پڑے گا...... آپ شہید ہو جائیں گے اور دروازہ بھی نہیں کھلے گا۔''

''نہیں...... تم لوگ مجھے اُچھال دو...... اللہ نے چاہا تو میں دروازہ کھول دوں گا۔''

مسلمانوں نے بار بار انکار کیا اور انہوں نے اصرار کیا۔ آخر مجبور ہو کر مسلمانوں نے انہیں اپنے نیزوں پر اٹھایا۔ اور اوپر کی طرف اُچھال دیا۔ یہ دیوار کے اوپر سے ہوتے ہوئے باغ کے اندر عین دروازے کے پاس گرے...... وہاں ان گنت دشمن موجود تھے...... یہ جو ان کے اوپر گرے، وہ بدحواس ہوگئے، انہوں نے خیال کیا کہ نہ جانے ان پر کیا بلا آ گری، لہٰذا گھبرا کر اِدھر اُدھر ہو گئے...... حضرت براء بن مالک ؓ کے لیے اتنا موقع ہی کافی تھا، انہوں نے فوراً اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ بس پھر کیا تھا، مسلمان باغ کے اندر داخل ہو گئے۔ اس طرح ایک بار پھر گھمسان کی جنگ چھڑ گئی۔ لاشوں کے انبار لگ گئے...... لیکن چونکہ مسیلمہ کا لشکر پہلے ہی شکست کھا کر باغ میں آ گھسا تھا، اس لیے ان کے حوصلے ٹوٹ چکے تھے...... زیادہ تر ان ہی کی لاشیں گر رہی تھیں۔

ایسے میں حضرت وحشی ؓ نے کام دکھا دیا۔ یہ حضرت جبیر بن مطعم ؓ کے غلام تھے۔ غزوہ احد میں ان کے ہاتھوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ ؓ شہید ہوئے تھے۔ اس کے بعد یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ نیزہ پھینکنے کے بہت ماہر تھے اور اپنی ساری مہارت سے کام لے کر انہوں نے تاک کر حضرت حمزہ ؓ کو نیزہ مارا تھا...... آج اسی مہارت سے کام لے کر انہوں نے مسیلمہ پر نیزہ پھینکا، اس وار سے مسیلمہ جہنم رسید ہوا اور اس کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ مسلمانوں نے بھاگتے دشمن کا تعاقب کیا...... اور دور تک انہیں مارتے کاٹتے چلے گئے۔

حضرت خالد بن ولید ؓ نے میدانِ جنگ کا معائنہ کیا...... اور لاشوں کے ڈھیر میں پڑی مسیلمہ کی لاش کو دیکھ کر اطمینان ظاہر کیا۔ اس روز سے اس باغ کا نام ’’موت کا باغ‘‘ مشہور ہو گیا۔ تاریخ کی کتابوں میں اس باغ کو ’’موت کا باغ‘‘ ہی لکھا گیا۔ مسیلمہ کے لشکر کے دس ہزار سے زائد آدمی مارے گئے جب کہ مسلمانوں میں سے بارہ سو شہید ہوئے۔

مرتدوں کے ساتھ جتنی لڑائیاں لڑی گئیں۔ یہ ان میں سب میں بڑی اور سخت جنگ تھی۔ اس جنگ میں بڑے بڑے نامور صحابہ شہید ہوئے، لیکن چونکہ مسیلمہ اس وقت اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا اور اس کے خلاف یہ فیصلہ کن جنگ تھی، اس لیے اس جنگ کے بعد مسلمانوں کے قدم جزیرۃ العرب میں جم گئے۔ اسلامی فوج جب فتح کا پرچم لہراتی مدینہ منورہ میں داخل ہوئی تو مدینہ منورہ کا چپہ چپہ مبارک باد کی آوازوں سے گونج اُٹھا...... بارہ سو مسلمانوں کی شہادت کا غم اپنی جگہ تھا، لیکن اللہ کی حمد و ثناء اور مبارک باد کی گونج میں رنج اور غم بہت کم ہو گیا...... حضرت ابوبکر صدیق ؓ جہاں حد درجے خوش تھے، وہاں اتنے صحابہ کرام کے شہید ہونے پر حد درجے غمگین بھی تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے جو گیارہ لشکر ترتیب دیئے تھے، ان میں سے ایک لشکر کا سالار حضرت علاء بن حضرمی ؓ کو مقرر کیا تھا۔ انہیں آپ نے بحرین کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ بحرین ایرانی حکومت کا علاقہ تھا...... یہ ایک ریگستانی علاقہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی میں بحرین کے سردار ’’منذر بن ساوی‘‘ کو خط کے ذریعے اسلام کی دعوت دی تھی۔ اس دعوت کے نتیجے میں ’’منذر‘‘ اور بحرین کے صدر مقام ’’ہجر‘‘ کا گورنر ’’مرزبان‘‘ مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کے ساتھ جتنے قبیلے آباد تھے، ان سب نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ واقعہ ۸ ہجری کا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے فوراً بعد ”منذر بن ساویٰ“ کا بھی انتقال ہو گیا۔ اب دوسرے لوگوں کی دیکھا دیکھی بحرین کے لوگ بھی اسلام سے پھر گئے۔ وہاں ایک صحابی حضرت ”جارود بن بشر“ ؓ تھے …… یہ کچھ مدت حضور نبی اکرم ﷺ کی صحبت میں رہے تھے، اس لیے وہ بدستور مسلمان رہے، انہوں نے قبیلہ عبدقیس کو پھر سے اسلام قبول کر لینے کی دعوت دی، انہیں تبلیغ کی تو عبدقیس نے اسلام قبول کر لیا …… باقی لوگ بنو بکر وغیرہ مرتد ہی رہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے حضرت علاء بن حضرمی ؓ کو ان کی طرف روانہ فرمایا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب حضرت خالد بن ولید ؓ یمامہ کی جنگ سے فارغ ہوئے تھے۔ حضرت علاء بن حضرمی ؓ اپنے لشکر کو لیے ایک صحرا سے گزر رہے تھے کہ شام ہو گئی …… انہوں نے وہیں ٹھہرنے کا پروگرام بنایا تا کہ رات کے وقت صحرا میں راستہ نہ بھول جائیں۔ اب وہاں عجیب اتفاق ہوا …… جن اونٹوں پر کھانے پینے کا سامان لدا ہوا تھا، وہ بدک کر بھاگ نکلے اور مسلمانوں کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ رہا، اب تو لشکر بہت پریشان ہوا …… صحرا میں خوراک نہ ہو تو جان پر بن جاتی ہے۔ انہیں اپنی موت کا یقین سا ہو گیا …… ایک دوسرے کو وصیتیں کرنے لگے …… تاہم حضرت علاء بن حضرمی ؓ نے انہیں تسلی دی اور فرمایا:

”اے لوگو! کیا تم اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے نہیں ہو۔ یقین کرو، اللہ تم جیسے لوگوں کو رسوا اور ذلیل نہیں کرے گا۔“

اسلامی فوج جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئی تو دور سے انہیں پانی کی چمک نظر آئی …… ریگستان میں جب ایسی چمک نظر آئے تو یہی خیال کیا جاتا ہے کہ وہاں پانی ہے …… لیکن وہاں جانے پر پتا چلتا ہے کہ یہ سراب تھا، ریت کی چمک تھی، پانی کی نہیں، انہوں نے بھی یہی خیال کیا …… تاہم فوج کے ہراول دستے نے آگے جا کر دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ وہاں پہنچے تو وہ پانی ہی تھا۔ اب تو سب کے سب بہت خوش ہوئے۔ سب نے پانی پیا، غسل کیا …… اور پانی اپنے مشکیزوں میں بھر لیا۔ سورج ذرا بلند ہوا تو اونٹ بھی ادھر اُدھر سے ان کے پاس آ گئے۔

مسلمانوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اب لشکر تازہ دم ہو کر آگے روانہ ہوا …… اور بحرین کے مقام پر پہنچ گیا۔ بحرین کی فوج کے سالار کا نام ”مطعم بن جبیر“ تھا۔ بحرین کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ایک رات اس لشکر میں شور وغل کی آوازیں سنائی دیں۔ حضرت علاء ؓ نے معلومات حاصل کرنے کے لیے اپنے چند فوج روانہ کیے۔ انہوں نے آ کر بتایا کہ ایرانی سپاہی

شراب پی کر نشے میں شور مچا رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت علاء ؓ اپنی فوج لے کر ان پر ٹوٹ پڑے۔ بحرین کا لشکر بدحواس ہو گیا۔ بہت سے قتل ہوئے۔ بے شمار گرفتار ہوئے اور بہت سے بھاگ نکلے۔ مطعم بھی مارا گیا۔ بھاگنے والے کشتیوں میں سوار ہو کر ''دارین'' پہنچ گئے۔

دارین ایک جزیرہ تھا۔ یہاں عیسائی آباد تھے۔ حضرت علاء ؓ نے ان کا تعاقب کرنا چاہا، لیکن مسلمانوں کے پاس کشتیاں نہیں تھیں۔ تب حضرت علاء بن حضرمی ؓ نے اپنے مجاہدین سے کہا:

''مسلمانو! کچھ خوف نہ کرو۔ جس اللہ نے تمہاری خشکی میں مدد کی ہے، وہی سمندر میں بھی تمہاری مدد کرے گا۔''

ان الفاظ کے بعد تمام لشکر نے اللہ سے دعا کی، نہایت عاجزی سے گڑگڑائے اور اپنے گھوڑے، خچر، اونٹ یہاں تک کہ گدھے تک سمندر میں ڈال دیے۔ اس طرح اسلامی لشکر نے سمندر عبور کر لیا اور جزیرہ دارین کے ساحل پر پہنچ گئے۔

علامہ اقبال نے شاید ایسے ہی کسی موقعے کے لیے یہ شعر کہا تھا:

دشت تو دشت دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

اب یہاں بھاگنے والوں کو بھی کسی اور طرف سے بھاگنے کا راستہ نہیں تھا، اس لیے وہ ایک بار پھر مسلمانوں کے مقابلے میں جم گئے اور بہت بے جگری سے لڑے۔ آخر مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ کفار سب کے سب موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو بے حد مال غنیمت ہاتھ آیا۔ ایک ایک سوار کو چھ چھ ہزار اور ہر پیادے کو دو دو ہزار ملے۔

حضرت علاء ؓ اسی روز بحرین کے لیے واپس روانہ ہو گئے۔ بحرین پہنچ کر انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو فتح کی خوش خبری کا پیغام بھیج دیا۔ اس خط میں انہوں نے تمام حالات لکھے۔ اب اس علاقے میں مرتدوں کی کمر بالکل ٹوٹ گئی۔ نتائج کے اعتبار سے یہ جنگ یمامہ کی جنگ سے زیادہ اہم تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یمامہ میں صرف ایک قوم سے جنگ تھی جب کہ بحرین چونکہ خلیج فارس پر واقع تھا اور ایران کی حکومت کے ماتحت تھا، یہاں ہندوستان اور ایران کے تاجر زیادہ تھے، اسی لیے یہ جنگ کسی ایک قوم سے نہیں تھی ..... بہت سی قوموں سے تھی۔ ان لوگوں میں یہودی، عیسائی اور آتش پرست بھی تھے۔ اس جنگ کا نتیجہ یہ

نکلا کہ مسلمانوں کے لیے عراق کی فتح کی راہ ہموار ہوگئی۔ تاہم تعداد اور افرادی طاقت کے لحاظ سے یمامہ کی جنگ ہی بڑی تھی۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عمان کے لوگ بھی مرتد ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے حضرت حذیفہ بن محصن اور حضرت عرفجہ بن ہرثمہ کے لشکروں کو عمان کی طرف روانہ فرمایا۔ عمان پر اس وقت لقیط بن مالک مرتد کا قبضہ تھا۔ یہ دونوں اس کی طرف بڑھے۔

لقیط کو خبر ملی تو اپنا لشکر لیے مسلمانوں کے مقابلے پر نکلا۔

مُرتدین کی سرکوبی

لقیط، دبا کے مقام تک پہنچا تھا کہ اسلامی لشکر اس تک پہنچ گیا۔ بہت سخت جنگ ہوئی۔ شروع میں دشمن کا پلہ بھاری رہا۔ اس سے مسلمان پریشان ہو گئے، لیکن اسی وقت مسلمانوں کے دو لشکر وہاں پہنچ گئے۔ اس اچانک مدد سے مسلمانوں کو بہت حوصلہ ملا۔ ان کے قدم جم گئے۔ انہوں نے اس قدر زبردست حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ دشمن کے دس ہزار آدمی مارے گئے۔ مسلمانوں کو بہت بڑی مقدار میں مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اس کا پانچواں حصہ مدینہ منورہ بھیج دیا گیا۔

آنحضرت ﷺ کے دور میں یمن کے لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان میں سے اکثر مرتد ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے گیارہ لشکروں میں سے ایک لشکر حضرت مہاجر بن ابی امیہ ؓ کی قیادت میں یمن کی طرف روانہ کیا۔ اس وقت تک حضرت عکرمہ ؓ بھی عمان وغیرہ کی جنگوں سے فارغ ہو چکے تھے، وہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ حضرت مہاجر ؓ سے آ ملے۔ یمن میں یوں بھی سب لوگ مرتد نہیں ہوئے تھے۔ وہاں مسلمانوں بھی کو کچھ طاقت حاصل تھی۔ حضرت فیروز دیلمی ؓ بھی وہیں موجود تھے۔ انہوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے اسود عنسی کو شکست دی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں یمن کا عامل مقرر فرما دیا تھا۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد جب یہاں کے اکثر لوگ مرتد ہو گئے تو حضرت فیروز دیلمی ؓ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ ایک طرف ہو گئے۔ وہ بھی

اسلامی لشکر کے انتظار میں تھے، ان دونوں لشکروں کی آمد کے بعد یہ بھی ان میں شامل ہو گئے۔ اس طرح مسلمانوں کو بہت طاقت حاصل ہو گئی۔ مرتدوں کے سردار شکست کھا گئے اور مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ حضرت مہاجر بن ابی امیہ ؓ نے انہیں مدینہ منورہ بھیج دیا۔ وہاں یہ مسلمان ہو گئے۔ ان کے نام عمرو بن معدی کرب اور قیس بن عبد یغوث تھے۔ بعد میں انہوں نے عراق اور شام کی مہمات میں حصہ لیا۔ اس طرح پورا یمن اسلام کے حلقے میں آ گیا۔

یمن کے قریب ہی حضر موت اور کندہ کے علاقے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ان دونوں علاقوں کا گورنر حضرت زیاد بن لبید انصاری ؓ کو مقرر فرمایا تھا۔ یہ صدقات بھی جمع کرتے تھے اور دین کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب دوسرے علاقوں کے لوگ مرتد ہو گئے تو یہ علاقے بھی اس وبا سے محفوظ نہ رہے۔

یہاں کا مشہور سردار ''اشعث بن قیس'' تھا۔ یہ شخص ۷۰ یا ۸۰ آدمیوں کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا تھا۔

آپ ﷺ کی وفات کے بعد یہ بھی مرتد ہو گیا۔ اب حضرت زیاد بن لبید ؓ کے ساتھ کم آدمی رہ گئے۔ پھر بھی انہوں نے مرتدوں کا مقابلہ کیا، لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ تاہم ان کی مدد کے لیے حضرت مہاجر بن ابی امیہ اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہما یمن کی مہم سے فارغ ہو کر آ گئے۔ ان دونوں کے ساتھ مل کر حضرت زیاد بن لبید ؓ نے اشعث بن قیس کا مقابلہ کیا۔ زبردست جنگ ہوئی۔ اشعث شکست کھا گیا۔ وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ وہاں سے بھاگ کر اس نے قلعہ النجیر میں پناہ لی۔ اسلامی لشکر بھی تعاقب کرتا، اس قلعے تک پہنچ گیا۔ مسلمانوں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ آخر اشعث نے اپنے نو آدمیوں کے لیے پناہ طلب کی...... حضرت مہاجر ؓ نے پناہ دینے کے لیے ان کی فہرست طلب کی۔ اس نے اپنے نو آدمیوں کی فہرست تو لکھ کر بھیج دی لیکن اس فہرست میں اپنا نام لکھنا بھول گیا۔ چنانچہ ان نو کو تو پناہ دے دی گئی...... خود اشعث کو گرفتار کر کے مدینہ منورہ بھیج دیا گیا۔ اسے حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے اس سے گفتگو کی۔ اس نے معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ آئندہ اسلام پر ثابت قدم رہے گا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے اسے معاف کر دیا۔

مرتدوں کے خلاف یہ آخری جنگ تھی۔ اس جنگ کے بعد پورا عرب مرتدوں سے پاک

ہو گیا۔ ان جنگوں میں بہت سے مردوں اور عورتوں کو گرفتار کیا گیا تھا...... انہیں آزاد کر دیا گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ مرتدوں کے خلاف مکمل طور پر کامیابی حاصل کر چکے تو آپ نے بیرونی دشمنوں کی طرف توجہ دی...... اس وقت دو بڑی طاقتیں اسلام کی دشمن تھیں...... یہ دونوں طاقتیں روم اور ایران تھیں۔ یہ دونوں دنیا کی سب سے بڑی اور طاقت ور ترین سلطنتیں تھیں۔ روم کے لوگ عیسائی تھے جب کہ ایرانی لوگ آگ کو پوجتے تھے۔ یہ مجوسی کہلاتے تھے۔ اسلام کو ان دونوں طاقتوں کی طرف سے خطرہ تھا۔ یہ کسی وقت بھی مسلمانوں پر حملہ آور ہو سکتی تھیں۔ اس وقت پورا شام رومی حکومت میں شامل تھا اور عراق ایرانی حکومت کا حصہ تھا۔ ان دونوں حکومتوں کی سرحدیں عرب میں مل جاتی تھیں۔ شام اور عراق کی سرحدیں آپس میں بھی ملتی تھیں۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ ہی کی ہمت اور جرأت تھی کہ ایک ہی وقت میں آپ نے ان دونوں کے خلاف جہاد شروع فرمایا۔

پہلے ہم ایران کے بارے میں بتاتے ہیں۔ ایرانیوں کو اپنی طاقت پر بہت ناز تھا۔ ان کا خیال تھا کہ انہیں کوئی شکست نہیں دے سکتا...... مسلمانوں کو تو وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری حصے میں آس پاس کے ملکوں کے بادشاہوں کو خطوط کے ذریعے اسلام کا پیغام پہنچایا تھا۔ ایک خط آپ نے ایران کے بادشاہ ''خسرو پرویز'' کو بھی ارسال فرمایا تھا۔ اس بدبخت نے آپ ﷺ کا خط پڑھے بغیر ہی پھاڑ دیا تھا...... اور غصے میں آ کر یمن کے گورنر کو یہ پیغام بھیجا تھا:

''جس شخص نے مجھے یہ خط لکھا ہے، اسے گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو۔''

جب حضور نبی کریم ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ اس نے آپ کا خط دو ٹکڑے کر دیا ہے تو ارشاد فرمایا:

''اللہ اس کے ملک کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔''

پھر ہوا یوں کہ ''خسرو پرویز'' کو اس کے بیٹے نے حکومت کے لالچ میں قتل کر دیا...... اس کے بعد ایرانی آپس میں لڑنے لگے۔ یہ مسلمانوں کے خلاف بھی سازشیں کرنے لگے۔ ان کی سرحد پر جو عرب قبیلے آباد تھے، یہ ان کے ساتھ بھی ظلم اور زیادتیاں کرتے تھے۔ اسی لیے ان قبیلوں کے لوگ ایرانیوں سے بہت نفرت کرتے تھے۔ ان ہی قبیلوں میں ایک قبیلہ ''بنو شیبان'' بھی تھا۔ اس کے سردار کا نام ''مثنیٰ بن حارثہ'' تھا۔ ہجرت کے نویں سال ''مثنیٰ بن حارثہ'' اپنے

قبیلے کے کچھ لوگوں کے ساتھ مدینہ منورہ آئے، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لے آئے۔ ''مثنیٰ بن حارثہ ؓ'' بہت بڑے بہادر اور جنگ جُو تھے۔ عقل مند بھی بہت تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد جب یہ واپس اپنے وطن گئے تو انہوں نے ایران کے ظالم حکمرانوں کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔ انہوں نے اپنے قبیلے ''بنو شیبان'' کے علاوہ کچھ دوسرے قبیلوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس طرح یہ کافی طاقت ور ہو گئے۔ اب انہوں نے اپنے لشکر کے ساتھ ایرانیوں پر حملے شروع کر دیئے۔ اچانک کسی ایرانی علاقے پر حملہ کرتے...... انہیں نقصان پہنچاتے اور واپس آ جاتے۔ آج ہم جس طریقے کو ''گوریلا وار'' کہتے ہیں یہ وہی طریقہ تھا اور غالباً ایسے حملوں کی ابتدا حضرت ''مثنیٰ بن حارثہ ؓ'' ہی نے کی تھی...... ان کی خواہش تھی کہ ایران پر باقاعدہ حملہ کیا جائے۔ اسلامی حکومت کی مدد کے بغیر وہ باقاعدہ حملہ کر نہیں سکتے تھے...... کیونکہ ان کے پاس اتنی فوج نہیں تھی۔ جب حضرت ابو بکر صدیق ؓ مرتدوں کے فتنے کو کچلنے میں کامیاب ہو گئے تو حضرت ''مثنیٰ بن حارثہ ؓ'' ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے خلیفۂ رسول ﷺ کو ایران کے حالات بتائے...... جو ظلم و ستم وہ توڑ رہے تھے، اس کی تفصیلات بتائیں اور خود انہوں نے ایران کے خلاف جو کارروائیاں اب تک کی تھیں، ان کی تفصیل بھی سنائی...... اور آخر میں مدد کی درخواست کی۔

حضرت ابو بکر صدیق ؓ کا ارادہ پہلے ہی یہ تھا کہ اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف جہاد شروع کیا جائے، چنانچہ آپ نے حضرت مثنیٰ بن حارثہ ؓ سے فرمایا:

''تم واپس جاؤ اور سرحد کے قریب آباد سارے عرب قبیلوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرو۔ ہم تمہاری مدد کے لیے بہت جلد فوج بھیج رہے ہیں۔''

یہ سن کر حضرت مثنیٰ ؓ بہت خوش ہوئے اور وطن کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے حضرت خالد بن ولید ؓ کو حکم بھیجا:

''فوراً عراق کی طرف روانہ ہو جاؤ اور مثنیٰ کو ساتھ ملا کر ایران کے ظالم مجوسیوں کے خلاف جہاد شروع کرو۔''

عراق کی طرف پیش قدمی

حضرت خالد بن ولید ؓ اس وقت یمامہ میں تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کا حکم ملتے

ہی وہ دس ہزار مجاہدین کے ساتھ عراق کی طرف بڑھے۔ یہ واقعہ ۱۲ ہجری کا ہے۔ ساتھ ہی حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے حضرت مثنیٰ بن حارثہ ؓ کو حکم بھیجا:

"تم خالد بن ولید کے ساتھ رہو...... ان کے ساتھ کوچ کرو اور ان کے ساتھ قیام کرو، پورے طور پر ان کی اطاعت کرو۔"

ان کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے حضرت عیاض بن غنم ؓ کو لکھا:

"تم بھی خالد بن ولید ؓ کے پاس پہنچ جاؤ اور ان کی قیادت میں لڑو۔"

اس موقعے پر حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت خالد بن ولید ؓ کو یہ ہدایات دیں:

۱۔ عراق کی سرزمین پر پہنچ کر لوگوں کی دلجوئی کریں۔ اللہ کی طرف انہیں دعوت دیں۔ اگر وہ اس دعوت کو قبول کرلیں تو ٹھیک، ورنہ ان سے جزیہ طلب کریں۔ جزیہ دینے سے بھی انکار کریں تو پھر ان سے جنگ کریں۔

۲۔ جو لوگ ساتھ جانے کے لیے تیار نہ ہوں، ان پر جبر نہ کریں۔

۳۔ جو لوگ مرتد ہوگئے تھے، لیکن اب پھر مسلمان ہوگئے ان سے کسی قسم کی مدد طلب نہ کریں۔

۴۔ جو مسلمان پاس سے گزریں، انہیں ساتھ ملالیں۔

۵۔ اپنی جنگ کا آغاز "اُبلہ" سے کریں۔

یہ آخری حکم حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اس لیے دیا تھا کہ اس زمانہ میں شاہِ ایران کا سارا جنگی سامان اُبلہ میں موجود تھا۔ گویا وہ اس کی فوجی چھاؤنی تھی۔ یہ شہر بندرگاہ بھی تھا۔ اس کے ذریعے عرب اور ہندوستان کے درمیان تجارتی تعلقات قائم تھے۔

غرض اسلامی لشکر عراق کی طرف بڑھا۔ اس وقت عراق کا گورنر "ہُرمُز" ایران کے بہت بڑے پہلوانوں میں شامل ہوتا تھا...... یہ بہت ظالم بھی تھا۔ سرحد پر آباد عرب قبیلوں پر بہت ظلم ڈھاتا تھا...... اس کے اسی ظلم سے تنگ آکر حضرت مثنیٰ ؓ نے ایرانی سرحدوں پر گوریلا کارروائیاں شروع کی تھیں۔

عرق میں سب سے پہلی جنگ جو ہوئی اس کا نام "ذات السلاسل" یعنی "زنجیروں کی لڑائی" ہے۔ اس وقت ایرانی حکومت کا دستور تھا کہ جو شخص جتنا بڑا عہدے دار ہوتا تھا اس کی ٹوپی اتنی ہی قیمتی ہوتی تھی۔ اب چونکہ "ہُرمُز" یہاں سب سے بڑا عہدے دار تھا اس لیے اس

کی ٹوپی ایک لاکھ روپے کی تھی۔

حضرت خالد بن ولید ؓ عراق کی حدود میں داخل ہوئے تو حضرت مثنیٰ بن حارثہ ؓ اپنی ۸ ہزار فوج کے ساتھ ان سے آملے۔ اب حضرت خالد ؓ نے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصے کے سردار حضرت مثنیٰ بن حارثہ ؓ کو مقرر کیا۔ دوسرے حصے کا سالار حضرت عدی بن حاتم طائی ؓ کو مقرر کیا اور تیسرا حصہ خود اپنے پاس رکھا۔ تینوں لشکر دو دن اور تین دن کے وقفے سے روانہ ہوئے...... یعنی سب سے آگے حضرت مثنیٰ ؓ کا لشکر روانہ ہوا! ...... اس کے دو دن بعد حضرت عدی بن حاتم ؓ کا اور تین دن بعد حضرت خالد ؓ کا لشکر روانہ ہوا...... حضرت خالد بن ولید ؓ نے ہرمز کے نام ایک خط بھی لکھا۔ جس میں فرمایا:

"تو اسلام لے آ محفوظ رہے گا۔ ورنہ جزیہ ادا کر، یہ بھی منظور نہیں تو جنگ کے لیے تیار ہو جا...... میں تیری طرف ان لوگوں کو لے آیا ہوں جو موت کو اتنا محبوب رکھتے ہیں جتنا تم زندگی کو۔"

ہرمز کو یہ خط ملا۔ ساتھ ہی اسے مسلمان فوجوں کی روانگی کی اطلاعات ملیں تو اس نے ایران کے بادشاہ یزدگرد کو یہ تمام حالات لکھ بھیجے۔ پھر اپنا لشکر لے کر یہ بہت تیزی سے حفیر کے مقام کی طرف بڑھا...... کیونکہ اسے اطلاع ملی تھی کہ مسلمانوں کا لشکر بھی اسی طرف آرہا ہے۔ وہاں پہنچتے ہی اس نے پانی کے پاس پڑاؤ ڈال دیا۔ حضرت خالد بن ولید ؓ کا لشکر وہاں پہنچا تو انہیں یہ پریشان کن خبر ملی کہ ہرمز نے پانی پر قبضہ کر لیا اور ہمارے پاس پانی نہیں ہے۔

حضرت خالد بن ولید ؓ نے اپنے لشکر کے ساتھ مل کر اللہ سے دعا کی...... بس پھر کیا تھا ...... بارش شروع ہو گئی اور جل تھل ہو گیا۔

ہرمز نے اپنی فوج کی صف بندی شروع کی۔ اس جنگ کی نمایاں ترین بات یہ تھی کہ ان کفار نے زنجیروں سے ایک دوسرے کو باندھ لیا تھا...... تاکہ بھاگ نہ سکیں۔ اسی لیے اس جنگ کو "ذات السلاسل" کہا جاتا ہے یعنی "زنجیروں کی لڑائی۔"

ادھر حضرت خالد بن ولید ؓ نے اپنی فوج کی صف بندی کی...... جنگ شروع کرنے سے پہلے ہرمز نے حضرت خالد بن ولید ؓ کو بذاتِ خود اپنے مقابلے پر آنے کی دعوت مبارزت دی...... اور یہ اس کی سازش تھی...... اس نے میدان کے درمیان کچھ گڑھے وغیرہ کھدوائے تھے...... ان میں اپنے فوجی چھپا دیئے تھے۔ انہیں ہدایت دی تھی کہ جب خالد بن

ولید ؓ اس پر حملہ آور ہوں تو وہ اپنی جگہوں سے نکل کر ان پر یک بارگی حملہ کر دیں۔

پہلے زمانے میں پوری جنگ شروع ہونے سے پہلے دونوں لشکروں کے درمیان انفرادی مقابلے ہوتے تھے۔ پہلے ایک لشکر سے کوئی بہادر نکل کر آگے آتا، وہ للکارتا کہ کون میرے مقابلے پر آتا ہے...... دوسری طرف سے اس کے مقابلے پر کوئی جواں مرد نکلتا... اس طرح جو جیت جاتا، وہ پھر کسی کو للکارتا... یا کوئی اور نکل کر اسے للکارتا...... اس للکارنے کو دعوت مبارزت کہا جاتا ہے۔

اس دعوت کے پردے میں ہرمز چال چلنا چاہتا تھا... دونوں لشکروں کے درمیان اتنا فاصلہ تو تھا ہی کہ اگر کچھ کافر چھپی ہوئی جگہوں سے نکل کر حضرت خالد ؓ پر حملہ کرتے تو فوری طور پر مسلمانوں کے لشکر سے نکل کر کوئی ان کی مدد کو نہیں آ سکتا تھا جب حضرت خالد ؓ کو ہرمز نے للکارا اور حضرت خالد ؓ اس کے مقابلے کے لیے آگے بڑھے تو مسلمان بہت فکر مند ہو گئے .... انہوں نے سوچا کہ حضرت خالد ؓ اکیلے جا رہے ہیں، کہیں کافر دھوکا نہ کریں..... اسلامی لشکر میں حضرت قعقاع ؓ ایسی صورت میں ان کی مدد کے لیے تیار ہو گئے۔

حضرت قعقاع ؓ وہ مجاہد ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق ؓ حضرت خالد ؓ کو اس مہم پر روانہ فرما چکے تو بعد میں انہیں خیال آیا کہ حضرت قعقاع ؓ کو بھی ان کی مدد کے لیے روانہ کرنا چاہیے۔ ... چنانچہ انہیں روانہ ہونے کا حکم فرمایا۔ یہ حکم سن کر کسی نے حیران ہو کر کہا تھا:

"آپ ان کی مدد کے لیے صرف ایک آدمی کو روانہ کر رہے ہیں۔"

جواب میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا تھا:

"جس لشکر میں قعقاع ہوں، اس لشکر کو کبھی شکست نہیں ہو گی۔"

یعنی یہ اتنے بہادر تھے۔ اس موقعے پر خطرے کو بھانپ کر یہ بھی تیار ہو گئے تھے

حضرت خالد ؓ نے ہرمز کی للکار پر اپنے گھوڑے کو آگے بڑھایا ادھر ہرمز اپنے گھوڑے پر تیار کھڑا تھا تلوار اس کے ہاتھ میں پوری طرح چمک رہی تھی اس کے سر پر فولادی ٹوپی بھی دھوپ میں خوب چمک رہی تھی

جوں ہی حضرت خالد ؓ اس کے قریب پہنچ کر اس پر حملہ آور ہونے، ادھر ادھر چھپے ہوئے دشمن فوراً نکل کر ان پر حملہ کرنے کے لیے جھپٹے۔

خون ریز معرکے

قعقاع بن عمرو ؓ نے دور سے یہ منظر دیکھا تو بجلی کی طرح ان کی طرف روانہ ہوئے اور پلک جھپکتے ہی ان سواروں پر ٹوٹ پڑے...... چھپے ہوئے مکار دشمن حضرت خالد ؓ تک پہنچ ہی نہ سکے...... ادھر حضرت خالد ؓ نے ہرمز پر وار کیا اور ایک ہی وار میں اسے موت کی نیند سلا دیا...... ہرمز کے مارے جاتے ہی ایرانی حوصلہ ہار بیٹھے...... وہ زنجیریں تڑا تڑا کر بھاگے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا...... اس طرح ایرانیوں کی بڑی تعداد قتل ہوئی...... ایرانیوں نے دریائے فرات کے بڑے پل پر پہنچ کر دم لیا...... اس مقام پر بعد میں شہر بصرہ آباد ہوا۔

مسلمانوں کو بے تحاشا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اس مال غنیمت میں ایک ہاتھی بھی تھا۔ اس کے علاوہ ہرمز کی قیمتی ٹوپی بھی تھی۔ حضرت خالد بن ولید ؓ نے جب مال غنیمت مدینہ منورہ بھیجا تو وہ ہاتھی بھی اس میں شامل تھا...... مدینہ منورہ کے لوگوں نے اپنی زندگی میں پہلی کبھی ہاتھی نہیں دیکھا تھا...... یہ ان کے لیے عجیب جانور تھا...... سب کے سب اسے دیکھنے کے لیے اُمڈ آئے۔ بچوں اور مردوں کا اژدہام ہو گیا...... سب ہاتھی کو دیکھ کر خوش بھی ہوئے تھے اور حیران بھی۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اسے واپس بھجوا دیا۔ کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا:

”اس سے شاہی شان و شوکت ظاہر ہوتی ہے۔“

ادھر میدان جنگ کا حال سنئے، مسلمان بھی ایرانیوں کا تعاقب کرتے ہوئے فرات کے پل تک پہنچ گئے تھے۔ اس مقام پر حضرت خالد بن ولید ؓ نے حضرت مثنیٰ بن حارثہ ؓ کو فرار ہونے والی ایرانی فوج کے تعاقب پر مقرر کیا اور حضرت معقل بن مقران مزنی کو اُبلّہ کی طرف روانہ کیا۔

اُبلّہ کا ذکر پہلے آ چکا ہے کہ یہ شہر ایرانی فوجیوں کی چھاؤنی تھا...... یہاں ایرانی فوجوں کے لیے اسلحہ جمع رکھا جاتا تھا...... اُبلّہ بصرہ سے ایک دن کے فاصلے پر تھا...... حضرت خالد بن ولید ؓ اُبلّہ کی طرف بڑھے...... اُبلّہ کے لوگوں نے بھی مقابلے کی تیاری کر لی تھی...... دونوں

لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔

مسلمانوں کی مسلسل فتوحات نے ایرانیوں کے حوصلے پہلے ہی پست کر دیے تھے، اس لیے اُبلّہ میں بھی جم کر نہ لڑ سکے اور جلد شکست کھا گئے...... جو بھاگ نہ سکے انہیں قتل کر دیا گیا اور جو بھاگ نکلے، وہ دریا میں ڈوب گئے۔

ادھر حضرت خالد بن ولید ؓ نے حضرت مثنیٰ ؓ کو ایرانیوں کے تعاقب کی ہدایات دی تھیں...... وہ ان کے تعاقب میں لگے ہوئے تھے...... وہ اور آگے بڑھنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ ایران کے بادشاہ یزدگرد نے ایک لشکر جرار مسلمانوں کے مقابلے کے لیے روانہ کر دیا۔ اس لشکر کی قیادت ایران کے بڑے بڑے جرنیل کر رہے تھے۔ حضرت مثنیٰ ؓ کو اس قدر عظیم لشکر کی روانگی کی اطلاع ملی تو انہوں نے مزید آگے بڑھنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

ایرانیوں کا یہ لشکر ''مذار'' نام کے مقام پر آ کر رکا۔ ''مذار'' دجلہ اور فرات کے ملنے کی جگہ پر واقع تھا...... اس ایرانی لشکر میں اب تک شکست کھانے والے ایرانی بھی آ آ کر شامل ہوتے چلے گئے۔ اس طرح اس کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ ایرانی لشکر کا سپہ سالار قارن تھا۔ یہ بہت بڑا جنگ جُو تھا۔

حضرت خالد بن ولید ؓ کو یہ اطلاعات مل چکی تھیں، اس لیے وہ فوراً اس طرف بڑھے...... اور ''مذار'' پہنچ گئے۔

دونوں لشکروں نے جنگ کی تیاری شروع کر دی...... مسلمانوں کے مقابلے میں ایرانیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ آخر دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے...... سب سے پہلے قارن میدان میں نکلا...... اس نے بلند آواز میں کہا:

''میرے مقابلے پر کون آتا ہے...... میں قارن ہوں''

اس کی للکار پر حضرت معقل بن اعشیٰ ؓ آگے بڑھے...... دونوں کے درمیان مقابلہ ہوا...... دونوں نے سپہ گری کے جوہر دکھائے۔ آخر قارن حضرت معقل ؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔

اب ایرانیوں کی فوج سے نوشجان نکلا۔ یہ بھی بڑا جنگ جُو تھا۔ اس کے مقابلے کے لیے حضرت عاصم ؓ نکلے۔ حضرت عاصم ؓ کے ہاتھوں نوشجان مارا گیا۔ تیسرے نمبر پر قباذ میدان میں نکلا۔ اس کا مقابلہ حضرت عدی بن حاتم ؓ سے ہوا۔ یہ ان کے ہاتھوں مارا گیا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ یہ تینوں اتنے بہادر تھے کہ ان کے بعد آئندہ کسی جنگ میں اتنے

بہادر اور نامور جنگجو مسلمانوں کے ہاتھوں نہیں مارے گئے۔

اس کے بعد جنگ شروع ہوئی، لیکن اپنے تین سالاروں کا انجام دیکھنے کے بعد ایرانی فوج پہلے ہی حوصلہ ہار چکی تھی...... وہ جم کر نہ لڑ سکی اور شکست کھا کر بھاگی...... مسلمانوں نے ان کے بھاگتے ایرانیوں کو مارنا کاٹنا شروع کیا...... ان کے کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ بھاگتے ہوئے ایرانی دریا تک پہنچ گئے اور کشتیوں میں بیٹھ کر دریا پار کر گئے...... پھر بھی تیس ہزار ایرانی مارے گئے۔ اگر وہ کشتیوں کے ذریعے بھاگ نہ جاتے تو شاید اس دن ان میں سے کوئی بھی نہ بچتا۔

بہت سے ایرانی گرفتار بھی ہوئے اور قیدی بنا کر لائے گئے۔

اس جنگ میں ایرانیوں کا بے تحاشا نقصان ہوا۔ یہ جنگ ۱۲ ہجری ماہ صفر میں ہوئی۔

اس جنگ سے فارغ ہو کر حضرت خالد بن ولید ؓ "حیرہ" کی طرف بڑھے۔ یہ خلیج فارس اور مدائن کے درمیان واقع ہے۔ ادھر یزدگرد کو "مذار" میں ایرانیوں کی عبرت ناک شکست کی خبر ملی تو اس نے ایک اور لشکر روانہ کیا...... پھر اس کی مدد کے لیے اس کے پیچھے ایک اور لشکر روانہ کیا۔ ان دونوں لشکروں کے سالار "اندرزغر" اور "جادویہ" تھے۔ ایرانیوں نے راستے میں ملنے والے عرب قبائل کو بھی ساتھ ملا لیا۔ یہ لوگ عیسائی تھے...... اس طرح ان دونوں لشکروں میں مسلمانوں کے خلاف بہت سے عیسائی شامل ہو گئے۔

ان سب نے مل کر "دلجہ" کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ "دلجہ" دریائے دجلہ اور فرات کے ملنے کی جگہ پر واقع تھا۔

حضرت خالد بن ولید ؓ کو ایرانیوں کی ان تیاریوں کی اطلاع ملی تو پورے ساز و سامان کے ساتھ روانہ ہوئے۔

یہ جنگ آسان نہیں تھی۔ ایرانیوں اور عرب قبائل کے لشکر الگ الگ تھے...... ہر لشکر کا سالار اسی قوم کا تھا، لیکن ان سب کا عمومی سپہ سالار ایرانی تھا۔ آخر جنگ شروع ہوئی۔ دونوں طرف سے جنگجوؤں نے بہادری کے جوہر دکھائے۔ پھر عام مقابلہ شروع ہوا...... فتح اور شکست کے بارے میں وقت سے پہلے کوئی اندازہ تک لگانے کے قابل نہیں تھا۔

اس جنگ کے شروع کرنے سے پہلے حضرت خالد بن ولید ؓ نے ایک جنگی چال چلی تھی... آج کی زبان میں اس کو جنگی حکمتِ عملی کہا جاتا ہے... انہوں نے کچھ دستوں کو

ہدایت دی تھی کہ وہ اسلامی لشکر سے الگ ہو کر ایرانی لشکر کے عقب میں پہنچ کر ان پر اس وقت حملہ کریں جب جنگ شروع ہو چکی ہو...... یہ حکمت عملی بہت کامیاب رہی...... جنگ خوب زوروں پر تھی کہ ان دستوں نے پچھلی طرف حملہ کر دیا۔ اس سے ایرانی لشکر میں بھگدڑ مچ گئی ...... ان میں خوف پھیل گیا اور وہ بدحواس ہو کر بھاگے۔ ان کی بہت بڑی تعداد قتل ہوئی...... ''اندرزغر'' بھی جان بچا کر بھاگا، لیکن راستے میں پیاس کی شدت سے مر گیا۔

جنگ کے بعد حضرت خالد بن ولید ؓ نے اس علاقے کے لوگوں کے ساتھ بہت نرم سلوک کیا...... ان سب کو امان دے دی۔ اس طرح وہ لوگ جزیہ دینے پر آمادہ ہو گئے۔

ان مسلسل شکستوں نے ایرانیوں میں غم و غصے کی آگ بھڑکا دی...... عراق کے عرب قبیلوں پر شکستوں کا اور زیادہ اثر ہوا...... وہ بھی انتقام لینے پر تل گئے۔ ان سب نے ایرانیوں کے ساتھ مل کر بہت بڑے پیمانے پر جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں...... یہ تمام فوجیں الّیس کے مقام پر جمع ہوئیں۔ یہ مقام حیرہ اور اُبلہ کے عین وسط میں دریائے فرات کے کنارے واقع تھا۔ ایران کے بادشاہ یزدگرد نے ان فوجوں پر بہمن کو سپہ سالار مقرر کیا۔ بہمن ایران کے ایک علاقے کا حاکم تھا۔ اسے حکم ملا تو اس نے پہلے یزدگرد سے ملاقات کا پروگرام بنایا اور اپنے پیچھے جابان کو سپہ سالار مقرر کیا...... ساتھ ہی اس نے جابان کو ہدایت بھیجی:

''جب تک میں نہ آ جاؤں، تم جنگ شروع نہ کرنا۔''

بہمن یزدگرد کے پاس پہنچا تو وہ بیمار تھا...... اس لیے اس کچھ دن تک وہاں ٹھہرنا پڑا۔

جابان ابھی بہمن کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا کہ حضرت خالد بن ولید ؓ اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے آتے ہی دشمن کو سوچنے سمجھنے کا موقع دیے بغیر جنگ شروع کر دی۔

ایرانی لشکر سے ایک بڑے جنگجو مالک بن قیس نے میدان میں نکل کر دعوتِ مبارزت دی۔ اس کے مقابلے میں خود حضرت خالد بن ولید ؓ آگے بڑھے...... مالک نے حضرت خالد ؓ پر حملہ کیا...... آپ نے اس کے وار کو ڈھال پر روکتے ہی تلوار کا وار کر دیا اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر ڈالا۔ اس منظر سے ایرانی لشکر پر ہیبت چھا گئی۔ اس قدر بدحواس ہو کر بھاگے کہ اپنا پکا پکایا کھانا بھی چھوڑ گئے۔ مسلمانوں نے جب مالِ غنیمت جمع کیا تو اس میں کھانا بھی شامل تھا اور اس کھانے میں میدے کی روٹیاں تھیں۔ مسلمانوں نے اس سے پہلے میدے کی روٹیاں نہیں کھائی تھیں۔ وہ ان روٹیوں کو دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔

اس جنگ میں ایرانی لشکر کے ۷۰ ہزار آدمی قتل ہوئے۔ الیس کی فتح کے بعد حضرت خالد بن ولید ؓ ایک اور نزدیکی شہر "امغیشیا" پر حملہ آور ہوئے۔ یہاں کے ایرانیوں نے جنگ کے بغیر شکست مان لی۔

اب اسلامی لشکر کی اگلی منزل حیرہ تھی۔ حیرہ عراق کا پایہ تخت تھا۔ اس لحاظ سے اہم مقام تھا، چنانچہ حضرت خالد بن ولید ؓ حیرہ کی طرف بڑھے۔

* * * * *

انبار، عین التمر اور دومۃ الجندل کی لڑائیاں

اس وقت ایرانی حکومت کی طرف سے حیرہ کا گورنر "آزاذبہ" تھا۔ اسے اسلامی لشکر کی آمد کا پتا چلا تو وہ اپنا لشکر لے کر آگے بڑھا۔ ساتھ ہی اس نے اپنے بیٹے کو حکم دیا:

"اسلامی لشکر دریا پار کر کے اس طرف آئے گا...... تم دریا کا پانی کاٹ دو۔"

وہ فوراً اپنی فوج کا کچھ حصہ لے کر دریا پر پہنچ گیا اور بند باندھ کر دریا کا پانی روک دیا۔ اس طرح دریا کا پانی خشک ہوتا چلا گیا اور اسلامی لشکر کی کشتیاں زمین سے لگ گئیں۔ حضرت خالد ؓ اپنا ایک دستہ لے کر کشتیوں سے اترے اور آزاذبہ کے لڑکے پر حملہ کر دیا۔ اسے قتل کر کے آگے بڑھے۔

ایسے میں آزاذبہ کو ایران کے شہنشاہ کے مرنے کی اطلاع ملی۔ اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، وہ بھاگ نکلا۔ حیرہ کے لوگ قلعہ بند ہو گئے۔ اسلامی لشکر نے حیرہ شہر کا محاصرہ کر لیا۔ آخر حیرہ کے لوگ صلح پر مجبور ہو گئے۔

حضرت خالد بن ولید ؓ نے ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ جزیے پر صلح کی...... اور فتح کی خبر مدینہ منورہ بھیج دی۔

اب حضرت خالد بن ولید ؓ نے حیرہ کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا۔ سال بھر وہاں رہے، اس کا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے حسنِ سلوک کو دیکھ دیکھ کر آس پاس کے لوگ مسلمان ہونے لگے...... یا صلح کرنے کی طرف مائل ہو گئے۔ اس طرح مسلمانوں کا شمال میں حیرہ تک، مغرب میں بلادِ عرب تک اور مشرق میں دجلہ تک کے علاقوں پر قبضہ ہو گیا۔ ساتھ ہی حضرت خالد بن ولید

ؓ نے اہلِ ایران کے نام خطوط روانہ کیے...... ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔

کچھ دنوں بعد ایران کے لوگوں نے پھر سے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری شروع کر دیں...... حیرہ کے قریب انبار اور عین التمر واقع تھے...... ایرانی دونوں شہروں میں جمع ہونے لگے۔ حضرت خالد بن ولید ؓ کو ان کی تیاریوں کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت قعقاع ؓ کو حیرہ میں اپنا قائم مقام مقرر کر کے انبار کا رخ کیا۔ ایرانیوں کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو وہ قلعہ بند ہو گئے۔ قلعے کے چاروں طرف خندق بھی تھی۔ اس کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے قلعے تک پہنچنا مشکل ہو گیا...... اس کے علاوہ ایک مشکل یہ پیش آئی کہ ایرانی قلعے کی فصیل پر چڑھ کر مسلمانوں پر پتھروں کی بارش کرتے رہتے تھے۔ حضرت خالد ؓ نے یہ رنگ دیکھا تو اپنی فوج کے بہترین نشانہ بازوں کو حکم دیا۔

''تم تاک تاک کر ایرانیوں کی آنکھوں پر تیر مارو۔''

اب انہوں نے آنکھوں کا نشانہ لینا شروع کیا۔ اس طرح تقریباً ایک ہزار ایرانیوں کی آنکھیں پھوڑ ڈالیں۔ اس وقت ایرانی فوج کا سپہ سالار شیرزاد تھا۔ وہ بہت عقل مند اور دُور اندیش تھا۔ اس نے صلح کی پیش کش کی، لیکن صلح کی جو شرائط اس نے حضرت خالد بن ولید ؓ کو پیش کیں، وہ کسی طرح بھی منظور نہیں کی جا سکتی تھیں۔ ادھر قلعے تک پہنچنا مسلمانوں کے لیے بہت مشکل ثابت ہو رہا تھا...... آخر حضرت خالد بن ولید ؓ کو ایک تدبیر سوجھ گئی۔ انہوں نے اسلامی لشکر کو حکم دیا:

''جتنے کمزور اور بیمار اونٹ ہیں، ان کو ذبح کر کے خندق میں پھینک دیا جائے۔''

جب اس ترکیب پر عمل کیا گیا تو خندق پُر ہو گئی اور مسلمان اس کو عبور کرنے کے قابل ہو گئے۔ یہ دیکھ کر شیرزاد خوف زدہ ہو گیا۔ اس نے حضرت خالد بن ولید ؓ کی پیش کردہ شرائط پر صلح کر لی...... اس طرح انبار پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

یہاں سے حضرت خالد بن ولید ؓ ''عین التمر'' کی طرف روانہ ہوئے۔ انہوں نے اپنے پیچھے ''انبار'' کا گورنر حضرت زبرقان بن بدر رحمہ اللہ کو مقرر فرمایا:

عین التمر عراق اور شام کے درمیان صحرا کے کنارے واقع تھا۔ آپ اپنے لشکر کو لے کر روانہ ہوئے تو تین دن کے سفر کے بعد وہاں پہنچ گئے۔ حکومتِ ایران کی طرف سے اس جگہ کا حاکم مہران تھا۔ اس کے پاس ایک بڑی فوج تھی۔ فوج کے علاوہ عرب قبائل کا ایک عظیم لشکر بھی

اس کے ساتھ تھا۔ ان قبائلیوں کا سردار عقبہ بن ابی عفہ تھا۔ ان دونوں کو اسلامی لشکر کی آمد کا پتا چلا تو عقبہ نے مہران سے کہا:

''لوہا لوہے کو کاٹتا ہے..... خالد اور اس کے ساتھی عرب ہیں...... اور ہم لوگ بھی عرب ہیں، اس لیے ہم دونوں کو لڑنے دو۔''

مہران نے اس کی تجویز کو منظور کرلیا...... اس کے ساتھیوں نے اس تجویز پر اعتراض کیا تو اس نے کہا:

''عقبہ اور مسلمانوں کی لڑائی میں اگر عقبہ کو فتح ہوگئی تو یہ فتح ہماری ہوگی اور اگر فتح مسلمانوں کی ہوئی تو بھی لڑتے لڑتے وہ کمزور ہو چکے ہوں گے...... تھک چکے ہوں گے، ہم اپنی تازہ دم فوج کے ساتھ ان پر حملہ کردیں گے۔ اس طرح فتح ہماری ہوگی۔''

آخر عقبہ اپنی فوج لیے حضرت خالد بن ولید ؓ کے لشکر کی طرف بڑھا...... دونوں لشکر آمنے سامنے آئے تو عقبہ نے اپنے لشکر کی صف بندی شروع کردی۔ اس کے مقابلے میں حضرت خالد ؓ بھی فوج کو ترتیب دینے لگے۔ جب تیاری مکمل ہوئی تو لڑائی کا آغاز ہوا، اس کے ساتھ ہی عقبہ نے حضرت خالد بن ولید ؓ پر حملہ کیا۔ دونوں ایک دوسرے پر وار کرتے رہے۔ آخر حضرت خالد نے اسے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ اس طرح عقبہ گرفتار ہوگیا۔ اس کی گرفتاری پر فوج حوصلہ ہار گئی...... ایرانی بدحواس ہوکر بھاگے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا...... بہت سے قتل ہوئے اور بے شمار گرفتار کرلیے گئے۔ عقبہ کو قتل کردیا گیا کیونکہ وہ فتنہ پرور تھا۔

مہران کو عقبہ کی شکست کی اطلاع ملی تو وہ اپنا لشکر لے کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلا۔

عین التمر کے بعد حضرت خالد بن ولید ؓ ''دومۃ الجندل'' کی طرف بڑھے...... دومۃ الجندل عین التمر سے تین سو میل دور جنوب مغرب میں اس راستے پر واقع تھا جو حیرہ اور عراق کی طرف جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی میں ایک بار اطلاع ملی تھی کہ دومۃ الجندل میں دشمنوں کی ایک بڑی فوج جمع ہو رہی ہے۔ یہاں اکیدر نامی شخص کو قیصر کی طرف سے دومۃ الجندل کا حاکم مقرر کیا گیا تھا۔ یہ ایک عربی سردار تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ ہجری ماہ شوال میں اس کے مقابلے میں حضرت خالد ؓ کو روانہ فرمایا تھا۔ حضرت خالد ؓ اسے گرفتار کرکے مدینہ منورہ لے آئے تھے اور یہ مسلمان ہوگیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دومۃ الجندل کے لوگوں پر مقرر فرمادیا تھا...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد

یہ مرتد ہو گیا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے اس کی طرف حضرت عیاض بن غنم ؓ کو روانہ فرمایا تھا۔ لیکن حضرت عیاض ؓ دومۃ الجندل کو فتح نہ کر سکے۔ یہاں تک کہ اس مہم میں ایک سال گزر گیا...... اب جب حضرت خالد بن ولید ؓ عین التمر سے فارغ ہوئے تو انہیں حضرت عیاض بن غنم ؓ کی طرف سے پیغام ملا کہ وہ ان کی مدد چاہتے تھے۔ پیغام ملتے ہی حضرت خالد ؓ نے دومۃ الجندل کا رخ کیا تھا۔

انہوں نے تین سو میل کا سفر دس دن سے بھی کم مدت میں طے کیا اور دومۃ الجندل پہنچ گئے۔ یہاں بہت سے قبائل ان کے مقابلے کے لیے جمع ہو چکے تھے۔

اکیدر چونکہ پہلے ہی حضرت خالد بن ولید ؓ کی جنگی صلاحیتوں سے واقف تھا۔ اس لیے اس نے دوسرے قبائل کو صلح کا مشورہ دیا۔ انہوں نے انکار کیا تو یہ ان سے الگ ہو کر نکل بھاگا...... حضرت خالد ؓ کو اس کے فرار کی اطلاع ملی تو اس کے پیچھے ایک دستہ روانہ فرمایا...... مجاہدین اسے گرفتار کر کے لائے۔ چونکہ یہ مرتد ہو گیا تھا اور باغی بھی تھا، اس لیے اسے قتل کر دیا گیا۔

اب حضرت خالد بن ولید ؓ نے صف بندی کی...... دشمن فوج کی سپہ سالاری اب جودی نامی سردار کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ حضرت خالد ؓ کے لشکر کی طرف بڑھا تو دوسرا حضرت عیاض بن غنم ؓ کی طرف۔

زبردست جنگ ہوئی، آخر کفار کو شکست ہوئی۔ وہ دم دبا کر بھاگے۔ اب ان کی کوشش یہ تھی کہ قلعے میں گھس کر پناہ لے لیں، لیکن قلعے میں اتنے بہت سے لوگ سما نہیں سکتے تھے، اس لیے بے شمار باہر رہ گئے...... جتنے لوگ قلعے میں سما سکے، انہوں نے اندر داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کر لیا...... باہر رہ جانے والے موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔

اب حضرت خالد بن ولید ؓ نے قلعے پر حملہ کیا...... ایک بار پھر ان سے جنگ ہوئی...... آخر قلعے کا سردار جودی مارا گیا اور قلعہ فتح ہو گیا۔

حضرت خالد بن ولید ؓ ابھی دومۃ الجندل ہی میں تھے کہ عراق کے عرب قبائل نے ان کی غیر موجودگی میں بغاوت کر دی...... شکست کھائے ہوئے لوگ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ حضرت قعقاع ؓ اگرچہ وہاں موجود تھے، لیکن ان کے ساتھ بہت تھوڑی فوج تھی...... اس لیے اس تھوڑی سی فوج سے انہوں نے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا...... اور حضرت خالد

ؓ کا انتظار کرنے لگے۔ حضرت خالد ؓ بھی اطلاع ملتے ہی اس طرف روانہ ہوئے، حیرہ پہنچ کر انہوں نے بغاوت کرنے والوں کے خلاف حضرت قعقاع ؓ کو فوج دے کر بھیجا۔ اس جنگ میں ایرانی سردار روزمہر اور روزبہ مارے گئے...... بغاوت کی آگ بھڑکانے میں یہ دونوں پیش پیش تھے۔ یہ جنگ حصید کے مقام پر لڑی گئی۔

اس مقام سے بھاگ کر ایرانی خنافس کے مقام پر جمع ہوئے۔ اسلامی لشکر اس طرف بڑھا تو یہ لوگ وہاں سے بھاگ نکلے۔ اب یہ لوگ ایک اور مقام پر جمع ہوئے۔ اس جگہ کا سردار ہذیل تھا...... اسلامی فوج نے ان سب پر شب خون مارا، لاشوں کے انبار لگ گئے۔

یہ سارا فتنہ برپا کرنے والے لوگ دراصل بنو تغلب کے تھے...... یہی لوگ دوسروں کو جنگ پر اُبھار رہے تھے، اس لیے حضرت خالد بن ولید ؓ نے انہیں سبق سکھانے کا پکا ارادہ کر لیا...... انہوں نے حضرت قعقاع اور ابولیلیٰ رضی اللہ عنہما کو دو الگ الگ فوجیں دے کر مختلف راستوں سے بنو تغلب کی طرف روانہ کیا اور دونوں کو حملے کا وقت بتا دیا۔ پھر خود بھی روانہ ہوئے۔ اس طرح بنو تغلب پر ایک ہی وقت میں اچانک تین طرف سے حملہ کیا گیا...... اس اچانک حملے سے وہ ایک دوسرے کو خبر بھی نہ دے سکے۔ ان تمام مہمات سے فارغ ہو کر حضرت خالد بن ولید ؓ نے "فراض" کا رخ کیا۔ یہ رومیوں کا علاقہ تھا رومیوں نے اسلامی لشکر کو دیکھا تو ان کے غصے کی حد نہ رہی۔

شام کی مہمات کی تیاریاں

فراض عراق اور شام کی سرحد پر دریائے فرات کے شمالی حصے میں واقع ہے۔ حضرت خالد بن ولید ؓ عراق کی بغاوت کچلنے کے بعد فراض پہنچے۔ آپ نے اسلامی لشکر کو دریائے فرات کے کنارے پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔

رومیوں نے یہ حالات دیکھ کر جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ان کے آس پاس جو ایرانی فوجی چھاؤنیاں تھیں، ان سے بھی انہوں نے مدد مانگ لی۔ ان کے علاوہ عرب قبائل بھی رومیوں کے ماتحت تھے ان سب سے مدد طلب کر لی۔ اس طرح مسلمانوں کے خلاف ایک عظیم فوج تیار ہو گئی۔

اسلامی لشکر نے جب یہاں آکر پڑاؤ ڈالا تو اس کے بعد رمضان کا مہینہ شروع ہو گیا۔ یہ پورا مہینہ ان کا وہیں گزرا۔ پھر ۱۵ ذی قعدہ ۱۲ ہجری تک دونوں فوجیں اسی طرح آمنے سامنے پڑی رہیں۔ دونوں فوجوں کے درمیان میں دریا حائل تھا۔ آخر رومیوں نے پہل کی اور دریا پار کر کے اس طرف آگئے۔ حضرت خالد بن ولید ؓ نے اپنے لشکر کو صفیں درست کرنے کا حکم دیا۔ آخر جنگ شروع ہوئی...... گھمسان کا رن آپڑا۔ حضرت خالد بن ولید ؓ نے اسلامی لشکر کو حکم دیا:

''دشمن کی فوج کو منتشر نہ ہونے دو، بلکہ انہیں چاروں طرف سے گھیر کر لڑو۔''

مسلمانوں نے اس پر عمل کیا اور رومیوں اور ایرانیوں کے عظیم لشکر درہم برہم ہو گئے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ اس جنگ میں دشمن کے ایک لاکھ سپاہی مارے گئے۔

حضرت خالد بن ولید ؓ کی ان جنگوں کا زمانہ محرم ۱۲ ہجری سے صفر ۱۳ ہجری تک ایک سال ایک ماہ بنتا ہے۔ اس مختصر سی مدت میں ان کے ہاتھ پر جو فتوحات ہوئیں وہ جنگوں کی تاریخ میں ایک عجوبہ واقعہ ہے۔ ان جنگوں کا دائرہ خلیج فارس سے لے کر شام کی سرحد تک وسیع ہے...... پھر یہ جنگیں کسی ایک قوم سے نہیں لڑی گئیں، بلکہ ان میں ایرانی، رومی اور عرب قبائل سب ہی شامل ہوئے...... ہر موقعے پر تعداد اور اسلحے کی زیادتی انہیں حاصل تھی۔ اسلامی لشکر کی تعداد ہر موقعے پر ان کے مقابلے پر بہت کم رہی اور ساز و سامان بھی بہت کم تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضرت خالد بن ولید ؓ کے ہاتھ پر اسلامی لشکر کو عظیم الشان فتوحات سے نوازا۔ ان تمام معرکوں میں کسی ایک میں بھی مسلمانوں کو شکست نہیں ہوئی۔

لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت خالد بن ولید ؓ کسی علاقے کو فتح کرتے ہی آگے نہیں چل دیتے تھے، بلکہ فتح کیے ہوئے علاقوں کا باقاعدہ بندوبست کرتے تھے...... وہاں کا باقاعدہ حاکم مقرر فرماتے تھے۔ لوگوں کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کیا جاتا تھا۔ اسلامی تعلیمات سے انہیں روشناس کرایا جاتا تھا اور وہ اسلامی تعلیمات اور خوبیوں کے بہت جلد دلدادہ ہو جاتے تھے۔ اس لحاظ سے حضرت خالد بن ولید ؓ دنیا کے نقشے پر ایک عظیم ترین فاتح بن کر سامنے آئے اور ان جیسی مثال پھر کوئی نہ پیش کر سکا۔

ان تمام فتوحات کے بعد حضرت خالد بن ولید ؓ شام کی طرف متوجہ ہوئے۔ روم کا بادشاہ ''ھرقل'' فتح کے نشے میں غرق تھا۔ اس نے ایرانیوں کے مقابلے میں فتوحات بھی

حاصل کی تھیں۔ مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لیے اس نے جنگ کی تیاریاں شروع کر رکھی تھیں۔

ھرقل ان دنوں حمص میں تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے سب سے پہلے حضرت اسامہ ؓ کا جو لشکر روانہ فرمایا تھا، اسے رومیوں پر فتح حاصل ہو چکی تھی۔ مسلمانوں کی اس فتح کی خبر ''ھرقل'' کو ملی تو اس نے پادریوں کو بلایا اور کہا:

''یہی وہ بات ہے جس سے میں تمہیں ڈرایا کرتا تھا، لیکن تم اس کو ماننے پر تیار نہیں تھے، اب دیکھو! یہ عرب ایک مہینے کے فاصلے پر سے آتے ہیں..... تم پر لوٹ مار کرتے ہیں اور خود زخم کھائے بغیر واپس چلے جاتے ہیں۔''

اس پر اس کے بھائی نیاف نے کہا:

''آپ بلقاء میں فوج کا ایک دستہ مقرر کر دیں۔''

''ھرقل'' نے یہ مشورہ مان لیا اور وہاں ایک دستہ مقرر کر دیا۔ گویا ''ھرقل'' پہلے ہی خبر دار ہو چکا تھا اور مسلسل جنگ کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اسے مسلمانوں کی مسلسل کامیابیوں کی خبریں موصول ہو رہی تھیں۔ یہ خبریں اسے بدحواس کر رہی تھیں۔ اس نے شام کی حدود میں موجود عرب قبائل کو اپنے ساتھ ملانے کی مہم شروع کر دی۔ اس طرح اسلام کے خلاف ایک عظیم ترین فوج جمع کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

دوسری طرف مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے فتوحات کے دروازے کھول دیے تھے۔ ان کے حوصلے بہت بلند تھے، ان کے لیے شام کی طرف بڑھنا بہت آسان ہو گیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو قیصرِ روم کی عظیم تیاریوں کی اطلاع ہوئی تو آپ نے بھی شام پر حملے کا ارادہ کر لیا۔ چونکہ یہ معمولی مہم نہیں تھی، اس لیے صحابہ سے مشورہ بھی کیا۔ آپ نے بڑے بڑے صحابہ کو مشورے کے لیے طلب کر لیا۔ ان میں حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنھم شامل تھے۔ ان حضرات کے سامنے پہلے حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے تقریر کی۔ اس تقریر میں آپ نے فرمایا:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی طرف توجہ فرمائی تھی، لیکن اسی دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلالیا۔ اب میں چاہتا ہوں ..... اسلامی لشکر کو شام کی

طرف روانہ کر دوں۔ اس بارے میں آپ حضرات کی کیا رائے ہے۔"

سب نے ایک زبان ہو کر کہا:

"اے خلیفۂ رسول! آپ کی اطاعت ہم سب پر واجب ہے۔ آپ جہاں جانے کا ہمیں حکم دیں گے، ہم جانے کے لیے تیار ہیں۔"

جب سب نے جانے پر اتفاق کر لیا، اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے عرض کیا:

"یہ اہل روم بہت تیز دھار اور مضبوط ہیں، لہٰذا بھرپور تیاری کرنی ہوگی۔"

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اس بات سے اتفاق کیا۔ آپ نے حجاز اور یمن کے تمام قبائل کے نام جہاد میں شرکت کا پیغام ارسال کر دیا۔ جب قبائل کو یہ پیغام ملا تو وہ جوش سے بھر گئے، اور گروہ در گروہ مدینہ منورہ آنے لگے۔ ساتھ ہی اپنی آمد کا پیغام مدینہ منورہ پہنچانے لگے...... مدینہ منورہ کے مسلمان ان لوگوں کے استقبال کے لیے مدینہ سے باہر نکل آئے۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ بھی شہر سے نکل آئے...... اس استقبال نے آنے والے مسلمانوں میں مزید جوش بھر دیا۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے قیصر کے خلاف اعلانِ جنگ سے پہلے اس کے نام ایک خط روانہ فرمایا۔ اس خط کے ذریعے آپ نے سب سے پہلے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس پیغام کے جواب میں قیصر روم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا۔ تب حضرت ابوبکر صدیق ؓ فوجوں کے لیے ساز و سامان مہیا کرنے میں لگ گئے، فوجوں کو ترتیب دینے لگے۔ مہم بہت بڑی اور اہم تھی۔ اس لیے آپ جو قدم بھی اٹھاتے، اس پر پہلے خوب غور کرتے اور اسی لیے فوجوں کی روانگی میں دیر ہو رہی تھی۔ یمن اور حجاز کے مجاہدین جرف کے مقام پر خیمہ زن تھے...... وہ اس تاخیر سے پریشان ہوئے۔ انہوں نے پیغام بھیجا کہ ہم بہت بے چین ہیں، ہم جلد شام کی طرف روانہ فرمائیے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے انہیں یہ پیغام بھیجا......

"تم ہی لوگوں کے انتظامات کی وجہ سے دیر ہو رہی ہے...... مطمئن رہو۔"

حضرت ابوبکر صدیق ؓ شام کی طرف جو فوج روانہ کرنے والے تھے، اس کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں حجاز اور یمن کے زبردست مجاہد جو قبائل تو شریک تھے ہی، بڑے بڑے صحابہ بھی شامل تھے۔ یہ وہ صحابہ تھے جو بدر اور اُحد جیسے غزوات میں شریک رہ چکے تھے۔ ایسے

صحابہ کی تعداد تین سو کے قریب تھی۔ ان کے علاوہ حضرت عکرمہ بن ابی جہل ؓ بھی حضر موت اور عمان وغیرہ کی مہمات سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ پہنچ چکے تھے۔ انہیں بھی ایک تازہ دم فوج کے ساتھ لشکر میں شامل کر لیا گیا تھا۔ حضرت عمرو بن عاص ؓ بھی مرتدوں سے فارغ ہو چکے تھے۔ وہ ان دنوں قضاعہ کے مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ان سے پوچھا:

”اب آپ کے کیا ارادے ہیں۔“

جواب میں انہوں نے کہلا بھیجا:

”اے خلیفۂ رسول! میں اللہ کے تیروں میں سے ایک تیر ہوں...... آپ جو حکم فرمائیں......“

ان کے جواب پر انہیں بھی مدینہ منورہ طلب کر لیا گیا۔ تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں تو فوجوں کی روانگی کا وقت آ گیا۔ اس وقت پورے لشکر کو دیکھنے کے لیے حضرت ابوبکر صدیق ؓ ایک ٹیلے پر چڑھے اور اس عظیم لشکر کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اب آپ نے اس سارے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم فرمایا۔ ان چار لشکروں میں سب سے بڑا لشکر حضرت یزید بن ابی سفیان ؓ کا تھا۔ دوسرے لشکر کے سالار حضرت ابوعبیدہ بن جراح ؓ تھے۔ تیسرا لشکر حضرت عمرو بن عاص ؓ کی قیادت میں تھا اور چوتھے لشکر کے سالار حضرت شرحبیل ؓ تھے۔

یہ چار تو بڑے لشکر تھے، ان کے علاوہ کئی چھوٹے لشکر بھی تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ ان لشکروں کو باری باری روانہ فرماتے رہے۔ انہیں ہدایات بھی دیتے رہے اور ان کے لیے دعائیں بھی کرتے رہے۔ ہر روز ایک لشکر روانہ فرماتے، اسے رخصت کرنے کے لیے شہر سے باہر آتے اور الوداع کہتے۔ ان سب لشکروں کے لیے آپ کی ایک ہدایت یہ تھی:

”تم سب ایک ہی راستے سے نہ جانا، بلکہ مختلف راستوں سے جانا۔“

دریائے یرموک کی سمت

یزید بن ابی سفیان ؓ کو دشمن کی طرف روانہ کیا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے انہیں حکم فرمایا:

"تم تبوک کے راستے دمشق پہنچو۔"

حضرت عمرو بن عاص ؓ کو فلسطین کے محاذ کے لیے مقرر کیا۔ انہیں حکم دیا:

"تم ایلہ کے راستے فلسطین جاؤ۔"

باقی دو لشکر بھی آپ نے ان کے پیچھے ہی روانہ فرما دیے۔ ان لشکروں کی روانگی یکم صفر ۱۳ ہجری کو ہوئی۔ شام کے محاذ پر بارہ ہزار کا لشکر کافی نہیں ہو سکتا تھا۔ قیصر نے بہت بڑے پیمانے پر تیاریاں کی تھیں، اس لیے حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے بھی اسلامی لشکر کے آگے پیچھے لشکر روانہ کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس طرح اسلامی لشکر کی کل تعداد تیس ہزار ہو گئی۔

اس اسلامی لشکر سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو قیصر کی تیاریوں کے سلسلے میں اطلاعات ملی تھیں تو آپ نے حضرت خالد بن سعید ؓ کو تیما کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ تیما شام کی سرحد پر واقع تھا۔ حضرت خالد بن سعید ؓ ابتداء میں اسلام لانے والوں میں سے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے انہیں روانہ کرتے وقت یہ ہدایت دی تھی:

"تم وہاں پہنچ کر آس پاس کے لوگوں کو ساتھ ملانے کی کوشش کرو...... اور جب تک میرا حکم نہ پہنچے، اس وقت تک جنگ نہ کرو۔"

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے دراصل انہیں سرحد کی حفاظت کے لیے بھیجا تھا کہ قیصر کی طرف سے حملہ ہو جائے تو روک تھام کی جا سکے۔ حضرت خالد بن سعید ؓ نے جب قیصر کی فوجوں کا اتنا بڑا اجتماع دیکھا تو انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو تفصیلات لکھ کر بھیج دیں۔

ان حالات میں جب کہ ابھی اسلامی لشکر وہاں تک نہیں پہنچا تھا...... حضرت خالد بن سعید ؓ اتنے بڑے لشکر کو روک نہیں سکتے تھے، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے حکم بھیجا:

"آگے بڑھو، لیکن دشمن سے لڑتے وقت اندر تک نہ گھستے چلے جانا، ایسا نہ ہو کہ دشمن تمہیں پیچھے سے دبا لے۔"

حضرت خالد بن سعید ؓ نے اس حکم پر توجہ نہ دی...... جوش میں آگے بڑھتے چلے گئے۔

رومی فوج کا افسر باہان تھا۔ وہ اپنے دور کا نامور جنگجو تھا۔ اس نے اسلامی لشکر کی آمد کو دیکھ کر دمشق کا رخ کیا۔ حضرت خالد بن سعید ؓ بھی اس طرف بڑھے...... باہان نے اسلامی لشکر کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو اس نے فوراً اپنے لشکر کا رخ تبدیل کر دیا...... یہ اس کی جنگی

حکمت عملی تھی...... یہ بات نہیں تھی کہ وہ شکست کے خوف سے پسپا ہوا تھا۔ حضرت خالد بن سعید ؓ اس کے تعاقب میں آگے بڑھتے چلے گئے۔ اور اس نے پیچھے سے اپنے لشکر کو انہیں گھیر لینے کا حکم دیا...... یوں خالد بن سعید ؓ ان کے گھیرے میں آ گئے...... ان کے لیے پیچھے ہٹنا بھی ممکن نہ رہا، ان حالات میں ایک اور واقعہ یہ ہوا کہ خالد بن سعید ؓ کے ایک بیٹے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ کہیں راستے سے الگ ہو گئے تھے۔ باہان کی فوج نے ان کے بیٹے سمیت سب مسلمانوں کو قتل کر دیا۔

حضرت خالد بن سعید ؓ کو بیٹے کے مارے جانے کی خبر ملی تو انہیں شدید صدمہ ہوا...... اس پریشانی میں میدان جنگ سے ان کے پاؤں اکھڑ گئے...... میدان جنگ سے پسپا ہو گئے اور مدینہ منورہ کے قریب ایک مقام ذوالمروہ پر پہنچ کر دم لیا۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو یہ اطلاعات ملیں تو انہیں بہت رنج پہنچا۔ انہوں نے حضرت خالد بن سعید ؓ کو حکم بھیجا:

"جو ہونا تھا، ہو گیا...... اب تم اپنی اپنی جگہ نہ چھوڑو۔"

یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے تیس ہزار کا لشکر سرحدوں کی طرف روانہ فرما دیا تھا۔ اسلامی لشکر مختلف محاذوں پر پڑاؤ ڈال چکا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح ؓ دمشق کے راستے میں پہنچ چکے تھے۔ حضرت شرحبیل بن حسنہ ؓ کا لشکر طبریہ اور نہر اردن کے بالائی حصے میں تھا۔ حضرت یزید بن ابی سفیان ؓ بلقا میں تھے۔ یہاں سے وہ بصریٰ پر آسانی سے حملہ کر سکتے تھے۔ رہ گئے حضرت عمرو بن عاص ؓ...... وہ عربہ میں پہنچ چکے تھے۔

یہ چاروں لشکر الگ الگ تھے...... لیکن ان کے سالاروں کے آپس میں رابطے تھے۔ آپس میں مشوروں وغیرہ کا سلسلہ برابر جاری تھا۔

قیصر روم کو ان چاروں لشکروں کی تیاریوں کا علم ہو چکا تھا، چنانچہ اس نے بھی زور شور سے جنگ کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ اس کے پاس چونکہ فوج بے شمار تھی، اس لیے اسے پوری طرح یقین تھا کہ مسلمان مختلف محاذوں پر بٹ کر اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔

تیاریوں کے سلسلے میں قیصر خود حمص آیا۔ یہ شہر شام کی بہت بڑی فوجی چھاؤنی تھی۔ اس نے یہاں پہنچ کر اپنے لشکر کی ترتیب شروع کی۔ ان کے لیے ساز و سامان اور اسلحے کے

انتظامات کیے۔ ان انتظامات کا جائزہ لیا۔ اس نے بھی اپنے لشکر کے چار حصے کیے۔ ایک لشکر کا سالار اپنے بھائی تھیوڈورس کو مقرر کیا۔ اس لشکر کی تعداد ۹۰ ہزار تھی۔ اس کے مقابلے میں حضرت عمرو بن عاص ؓ کا لشکر تھا۔ ان کے مجاہدین کی تعداد ساڑھے سات ہزار کے قریب تھی۔

قیصر کے دوسرے لشکر کی تعداد ساٹھ ہزار تھی جس کا سالار ریبیر تھا...... اس کے مقابلے میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح ؓ کا لشکر تھا، جس کے سپاہیوں کی تعداد بھی ساڑھے سات ہزار کے قریب تھی۔

ہرقل کے تیسرے لشکر کا سالار سرجیس تھا۔ اس کے پاس ۹۰ ہزار سپاہی تھے۔ یہ لشکر حضرت یزید بن ابی سفیان ؓ کے مقابلے میں آیا۔ جن کے مجاہدین کی تعداد وہی ساڑھے سات ہزار تھی۔

ہرقل کے چوتھے لشکر کا سالار دراقص تھا۔ اس لشکر کو حضرت شرحبیل بن حسنہ ؓ کے ساتھ جنگ کے لیے بھیجا گیا۔

مسلمانوں کو رومیوں کی ان زبردست تیاریوں کا علم ہوا اور اپنی کم تعداد کا اندازہ ہوا تو وہ فکرمند ہو گئے۔ ان حالات کی تفصیل مدینہ منورہ بھیجی گئی وہاں سے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا حکم آیا:

”اب تم سب الگ الگ نہ لڑو، بلکہ ایک جگہ جمع ہو جاؤ... یعنی چار کے بجائے اپنا ایک لشکر بناؤ...... اپنی کم تعداد کا غم نہ کرو، تم اللہ کے دین کے مددگار ہو۔ وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا۔ تم سب مل کر یرموک میں جمع ہو جاؤ۔“

یرموک دراصل ایک دریا کا نام ہے۔ یہ دریا جوران کے پہاڑوں سے نکلتا ہے۔ یرموک کا یہ دریا جہاں اردن کے دریا سے ملتا ہے، وہاں اس سے تیس چالیس میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے۔ اس کا نام واقوصہ ہے۔ یہ ایک وسیع نشیبی علاقہ ہے، تین طرف سے پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے۔ اب چونکہ یہ بہت وسیع مقام تھا، اس لیے قیصر کی فوجوں نے اسی مقام کو اپنے لیے پسند کیا، رومی لشکر نے یہاں پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ مسلمان بھی دریائے یرموک کو عبور کر کے رومیوں کے مقابل پہنچ گئے۔ گویا اب رومی تین طرف سے پہاڑوں میں گھرے ہوئے تھے اور ان کے سامنے جو راستہ تھا...... وہاں اسلامی لشکر پڑاؤ ڈال چکا تھا۔ اس طرح رومی لشکر

پہاڑوں کی اس وادی میں گھر کر رہ گیا...... یہ قدرتی صورتِ حال دیکھ کر حضرت عمرو بن عاص ؓ خوش ہوئے اور فرمایا:

"مسلمانو! تمہیں مبارک ہو...... رومی لشکر گھیرے میں آ گیا۔"

قیصر کی فوج کا سپہ سالار تھیوڈورس تھا۔ دونوں لشکر دو ماہ تک ایک دوسرے کے آمنے سامنے پڑے رہے۔ اس دوران معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ یعنی دونوں طرف سے چند جنگجو میدان میں آتے، جنگ کرتے اور لوٹ جاتے...... پوری طرح جنگ شروع نہ ہو سکی۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو ان حالات کی خبریں ملیں تو آپ پریشان ہوئے، آپ نے حضرت خالد بن ولید ؓ کو حکم بھیجا کہ عراق میں حضرت مثنیٰ بن حارثہ ؓ کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے یرموک پہنچیں۔

اس وقت حضرت خالد بن ولید ؓ ایران کے دارالحکومت مدائن پر حملے کی تیاری کر رہے تھے...... خلیفۂ رسول کا حکم پا کر آپ فوراً یرموک کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت ابوبکر ؓ نے انہیں جو حکم بھیجا، اس کے الفاظ یہ تھے:

"تم روانہ ہو جاؤ، یہاں تک کہ یرموک میں جو مسلمان جمع ہیں ان سے جا ملو، کیونکہ وہ غم زدہ ہیں اور جب تم وہاں پہنچ جاؤ تو پھر لشکر کی کمان تم ہی سنبھالو۔"

ایک روایت کے مطابق تمام حالات کی خبر سن کر حضرت ابوبکر صدیق ؓ پکار اٹھے تھے:

"یہ معرکہ تو پھر خالد بن ولید ہی سے سر ہو گا۔"

یرموک کے محاذ پر

حضرت خالد بن ولید ؓ حیرہ سے روانہ ہوئے تو پہلے تدمر آئے۔ تدمر شام کے صحرا کے کنارے فرات کی وادی کے ساتھ واقع ہے۔ دمشق سے ڈیڑھ سو میل دور اس کے شمال مشرق میں ہے۔ حضرت خالد بن ولید ؓ کے لشکر کو راستے میں پانی وغیرہ کی دشواریاں بھی پیش آئیں۔ بعض قبائل بھی مقابلے پر آئے۔ حضرت خالد بن ولید ؓ ان سب کو مار بھگاتے ہوئے آگے بڑھتے چلے آئے، تدمر سے روانہ ہوئے تو بصریٰ پہنچے۔ یہاں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے حکم سے حضرت شرحبیل بن حسنہ اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اپنے لشکر

وں سے ساتھ موجود تھے۔ انہوں نے شہر بصریٰ کا محاصرہ کیا ہوا تھا مگر وہ فتح نہیں ہو رہا تھا۔

حضرت خالد ؓ نے آتے ہی ایک زبردست حملہ ان پر کیا۔ رومیوں کے لشکر کا سپہ سالار رومانس تھا۔ وہ شکست کھا کر بھاگا اور شہر فتح ہو گیا۔

رومانس کے بارے میں مورخوں نے لکھا ہے کہ وہ بعد میں مسلمان ہو گیا تھا، اس نے اسلام کے لیے نمایاں کارنامے بھی انجام دیئے۔

بصریٰ کی فتح کے بعد حضرت خالد بن ولید ؓ دمشق کی طرف بڑھنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ انہیں یہ اطلاع ملی:

”قیصر روم نے ایک لاکھ کا لشکر جرار اجنادین میں جمع کر لیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی چاروں طرف سے عیسائی قبائل اجنادین کا رخ کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عیسائی پادری ہر طرف جا کر عیسائیت کے لیے لوگوں کو ابھار رہے تھے، انہیں جنگ کے لیے اکسا رہے تھے اور لوگ اجنادین کی طرف آ رہے تھے۔

ان حالات کی خبر جب حضرت خالد بن ولید ؓ کو ہوئی تو انہوں نے اسلامی لشکروں کے سالاروں کو لکھا کہ سب کے سب اپنے لشکروں کے ساتھ اجنادین پہنچ جائیں۔ اس طرح حضرت عمرو بن عاص، حضرت یزید بن ابی سفیان، حضرت شرحبیل بن حسنہ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم یہ سب حضرات وہاں آ گئے۔

حضرت خالد ؓ نے پوری اسلامی فوج کا جائزہ لیا اور اس کی صف بندی کی۔ ایک ایک دستے کے پاس خود گئے اور انہیں جہاد کی اہمیت یاد دلائی۔ ان کے سامنے پُرجوش تقریریں کیں۔

اس جنگ میں مسلمان عورتیں بھی شامل تھیں۔ انہیں مردوں کی صفوں کے پیچھے کھڑا کیا گیا۔ حضرت خالد بن ولید ؓ نے ان عورتوں سے فرمایا:

”اگر کچھ مسلمان میدان چھوڑ کر بھاگیں تو انہیں غیرت دلانا...... شرمندہ کرنا۔“

حضرت خالد بن ولید ؓ ظہر کی نماز کے بعد جنگ شروع کرنا چاہتے تھے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہی معمول تھا... لیکن رومیوں نے آگے بڑھ کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔

رومیوں نے اسلامی لشکر کے دائیں اور بائیں بازو پر زبردست حملہ کیا۔ دائیں بازو پر حضرت معاذ بن جبل ؓ تھے اور بائیں بازو پر حضرت عمر ؓ کے بھتیجے حضرت سعید بن زید

بیٹھے تھے   رومیوں کا یہ حملہ تیروں کا تھا ...... جب تیروں کی بارش ہوئی تو مسلمانوں کے گھوڑے بدکنے لگے۔ اس طرح مسلمانوں میں ہل چل مچ گئی۔ حضرت خالد بن ولید ؓ نے جب یہ حالت دیکھی تو گھوڑ سواروں کو حکم دیا:

"حملہ کرو۔"

پھر خود اپنا گھوڑا آگے بڑھا دیا۔ جوں ہی حضرت خالد بن ولید ؓ نے حمہ کیا، پوری اسلامی فوج ایک جان ہو کر آگے بڑھی اور اس قدر زبردست جوابی حملہ کیا کہ رومیوں کے اندر تک گھستے چلے گئے۔ اس حملے سے دشمنوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔

تاہم جنگ جاری رہی۔ دونوں لشکر جان توڑ کر لڑ رہے تھے ...... سر دھڑوں سے الگ ہو رہے تھے۔ انسانی اعضاء میدانِ جنگ میں کٹ کٹ کر اچھل رہے تھے۔

حضرت خالد بن ولید ؓ مسلمانوں کو برابر دباؤ بڑھانے کا حکم دے رہے تھے۔ مسلمان جوش کی حالت میں آگے بڑھ رہے تھے...... اور رومیوں سے ان کی پیش قدمی کسی طرح رک نہیں رہی تھی...... آخر ان کے پاؤں اکھڑ گئے ...... وہ بدحواس ہو کر بھاگے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ "اللہ اکبر" کے نعروں سے میدان جنگ گونج اٹھا۔

بھاگنے والے رومیوں نے حمص اور دمشق میں جا کر پناہ لی۔ لشکر کا سپہ سالار تھیوڈورس بھی سر پر پیر رکھ کر بھاگا۔ اس نے بھی حمص میں پناہ لی...... یہاں قیصر روم پہلے سے موجود تھا۔ قیصر نے اسے لعنت ملامت کی اور معزول کر دیا۔ تھیوڈورس اسی حالت میں مر گیا۔

یہ جنگ ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳ ہجری میں ہوئی۔ یہ شام کی سب سے پہلی بڑی جنگ تھی۔ اس شاندار فتح کے بعد حضرت خالد بن ولید ؓ نے فتح کی خوش خبری مدینہ منورہ بھیجی۔ اپنے خط میں حضرت خالد بن ولید ؓ نے جنگ کی تفصیلات بھی لکھیں۔ جس میں تحریر فرمایا:

"ہم میں اور مشرکوں میں جنگ ہوئی۔ ان لوگوں نے بڑے بڑے لشکر ہمارے مقابلے میں اجنادین میں جمع کر رکھے تھے۔ یہ لوگ اپنی صلیبیں اور کتابیں اٹھائے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس بات کی قسم کھائی تھی کہ میدان جنگ سے فرار نہیں ہوں گے۔ اور مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکال کر ہی دم لیں گے۔ ہم اللہ کے بھروسے پر ان کے مقابلے کے لیے آگے بڑھے۔ پھر ہم نے تیروں سے کام لیا اور پھر تلوار کی نوبت آئی...... زبردست جنگ ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنی مدد نازل فرمائی اور اپنا وعدہ پورا کر دیا۔"

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو یہ خط ملا تو پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

”تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مسلمانوں کی مدد کی اور میری آنکھوں کو فتح کی خوشخبری سے ٹھنڈا کیا“۔

یہ واقعہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی وفات سے چوبیس دن پہلے کا ہے۔ اجنادین کے بعد حضرت خالد بن ولید ؓ یاقوصہ کی طرف بڑھے تھے۔ وہاں بھی رومیوں کو شکست ہوئی اور رومی مار کھا کر بھاگے۔ یہاں تک کہ شام کے بڑے بڑے شہروں میں پھیل گئے۔ مسلمان ابھی یاقوصہ میں تھے کہ خلیفۂ رسول حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی وفات کی اطلاع ملی۔

صدیق اکبر ؓ کی جانشینی

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا حکم ملنے پر حضرت خالد بن ولید ؓ عراق کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔ ان کی جگہ پر اب حضرت مثنیٰ بن حارثہ ؓ رہ گئے۔

انہوں نے حضرت خالد بن ولید ؓ کے جاتے ہی ہر طرف فوجی چھاؤنیاں مقرر کر دیں اور جگہ جگہ جاسوس مقرر کر دیے خود حیرہ ٹھہرے۔

جب ایرانیوں کو پتا چلا کہ حضرت خالد بن ولید ؓ اپنے لشکر کو لے کر یرموک کی طرف چلے گئے ہیں تو وہ پھر سے مسلمانوں کے خلاف تیاریاں کرنے لگے۔ حضرت خالد بن ولید ؓ کی روانگی کی خبر ملتے ہی ایران کے بادشاہ نے دس ہزار کا لشکر حضرت مثنیٰ ؓ کے مقابلے میں روانہ کیا۔ اس لشکر کا سالار ہرمز جادویہ تھا۔ اس لشکر میں ہاتھی بھی تھا۔

حضرت مثنیٰ ؓ کو جب ایرانیوں کی فوج کی روانگی کی اطلاع ملی تو انہوں نے مختلف چھاؤنیوں پر موجود فوجیوں کو بلا لیا۔ اب تمام مسلمان ایک جگہ جمع ہو گئے۔ حضرت مثنیٰ بن حارثہ ؓ نے اپنے بھائی معنی اور مسعود کو فوج کے دونوں بازوؤں پر مقرر کر دیا اور بابل میں پڑاؤ ڈال دیا۔ ان حالات میں حضرت مثنیٰ ؓ کو ایران کے شہنشاہ کی طرف سے ایک خط ملا۔ اس نے غرور کے عالم میں لکھا تھا:

”میں تم لوگوں کی طرف جو لشکر بھیج رہا ہوں...... یہ مرغیاں اور خنزیر چرانے والوں کا لشکر ہے...... تمہاری حیثیت یہ ہے کہ تمہارے مقابلے میں اسی درجے کا لشکر بھیجوں۔“

اس خط کے جواب میں حضرت مثنیٰ بن حارثہ ؓ نے لکھا:

”یا تو تُو باغی ہے یا جھوٹا ہے۔ اگر باغی ہے تو اس کا انجام تیرے حق میں بُرا ہوگا اور ہمارے حق میں اچھا۔ اور اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ کے ہاں جن جھوٹوں کا ذکر ہے، ان میں سب سے زیادہ عذاب اور دنیا میں سب سے زیادہ رُسوائی ان کی ہوگی جو بادشاہ ہیں۔ رہیں مرغیاں اور خنزیر چرانے والوں کی بات، تو معلوم ہوتا ہے، اب لے دے کے تیرے پاس اسی درجے کے لوگ رہ گئے ہیں ہمیں اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔“

کسریٰ یہ جواب پڑھ کر بہت گھبرایا۔ جب ایرانیوں کو کسریٰ کے خط کا پتا چلا تو انہوں نے ناراض ہوکر کہا:

”نہ آپ ایسا خط لکھتے، نہ جواب میں ایسی باتیں سنتے۔“

آخر بابل میں دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے، جنگ شروع ہوئی۔ ہرمز ہاتھی پر سوار تھا۔ اس کا ہاتھی جس طرف کا رخ کرتا، مسلمانوں کی فوج وہاں درہم برہم ہو جاتی۔ حضرت مثنیٰ ؓ کے لیے یہ صورتِ حال بہت پریشان کن تھی۔ آخر انہوں نے اپنے قریبی ساتھیوں کو ساتھ لے کر ہاتھی پر حملہ کیا، اس حملے میں ہاتھی مارا گیا، بس پھر کیا تھا، ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مسلمانوں نے مدائن تک ان کا پیچھا کیا۔ بے شمار ایرانی قتل ہوئے۔ ایرانی بادشاہ کو پتا چلا تو صدمے سے بیمار پڑ گیا اور چند روز بعد ہی مر گیا۔ اب ایرانیوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا حکمران بنایا، لیکن اس نے جلد ہی تخت چھوڑ دیا۔ اس کے بعد سابور بادشاہ بنا۔

حضرت مثنیٰ ؓ نے ان حالات سے فائدہ اٹھایا اور مدائن تک جا پہنچے۔ ساتھ ہی انہوں نے مزید فوج کے لیے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو خط لکھا...... لیکن حضرت ابوبکر ؓ اس وقت تک بیمار ہو چکے تھے۔ ان کی طرف سے کوئی جواب نہ پہنچا تو حضرت مثنیٰ بن حارثہ ؓ خود مدینہ منورہ آ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی حالت اس وقت بہت خراب تھی، پھر بھی جب ان کی آمد کا پتا چلا تو انہیں بلا لیا۔ عراق کے محاذ کی پوری تفصیل سنی۔ اس کے بعد فوراً حضرت عمر ؓ کو بلایا۔ اس وقت تک حضرت ابوبکر صدیق ؓ حضرت عمر ؓ کو اپنا جانشین مقرر کر چکے تھے۔

حضرت عمر ؓ اندر آئے تو صدیق اکبر ؓ نے فرمایا:

”اے عمر! جو کچھ میں کہتا ہوں، اس کو غور سے سنو، میں خیال کرتا ہوں کہ آج میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا...... اگر واقعی ایسا ہو تو تم شام ہونے سے پہلے پہلے لوگوں کو مثنیٰ کے

ساتھ روانہ کر دو اور اگر میں شام تک زندہ رہا تو صبح ہونے سے پہلے ایسا کر گزرو۔ اور کوئی مصیبت خواہ کتنی بڑی کیوں نہ ہو، تمہیں دین کے کام اور اللہ کے حکم کی بجا آوری سے باز نہ رکھے اور شام کا معرکہ سر ہو جائے تو خالد کو پھر عراق واپس بلا لینا۔“

حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے دور کی فتوحات کا سلسلہ یہیں تک ہے۔ اس کے بعد جو فتوحات ہوئیں، ان کا تعلق حضرت عمر ؓ کی خلافت سے ہے...... لہٰذا اب ہم حضرت عمر ؓ کے خلیفہ بنائے جانے کی تفصیلات بیان کرتے ہیں۔

جب صدیق اکبر ؓ کی بیماری میں شدت آئی تو آپ کے سامنے سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ خلیفہ کسے مقرر کیا جائے۔ اس سلسلے میں مشورے کے لیے آپ نے بڑے بڑے صحابہ کو بلایا اور حضرت عمر ؓ کے بارے میں ان کی رائے معلوم کی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے جواب دیا:

”آپ مجھ سے ایسی بات پوچھتے ہیں جس کو آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔“

اس پر حضرت ابو بکر صدیق ؓ بولے:

”پھر بھی! آخر تمہاری کیا رائے ہے؟“

جواب میں عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے عرض کیا:

”اس میں شک نہیں کہ وہ بہترین آدمی ہیں لیکن مزاج میں سختی ہے۔“

یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق ؓ بولے:

”اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مجھے نرم پاتے ہیں جب انہیں خلافت مل جائے گی تب ان کی سختی نرمی میں بدل جائے گی۔“

اب آپ نے حضرت عثمان ؓ سے ان کی رائے پوچھی۔ انہوں نے عرض کیا:

”اس بات کو آپ ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔“

انہوں نے پھر کہا:

”اے عثمان! میں تم سے تمہاری رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔“

جواب میں حضرت عثمان ؓ بولے:

”مجھے اتنی بات معلوم ہے کہ عمر کا باطن، ظاہر سے اچھا ہے اور ہم میں ان جیسا کوئی نہیں“

ان کے بعد حضرت اُسید بن حضیر ؓ آئے انہوں نے کہا:

"میں آپ کے بعد حضرت عمر ؓ کو بہترین آدمی سمجھتا ہوں..... آپ کے بعد خلافت کا مستحق ان سے زیادہ کوئی نہیں۔"

حضرت طلحہ بن عبداللہ ؓ آئے تو انہوں نے کہا:

"اے ابوبکر! آپ کو معلوم ہے کہ عمر کے مزاج میں بہت سختی ہے۔ اس کے باوجود آپ انہیں اپنا جانشین بنا رہے ہیں، کل اپنے پروردگار کو کیا جواب دیں گے؟"

اس وقت حضرت ابوبکر صدیق ؓ لیٹے ہوئے تھے۔ حضرت طلحہ ؓ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر آپ کو غصہ آ گیا، بولے:

"مجھے بٹھا دو۔"

لوگوں نے آپ کو بٹھا دیا۔ تب آپ نے فرمایا:

"کیا مجھے میرے پروردگار سے ڈراتے ہو، میں جب اپنے رب سے ملوں گا اور وہ اس سلسلے میں مجھ سے سوال کرے گا تو میں کہوں گا، اے اللہ! میں نے تیرے بندوں پر ایک ایسے شخص کو مقرر کیا ہے جو بہترین ہے۔"

پھر جب سب لوگ چلے گئے تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے حضرت عثمان ؓ سے فرمایا:

"عمر کی جانشینی کا پروانہ لکھیں۔"

وہ قلم دوات لے کر بیٹھ گئے تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا:

"لکھو!... بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ!... یہ وہ عہد نامہ ہے جو ابوبکر بن ابی قحافہ نے مسلمانوں کے لیے لکھوایا۔"

ابھی اتنا لکھوایا تھا کہ آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔

حضرت عثمان ؓ کو پہلے سے معلوم تھا۔ انہوں نے سوچا، اگر بے ہوشی طویل ہو گئی اور اسی عالم میں حضرت ابوبکر ؓ کی وفات ہو گئی تو یہ پروانہ نامکمل نہ رہ جائے اور ملک میں کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے۔ چنانچہ خود ہی لکھ دیا:

"میں نے تم پر عمر بن خطاب کو خلیفہ مقرر کر دیا ہے اور میں نے اس معاملے میں تمہاری خیر خواہی میں کوئی کمی نہیں کی۔"

اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ ہوش میں آ گئے۔ آپ نے پوچھا۔

”کیا لکھا؟“

انہوں نے عبارت پڑھ کر سنائی تو حضرت ابو بکر صدیق ؓ خوش ہو کر بول اٹھے:

”اللہ اکبر! اللہ تمہیں جزا عطا فرمائے۔ اب یہ لوگوں کے درمیان سنا دو۔“

حضرت عثمان ؓ کی دعوت پر سب لوگ جمع ہو گئے۔ حضرت عثمان ؓ نے خلیفۂ رسول کا حکم پڑھ کر سنایا، سب نے اس فرمان کو خوشی سے قبول کیا۔ اتنے میں حضرت ابو بکر ؓ خود چھت پر تشریف لے آئے اور فرمایا:

لوگو! میں نے جس شخص کو خلیفہ مقرر کیا ہے، میرا کوئی رشتے دار نہیں ہے...... بلکہ وہ ”عمر“ ہیں...... کیا تم انہیں قبول کرتے ہو؟“

سب نے ایک آواز کر کہا:

”ہم نے سنا اور اطاعت کی۔“

آفتابِ امامت وخلافت ڈوب گیا

اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے حضرت عمر ؓ کو بلایا اور ان سے فرمایا:

”میں نے تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پر خلیفہ مقرر کیا ہے۔ میں تمہیں تقویٰ اور پرہیزگاری کی وصیت کرتا ہوں...... اور اے عمر! یقین جانو کہ اللہ کا جو حق رات کا ہے، وہ اس کو دن میں قبول نہیں کرے گا۔ (یعنی ہر عمل اس کے وقت پر کرنا چاہئے) اور اللہ تعالیٰ نفل اس وقت تک قبول نہیں کرے گا جب تک کہ تم فرض ادا نہ کر لو۔ اے عمر! کیا تم دیکھتے نہیں کہ ترازو ان ہی لوگوں کی بھاری ہے جن کی ترازو قیامت کے دن حق کی پیروی میں بھاری ہو اور حق بھی یہی ہے کہ کل قیامت کے دن جس ترازو میں حق کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا، بھاری بھی اسی کو ہونا چاہئے اس کے خلاف، جو لوگ باطل کی پیروی کریں گے قیامت کے دن ان کی ترازو ہلکی ہوگی اور جس ترازو میں باطل کے سوا کچھ نہ ہو، اسے ہلکا ہونا ہی چاہئے۔

دیکھتے نہیں کہ دنیا میں تنگی اور فراخی کی آیات ساتھ ساتھ اترتی ہیں تاکہ مومن میں خوف بھی ہو اور امید بھی مگر ہاں مومن کو اللہ سے ایسی ہی چیز کی تمنا کرنی چاہئے جو اس کا حق ہو۔ اور اسی طرح خوف کرے تو اس سے بچے بھی۔ اے عمر! کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے اہلِ دوزخ کا

ذکر ان کے بدترین اعمال کے ساتھ کیا ہے۔ جب تم انہیں یاد کرو گے تو کہو گے، میں امید کرتا ہوں کہ ان میں سے نہیں ہوں گا۔ اور اللہ نے اہلِ جنت کا ذکر ان کے بہترین اعمال کے ساتھ کیا ہے، کیونکہ ان کے جو بُرے اعمال تھے، اللہ نے ان سے درگزر فرمایا ہے، جب تم ان لوگوں کو یاد کرو گے تو کہو گے، میرا عمل ان جیسا کہاں ہے، اگر تم نے میری نصیحت یاد رکھی تو تمہیں موت سب سے زیادہ محبوب ہوگی اور تم موت کو عاجز کرنے والے نہیں ہو۔"

اس نصیحت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

"مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے سب کام چھوڑ کر مزید فوج عراق روانہ کرنا۔"

ان سب کاموں سے فارغ ہو کر پوچھا:

"جب سے میں خلیفہ بنا ہوں، اس وقت سے اب تک مجھے کتنا وظیفہ ملا ہے؟"

حساب کر کے انہیں بتایا گیا:

"چھ ہزار درہم۔"

گویا آپ نے سوا دو سال کی خلافت کے دوران صرف چھ ہزار درہم وظیفے کے طور پر وصول کیے تھے۔ اس کے باوجود آپ نے فرمایا:

"میری فلاں زمین فروخت کر کے یہ رقم بیت المال میں جمع کرا دی جائے۔"

اس کے بعد فرمایا:

"میرے خلیفہ بننے کے بعد سے لے کر اب تک میرے مال میں کتنا اضافہ ہوا ہے۔"

آپ کو بتایا گیا:

"ایک حبشی غلام ہے جو بچوں کو کھلاتا ہے اور تلواریں تیز کرتا ہے۔ ایک اونٹنی ہے جس پر پانی لایا جاتا ہے۔ ایک چادر ہے جس کی قیمت سوا روپے کے لگ بھگ ہے۔"

یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا:

"میری وفات کے بعد یہ چیزیں خلیفۂ وقت کو بھیج دی جائیں۔"

جب یہ چیزیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کی گئیں تو وہ رو پڑے...... روتے جاتے اور کہتے جاتے تھے:

"اے ابوبکر! آپ اپنے جانشینوں کو بہت مشکل میں مبتلا کر گئے۔"

پھر ان کاموں سے فارغ ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے گھریلو معاملات کے

ذمے دار حضرت معیقیب ؓ سے فرمایا:

"اے معیقیب! تم میرے گھر کے منتظم ہو، بتاؤ میرا اور تمہارا کیا حساب ہے۔"

انہوں نے جواب دیا۔

"میرے پچیس درہم آپ کے ذمے ہیں، وہ میں نے آپ کو معاف کیے۔"

یہ سن کر فرمایا:

"چپ رہو! میرے توشۂ آخرت میں قرض شامل نہ کرو۔"

حضرت معیقیب ؓ رونے لگے، انہیں روتے دیکھ کر فرمایا:

"روؤ نہیں..... صبر کرو..... میں امید کرتا ہوں، میں ایسی جگہ جا رہا ہوں جو میرے لیے بہتر اور پائیدار ہے۔"

اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور انہیں حکم دیا:

"معیقیب کو پچیس درہم ادا کر دیے جائیں۔"

پھر آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

"رسول اللہ ﷺ کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا۔"

آپ کو بتایا گیا:

"تین کپڑوں میں۔"

حضرت ابوبکر صدیق ؓ اس وقت دو پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

"بس تو پھر میرے یہ دو کپڑے تو ہیں ہی..... تیسرا کپڑا بازار سے خرید کر مجھے کفن دے دینا۔"

یہ سن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔

"ابا جان! ہم آپ کے لیے تینوں نئے کپڑے خرید سکتے ہیں۔"

آپ نے ارشاد فرمایا:

"بیٹی! نئے کپڑوں کی ضرورت مُردوں کی نسبت زندوں کو زیادہ ہوتی ہے....."

اب اپنی بیوی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو وصیت کی:

"مجھے غسل تم دینا۔"

وہ رو کر کہنے لگیں:

"یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔"

آپ نے فرمایا:

"تمہارا بیٹا عبدالرحمٰن تمہاری مدد کرے گا۔"

اس کے بعد پوچھا:

"آج کون سا دن ہے؟"

لوگوں نے بتایا:

"آج پیر کا دن ہے۔"

آپ نے پوچھا:

"رسول اللہ ﷺ کی وفات کس دن ہوئی تھی؟"

آپ کو بتایا گیا۔

"پیر کے دن۔"

آپ نے فرمایا:

"تب میں امید کرتا ہوں کہ میری وفات بھی آج ہی کے دن ہوگی...... میری قبر رسول اللہ ﷺ کی قبر کے ساتھ بنائی جائے۔"

ان وصیتوں سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ آپ پر موت کے آثار طاری ہو گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس وقت حسرت بھرے انداز میں یہ شعر پڑھنے لگیں۔

"وہ پرنور صورت جس کے چہرے کا صدقہ دے کر بادلوں سے بارش مانگی گئی......

جو یتیموں پر مہربان ہو اور فقیروں کی پناہ ہو۔"

حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے کانوں میں یہ شعر پڑا تو چونک اٹھے...... کیونکہ یہ شعر شاعر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہا تھا، چنانچہ فوراً بولے:

"یہ شان تو صرف رسول اللہ ﷺ کے لیے تھی۔"

آخر موت کی گھڑی آ گئی۔ ایک ہچکی آئی اور خلافت و امامت کا یہ آفتاب دنیا سے روپوش ہو گیا۔ آپ کے آخری الفاظ یہ تھے۔

"اے رب تو مجھے مسلمان اٹھا اور صالحین کے ساتھ میرا حشر کر۔"

آپ کی وفات ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۳ ہجری بروز پیر مغرب اور عشاء کے درمیان ہوئی۔ رات ہی میں آپ کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے وصیت کے مطابق آپ کو غسل دیا۔ حضرت عمر ؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت طلحہ اور عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم قبر میں اترے اور آپ کو نبی کریم ﷺ کی قبر کے پہلو میں لٹا دیا، اس طرح کہ آپ کا سر حضور اقدس ﷺ کے شانہ مبارک تک آ گیا تھا۔ اللہ اکبر! مرنے کے بعد بھی حضور ﷺ کا یہ احترام کہ آپ کے برابر نہیں لیٹے۔

وفات کے وقت آپ کی عمر ۶۳ برس تھی۔ آنحضرت ﷺ کی عمر بھی وفات کے وقت ۶۳ برس تھی۔

آپ کی خلافت کی مدت دو برس تین مہینے اور گیارہ دن ہے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

خلافتِ صدیقی

آنحضرت ﷺ کی رحلت کے بعد مسلمانوں کے لیے صدیق اکبر ؓ کی وفات پہلا بڑا سانحہ تھا۔ اس سانحے میں مدینہ منورہ کے در و دیوار ہلا کر رکھ دیے، ایک لرزہ چھا گیا...... پورے جزیرہ نمائے عرب پر غم طاری ہو گیا۔ جو شخص ابو بکر صدیق ؓ کے جتنا قریب تھا، اتنا ہی زیادہ غم زدہ تھا۔ حضرت علی ؓ نے آپ کی وفات کی خبر سننے پر یہ الفاظ فرمائے:

''آج خلافتِ نبوت ختم ہو گئی۔''

پھر وہاں آئے جہاں حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی نعش موجود تھی۔ اس مکان کے دروازے پر کھڑے ہو کر آپ نے فرمایا:

''اے ابو بکر! اللہ تم پر رحم کرے۔ آپ نبی اکرم ﷺ کے محبوب تھے اور قابل اعتماد ساتھی تھے۔ آپ ﷺ کے مشیر اور راز دار تھے۔ آپ سب سے پہلے اسلام لائے۔ آپ سب سے زیادہ مخلص مومن تھے۔ آپ کا یقین سب سے زیادہ مضبوط تھا۔

آپ سب سے زیادہ اللہ کا خوف کرنے والے تھے۔ اللہ کے دین پر عمل کے بارے میں سب سے زیادہ بے نیاز یعنی دوسروں کی پروا کرنے والے نہیں تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک سب سے زیادہ بابرکت، ساتھ دینے میں ان سب سے بہتر، فضیلت میں سب سے

بڑھ کر، پیش قدمیوں میں سب سے افضل اور برتر، درجے میں سب سے اونچے اور قرب کے اعتبار سے آنحضرت ﷺ سے سب سے زیادہ قریب، آں حضرت ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہ، سیرت اور عادات میں سب سے مہربان اور فضل میں سب سے زیادہ اونچے مرتبے والے اور حضور ﷺ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم اور معتمد تھے، پس اللہ جل شانہٗ، اسلام اور اپنے رسول کی طرف سے آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

آپ نے آنحضرت ﷺ کی تصدیق اس وقت کی جب لوگوں نے آپ ﷺ کو جھٹلایا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے آپ کو اپنے کلام میں صدیق فرمایا، یعنی یوں فرمایا، سچائی لانے والے محمد ﷺ ہیں اور ان کی تصدیق کرنے والے (ابو بکر) ہیں۔ (یہ سورۃ الزمر کی آیت ۳۳ کی طرف اشارہ ہے) آپ نے حضور ﷺ کے ساتھ اس وقت غم خواری کی جب لوگوں نے آپ ﷺ سے بخل کیا، آپ ناگوار باتوں میں حضور ﷺ کے ساتھ اس وقت بھی کھڑے رہے جب لوگ آپ ﷺ سے الگ ہو گئے۔ آپ نے سختیوں میں بھی حضور ﷺ کے ساتھ صحبت اور رفاقت کا حق ادا کیا۔

آپ ثانی اثنین اور رفیق غار تھے اور آپ پر سکینت نازل ہوئی۔ آپ ہجرت میں آنحضرت ﷺ کے ساتھی تھے۔ آپ آنحضرت ﷺ کے ایسے خلیفہ بنے کہ خلافت کا حق ادا کر دیا، اس وقت خلیفہ بنے جب لوگ مرتد ہو گئے، آپ نے خلافت کا وہ حق ادا کیا جو کسی پیغمبر کے خلیفہ نے نہیں کیا تھا، آپ نے اس وقت چستی دکھائی جب کہ دوسرے سست ہو گئے، آپ نے اس وقت جنگ کی جب دوسرے عاجز آ گئے۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ کے راستے کو اس وقت تھامے رکھا جب لوگ پیچھے ہٹ گئے تھے۔

آپ بلا نزاع اور بلا تفرقہ (بغیر جھگڑے کے) خلیفۂ حق تھے۔ اگرچہ اس بات سے منافقوں کو غصہ تھا، کفار کو رنج تھا اور حاسد کراہت میں مبتلا تھے اور باغیوں کو غصہ تھا۔ (یعنی یہ لوگ آپ کی خلافت سے راضی نہیں تھے) آپ اس وقت حق بات پر اڑے رہے جب لوگ بزدل ہو گئے۔ آپ اس وقت ثابت قدم رہے جب لوگ ڈگمگا گئے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے نور (قرآن) کو لیے آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ کی پیروی میں لوگوں نے ہدایت پائی۔

آپ کی آواز ان سب سے نیچی تھی مگر آپ کا مرتبہ سب سے اونچا تھا۔ آپ کا کلام سب سے زیادہ سنجیدہ تھا، آپ کی گفتگو سب سے زیادہ درست تھی۔ آپ سب سے زیادہ خاموش

رہنے والے تھے، شجاعت میں سب سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے، معاملات کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے...... اور اللہ کی قسم! دین کے سب سے پہلے سردار تھے۔ آپ مومنین کے لیے رحیم باپ تھے اور جس چیز کا لوگوں کو اندازہ بھی نہیں تھا، وہ انہوں نے پالی۔ آپ کافروں کے لیے آگ کی مانند تھے، مومنین کے لیے رحمت اور انسیت اور پناہ کی جگہ تھے۔ آپ کسی سے ذرا نہیں ڈرے، پہاڑ کی مانند تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے آپ کے بارے میں فرمایا کہ آپ دوستی اور مالی خدمات کے اعتبار سے سب سے زیادہ احسان کرنے والے تھے۔ آپ جسمانی اعتبار سے اگرچہ کمزور تھے، لیکن اللہ کے معاملے میں قوی تھے۔ آپ میں عاجزی بہت تھی۔ آپ میں کوئی لالچ نہیں تھا، نہ معاملات میں آپ کسی کی رعایت کرتے تھے۔ طاقت وروں سے کمزوروں کو ان کا حق دلاتے تھے۔ آپ دنیا سے اس وقت رخصت ہوئے جب کہ راستہ ہموار ہو گیا، مشکل آسان ہو گئی، مخالفین شکست کھا گئے، دین مضبوط ہو گیا، مسلمان ثابت قدم ہو گئے۔ آپ نے اپنے بعد میں آنے والوں کو تھکا دیا۔ آپ خیر سے کامیاب ہوئے۔

آپ اس سے بلند و بالا ہیں کہ آپ پر رویا پیٹا جائے۔ آپ کی موت کو تو آسمان میں محسوس کیا جا رہا ہے۔ ہم سب اللہ کے لیے ہیں، اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اللہ کی قضا پر ہم راضی ہیں۔ ہم نے اپنا معاملہ اس کے سپرد کر دیا ہے۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی موت جیسا کوئی حادثہ مسلمانوں پر کبھی نازل نہیں ہوا۔ آپ دین کی عزت، جائے پناہ اور حفاظت گاہ تھے۔ اللہ آپ کو اپنے نبی سے ملا دے اور ہمیں آپ کے بعد آپ کے اجر سے محروم اور گمراہ نہ کرے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔"

(ریاض النضرۃ، کنز العمال، مسند احمد بن حنبل)

جب تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ خطبہ جاری رہا، لوگ سنتے رہے، جب آپ خاموش ہوئے تو لوگ بے تحاشا رونے لگے، خوب روئے، پھر سب نے کہا:

"اے علی! آپ نے سچ کہا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس خطبے میں ان لوگوں کے لیے بڑی عبرت کا سامان ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلافات کا جھوٹا پرچار کرتے ہیں۔ کیا کوئی اپنے مخالف کے بارے میں اتنی زبردست تعریفی باتیں کہہ سکتا ہے؟

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس موقعے پر فرمایا:

"اے ابا! اللہ آپ کو سرسبز و شاداب رکھے۔ آپ کو آپ کی بہترین کوششوں کا بدلہ دے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کی وفات کا حادثہ سب سے بڑا حادثہ ہے، لیکن اللہ کی کتاب ہمیں صبر کا حکم کرتی ہے۔ یہ صبر ہی آپ کی وفات کا سب سے اچھا بدلہ ہے اور میں امید کرتی ہوں، وہ مجھے میرے صبر کا بدلہ دے گا۔ اے ابا! آپ اپنی بیٹی کا آخری سلام قبول کیجئے جس نے آپ کی زندگی میں کبھی آپ کے ساتھ پرخاش نہیں رکھی اور آپ کی وفات پر وہ رو پیٹ نہیں رہی۔"

حضرت عمر ؓ اندر آئے تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی نعش کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اے خلیفۂ رسول اللہ! آپ نے دنیا سے رخصت ہو کر قوم کو سخت مشقت میں ڈال دیا۔ آپ کا سامنا کرنا تو در کنار، اب تو کوئی ایسا بھی نہیں کہ آپ کی گرد ہی کو پہنچ سکے۔"

یہ سب کچھ تو اس دنیا میں ہو رہا تھا اور دوسری دنیا میں اس وقت کیا ہو رہا تھا۔ اس کا اندازہ لگانے کے لیے خود حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی روایت یہ ہے کہ میں نے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے سامنے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کی:

ترجمہ: "اے نفسِ مطمئنہ تو اپنے پروردگار کی طرف ہنسی خوشی چلی آ۔" (سورۃ الفجر)

پھر عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! یہ بھی کیا خوب ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔"

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ہاں! اے ابوبکر! جب تمہیں موت آئے گی تو اس وقت جبرئیل امین تم سے یہی کہیں گے۔"

جمع قرآن اور فدک کا مسئلہ

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے دور میں جو سب سے اہم کام ہوا، وہ ہے قرآن کریم کا جمع کیا جانا۔ اس کی تفصیل بھی بہت دلچسپ ہے۔ جنگ یمامہ میں تقریباً ۱۲۰۰ مسلمان شہید ہو گئے تھے۔ جنگ یمامہ وہ جنگ ہے جو مسیلمہ کذاب یعنی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے کے خلاف لڑی گئی تھی۔ ان میں ۳۹ بڑے صحابہ اور حافظِ قرآن بھی شامل تھے۔ یہ صرف ایک جنگ کی

تعداد ہے۔ دوسری جنگوں میں بھی صحابہ کرام اور قرآن کریم کے حافظ شہید ہوئے۔ اس بات کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے حضرت عمرؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کیا:

"اے خلیفۂ رسول! یمامہ کی جنگ میں قرآن کے قاری اور حافظ بہت شہید ہوئے ہیں۔ اس لیے اگر آپ نے قرآن جمع کرنے کا انتظام نہ کیا تو ڈر ہے، قرآن کا بڑا حصہ ضائع نہ ہو جائے۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اپنا ایک خاص مزاج تھا اور وہ یہ تھا کہ جو کام حضور ﷺ نے نہیں کیا، وہ ایسا کوئی کام نہیں کرتے تھے...... اپنے اس مزاج کی بنیاد پر انہوں نے فرمایا:

"جس کام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا، میں وہ کام کیسے کرسکتا ہوں۔"

اس پر حضرت عمرؓ بولے:

"یہ کام تو خیر کا ہے۔"

انہوں نے بار بار یہ کہا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی بار بار وہی جواب دیتے رہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ یہ کام کیا جائے۔ اس وقت آپ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو بلایا اور ان سے فرمایا:

"تم جوان اور سمجھدار آدمی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے، اس لیے قرآن کو ایک جگہ جمع کردو۔"

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں:

"اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ مجھے ایک پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹانے کا حکم دیتے تو وہ حکم بھی اس حکم سے مشکل محسوس نہ ہوتا۔"

یعنی انہوں نے اس کام کو پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹانے سے بھی زیادہ مشکل محسوس کیا۔ پھر عرض کیا:

"اے خلیفۂ رسول! میں وہ کام کیسے کرسکتا ہوں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔"

آخر اللہ تعالیٰ نے ان کے بھی دل میں بات ڈالی کہ یہ کام کرو۔ اس طرح انہوں نے اس مشکل ترین کام کو شروع کیا۔ قرآن کریم کے مختلف حصے کپڑوں پر، کھجور کی چھالوں پر، چوں

پر لکھے ہوئے مختلف صحابہ کرام کے پاس موجود تھے۔ قرآن مجید بہت سے صحابہ کے سینوں میں بھی محفوظ تھا۔ انہوں نے پوری احتیاط سے تمام آیات جمع کیں۔ جس جس کے پاس آیات محفوظ تھیں حاصل کیں اور یہ سارا قرآن حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے پاس جمع کروایا:

اس طرح حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے دور میں قرآن مجید جمع ہوا۔ حضرت علی ؓ نے ایک مرتبہ فرمایا:

"اللہ ابوبکر پر رحمتیں نازل کرے۔ قرآن مجید جمع کرانے میں ان کا اجر سب سے زیادہ ہے، کیونکہ اس کام کی پہل انہوں نے ہی کی۔"

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ سورتوں کے نام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں طے ہو گئے تھے۔ اس بات کے ثبوت میں بہت سے صحیح احادیث ہیں۔ بعض اوقات کئی کئی آیات ایک ساتھ نازل ہوتی تھیں، آپ کاتب حضرات کو حکم دیتے تھے کہ فلاں آیت فلاں سورۃ میں لکھو، فلاں آیت فلاں سورۃ میں لکھو، حضرت ابوبکر ؓ کی وفات کے بعد قرآن مجید اسی صورت میں حضرت عمر ؓ کے پاس محفوظ رہا۔ ان کے بعد قرآن مجید پر کام حضرت عثمان ؓ کے دور میں ہوا۔ آپ نے قرآن کریم کے بہت سے نسخے تیار کرائے...... یعنی حضرت عمر ؓ کے دور میں وہی ایک نسخہ تھا جو حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے جمع کرایا تھا۔ جب بہت سارے نسخے تیار کر لیے گئے تو حضرت حضرت عثمان ؓ نے ایک ایک نسخہ ایک ایک صوبے میں بھیج دیا۔ مطلب یہ کہ بنیادی طور پر حضرت ابوبکر ؓ نے جو قرآن مجید جمع کرایا تھا اس سے مزید نسخے تیار کرائے گئے تھے، پھر یہ نسخے ملک کے دوسرے صوبوں میں بھیجے گئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی قرآن کریم کی سات قرأتیں (لہجے) مقرر کر دیں۔ ان کے علاوہ باقی قرأتوں سے منع کر دیا گیا، ورنہ پہلے مختلف شہروں کے لوگ اپنی اپنی قرأت کرنے لگے تھے۔ اس طرح پوری امت کو سات قرأتوں پر جمع کر دیا گیا۔ یہ وہ قرأتیں تھیں جو آنحضرت ﷺ سے ثابت تھیں۔ ان کے علاوہ جو قرأتیں تھیں ان کو ترک کر دیا گیا۔

جب تک دنیا میں قرآن مجید پڑھنے والے کلمہ گو موجود ہیں، وہ اس عظیم کام پر حضرت ابوبکر ؓ کے احسان مند رہیں گے...... یہ ان کا ایسا کارنامہ ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا ایک معمول یہ تھا کہ جب کوئی مسئلہ انہیں پیش آتا تو وہ اللہ کی کتاب سے فیصلہ کرتے، اس میں مسئلے کا حل نہ ملتا تو سنت رسول میں مسئلے کا حل تلاش کرتے،

اگر اس میں کامیابی نہ ہوتی تو صحابہ کو جمع کر کے ان سے پوچھتے کہ کیا تم میں سے کسی کو اس کے متعلق آنحضرت ﷺ کا کوئی عمل معلوم ہے۔ اگر کسی کو معلوم ہوتا تو بتا دیتا۔ حضرت ابوبکر ؓ اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے، اگر نہ ملتا تو پھر صحابہ سے اس بارے میں مشورہ لیا جاتا۔ جس بات پر سب کا اتفاق ہو جاتا، اس کو قبول کر لیتے..... اور اسی کے مطابق کرنے کا حکم فرماتے۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے دور میں ایک مسئلہ فدک کا پیش آیا۔ اس بارے میں آج تک کچھ حضرات باتیں کرتے ہیں۔ لہٰذا مناسب ہو گا کہ یہاں اس مسئلے پر بھی روشنی ڈال دی جائے تاکہ بات ذہنوں میں واضح ہو جائے۔

خیبر کی فتح کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس کے مال غنیمت کو ۳۶ حصوں میں تقسیم کیا۔ ان میں ۱۸ حصے اپنے لیے خاص فرما لیے اور باقی حصے دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دیے۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت محیصہ بن مسعود انصاری ؓ کو دعوت اسلام کی غرض سے فدک کی طرف روانہ کیا۔ فدک کے لوگوں کا سردار یوشع بن نون تھا۔ ان لوگوں نے صلح کی درخواست کی اور نصف زمین دینی منظور کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول فرما لیا۔ اس وقت یہ زمین آپ ﷺ کے لیے مخصوص ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے حاصل آمدن سے گزر بسر کرتے تھے، امہات المومنین رضی اللہ عنہن کا خرچہ اس سے پورا ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عباس ؓ، حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے خیبر اور فدک کی زمینوں میں آنحضرت ﷺ کا جو حصہ تھا، اس کی وراثت کا مطالبہ کیا۔ یعنی یہ کہا کہ یہ ان کا حق ہے۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا:

”میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہو گا۔ جو کچھ ہم چھوڑ جائیں، صدقہ ہو گا۔“

اس کے علاوہ آپ نے ان سے یہ بھی فرمایا:

”آنحضرت ﷺ جس کام کو جس طرح کرتے تھے، میں اسے اسی طرح کروں گا۔“

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے بعد یہ معاملہ پھر حضرت عمر ؓ کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے فرمایا:

”خیبر اور فدک کی جائیدادیں دونوں رسول اللہ ﷺ کے لیے وقف تھیں۔ یہ دونوں آپ

ﷺ کی ضرورتوں کے لیے تھیں۔ اب ان کا معاملہ اس کے سپرد ہے جو خلیفہ ہو اور یہ دونوں آج تک اسی حالت اور حیثیت میں ہیں۔"

یعنی حضرت عمر ؓ کا فیصلہ بھی وہی تھا جو حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا تھا۔ اپنی خلافت کے دوران حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو یہ حق حاصل تھا کہ خیبر اور فدک کی آمدنی کو اپنی ذات اور اپنے بال بچوں کے لیے مخصوص کر لیں، لیکن انہوں نے اس میں سے کچھ نہ لیا...... آپ کو آنحضرت ﷺ کا بے حد احترام تھا اور اہل بیت سے محبت تھی، لہٰذا انہوں نے اس آمدنی سے ان ہی کے اخراجات پورے کیے، اپنے یا اپنی اولاد کے لیے کچھ نہیں لیا...... آنحضرت ﷺ اس میں سے سال بھر کا خرچ اپنے اور اہل و عیال کے لیے لیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے بھی یہ معمول برقرار رکھا۔ آپ نے یہ فرمایا:

"جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس کی قسم، رسول اللہ ﷺ کے رشتے دار مجھے اس سے زیادہ عزیز ہیں کہ اپنے رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی کروں۔"

آپ نے یہ بھی فرمایا:

"میں نے سنا ہے، نبی کا کوئی وارث نہیں ہوتا، لیکن اس کے باوجود میں ان سب کی سرپرستی کروں گا جن کی سرپرستی آنحضرت ﷺ کیا کرتے تھے اور ان سب پر خرچ کروں گا جن پر آپ خرچ کیا کرتے تھے۔"

(مسند امام احمد بن حنبل۔ صحیح بخاری ج ۲ کتاب الفرائض، ازالۃ الخفاء: ۲/۲۹)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فدک کے مسئلے پر آخر عمر تک حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے ناراض ہی رہیں۔ اس بارے میں علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ایسی روایات صحیح نہیں ہیں۔

(البدایہ والنہایہ ۵/۲۸۹)

اس سارے جھگڑے کو حضرت عمر بن العزیز رحمہ اللہ کی یہ روایت ختم کرتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"فدک رسول اللہ ﷺ کے لیے تھا۔ آپ اس میں خرچ کرتے تھے اور اسی میں سے بنو ہاشم کے فقراء پر خرچ کرتے تھے، ان کی بن بیاہی لڑکیوں کے نکاح کرتے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ درخواست کی کہ آپ فدک ان کے نام کر دیں تو آپ ﷺ نے انکار

فرما دیا۔"
(سنن ابی داؤد کتاب الفرائض)

مطلب یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے تو وہی کیا تھا جو خود حضور نبی کریم ﷺ نے کیا تھا۔ اس پر اعتراض کیسا؟

سیرتِ صدیقی کے چند گوشے

اب اس واقعے میں یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ابوبکر صدیق ؓ کی زبان سے ارشادِ نبوی سننے کے بعد اطمینان ہو گیا تھا تو کیا وجہ ہے کہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما پھر بھی مطالبہ کرتے رہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک وارثت کا معاملہ ہے، ان دونوں حضرات کو بھی اطمینان تھا اور اس بات کا یقین آ گیا تھا کہ خیبر اور فدک وقف ہیں، لیکن وہ اس بات کو ضروری خیال نہیں کرتے تھے کہ خلیفۂ وقت ہی اس کا متولی ہو۔ ان کا ذاتی خیال تھا کہ آنحضرت ﷺ کے قریبی رشتہ داروں کو اس کا متولی ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ ان حضرات کا خیال یہ بھی تھا کہ یہ صرف آنحضرت ﷺ کے قریبی رشتے داروں کے لیے وقف ہیں، نہ کہ تمام مسلمانوں کے لیے۔
(یہ وضاحت بخاری میں ملتی ہے)

حضرت عمر ؓ نے اپنے دور میں اس شرط پر ان دونوں حضرات کو اس کا متولی مقرر فرما دیا تھا۔ پھر حضرت علی ؓ کے دور میں بھی فدک مسلمانوں کے لیے وقف تھا
(یہ ابوداؤد کی روایت ہے)

اب ہم حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے فضائل پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔

آپ کو سب سے بڑی فضیلت تو یہ حاصل ہے کہ...... اس دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے بعد آپ کا مقام ہے۔ آپ مردوں میں سب سے پہلے اسلام آئے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے آخری ایام میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا اور بار بار یہی حکم فرمایا کہ ابوبکر ہی نماز پڑھائیں۔ اسلام میں سب سے پہلے مسجد حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے بنائی۔ آپ سب سے پہلے خلیفہ رسول ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے آپ کو دوزخ سے نجات کی

خوشخبری سنائی۔

آپ خلیفۂ رسول تو تھے ہی، عاشق رسول بھی تھے، آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ نے اعلان فرمایا:

”جس شخص سے آنحضرت ﷺ نے کوئی وعدہ کیا ہو، یا جس کسی کا آپ کے ذمے کوئی قرض ہو، وہ میرے پاس آئے۔“

آپ نبی کریم ﷺ کے رشتہ داروں کا اپنے رشتے داروں سے زیادہ خیال رکھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کو ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ نماز پڑھا کر مسجد سے نکلے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نظر آ گئے، وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ آپ نے انہیں کندھے پر اٹھا لیا۔

ایک مرتبہ حضرت خالد بن ولید ؓ نے مال غنیمت مدینہ منورہ بھیجا۔ اس میں حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے لیے ایک خوبصورت تحفہ بھی بھیجا۔ آپ نے وہ تحفہ حضرت حسین بن علی ؓ کو دے دیا۔ آپ خود ہی ان کا خیال نہیں رکھتے تھے، بلکہ دوسروں سے بھی کہتے تھے، ان کا خیال رکھو۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تو حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے حضرت علی ؓ سے کہا:

”چلیے! نماز جنازہ پڑھائیے۔“

اس پر حضرت علی ؓ نے عرض کیا:

”آپ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ہیں۔ آگے بڑھیے اور نماز پڑھائیے۔“

چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے پڑھائی۔ (کنز العمال)

زمانہ جاہلیت میں بھی آپ نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا، جب کہ اس وقت ہر طرف بت پرستی ہو رہی تھی۔

آپ حد درجے پاکیزہ تھے اور پاک مال ہی کھانا پسند کرتے تھے۔ آپ کا غلام ایک مرتبہ کھانے کی کوئی چیز لایا۔ آپ اس وقت بھوک کی حالت میں تھے، لہٰذا اس چیز کو کھا لیا، لیکن فوراً ہی خیال آیا کہ غلام سے اس کے بارے میں پوچھا ہی نہیں۔ غلام نے بتایا کہ میں جھوٹ

موت جھاڑ پھونک کا کام کرتا تھا...... کسی زمانے میں اس جھاڑ پھونک کے بہانے کسی کو شفا ہو گئی تھی...... اس کا معاوضہ انہوں نے آج دیا تھا۔ یہ سننا تھا کہ آپ نے اس چیز کو قے کر دیا۔ قے کرنے میں آپ نے بہت تکلیف اٹھائی...... کیونکہ بھوک کی حالت میں کھائی گئی تھوڑی سی چیز آسانی سے تو قے ہو نہیں سکتی تھی۔ آپ نے پانی پی پی کر اس کو قے کیا اور فرمایا:

”اس کو نکالنے کے لے میری جان چلی جاتی تو بھی اس کو نکال کر رہتا۔“

آپ نے ایک مرتبہ ایک چڑیا کو درخت پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا:

”واہ واہ! اے چڑیا تو کتنی خوش نصیب ہے...... اے کاش...... میں بھی تجھ جیسا ہوتا، تو درخت پر بیٹھتی ہے، پھل کھاتی ہے اور پھر اڑ جاتی ہے۔ تجھ سے نہ کوئی حساب ہے اور نہ کتاب۔“

کبھی فرماتے: ”کاش میں ایک تنکا ہوتا۔“

کبھی فرماتے: ”کاش! میں ایک درخت ہوتا، اونٹ میرے پاس سے گزرتا اور مجھے چبا جاتا۔“

یعنی ایسا اللہ کے خوف سے فرماتے۔ کسی کو کبھی سخت سست کہہ بیٹھتے تو جب تک اس سے معافی نہ مانگ لیتے، چین سے نہ بیٹھتے۔

ایک مرتبہ اپنی زبان پکڑ کر کھینچ رہے تھے۔ حضرت عمر ؓ نے ایسا کرتے ہوئے دیکھ لیا، حیران ہو کر پوچھا:

”یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔“

جواب میں فرمایا: ”اسی زبان نے مجھے تباہ کیا ہے۔“

حضرت عمر ؓ نے عرض کیا: ”خدا کے لیے ایسا نہ کریں۔“

ایک مرتبہ آپ نے پینے کے لیے پانی مانگا۔ لوگوں نے پانی میں شہد ملا کر پیش کر دیا۔ آپ نے پیالہ منہ سے لگایا تو رونے لگے۔ جو لوگ پاس موجود تھے، وہ بھی رونے لگ گئے...... تھوڑی دیر تک روتے رہے، پھر چپ ہو گئے، لیکن کچھ ہی دیر بعد پھر رونے لگے، لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا:

”میں ایک دن آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کسی چیز کو دھتکار رہے ہیں۔ میں نے پوچھا: ”اے اللہ کے رسول! آپ کس چیز کو دھتکار رہے ہیں، مجھے تو یہاں کوئی چیز نظر نہیں آ رہی......؟“ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”دنیا میرے سامنے جسم کی

حالت میں آ گئی تھی، میں نے اس سے کہا کہ میرے سامنے سے ہٹ جا، لیکن وہ پھر آ گئی، اور کہنے لگی آپ مجھ سے بچ کر نکل جائیں تو نکل جائیں، لیکن آپ کے بعد جو لوگ آئیں گے، وہ بچ کر نہیں جا سکیں گے۔" یہ واقعہ بیان کر کے حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا:

"اس وقت مجھے یہی بات یاد آ گئی تھی...... مجھے خوف محسوس ہوا کہ کہیں یہ مجھ سے چمٹ نہ جائے۔"

مدینہ منورہ میں ایک نابینا عورت تھی۔ حضرت عمر ؓ کو اس کے بارے میں پتا چلا تو انہوں نے سوچا صبح سویرے جا کر اس کے گھر کے کام کر آیا کریں گے، لیکن جب آپ صبح سویرے وہاں پہنچے تو دیکھا، گھر کی صفائی ہو چکی تھی اور پانی کے برتن میں پانی بھرا ہوا تھا...... یہاں تک کہ بیت الخلاء کی صفائی بھی کی گئی تھی، یعنی کوئی آ کر ان سے پہلے یہ سب کام کر گیا تھا۔ حضرت عمر ؓ دوسرے دن اس وقت سے بھی پہلے اس کے گھر پہنچ گئے، لیکن اس روز بھی سارے کام ہو چکے تھے۔ اب تو حضرت عمر ؓ بہت حیران ہوئے...... آخر یہ کون شخص ہے جو اتنے منہ اندھیرے یہ سب کام کر جاتا ہے۔ تیسرے دن آپ ابتدائی رات ہی سے چھپ کر بیٹھ گئے، تاکہ دیکھیں، کون آتا ہے۔ ان کی حیرت کی اس وقت انتہا نہ رہی جب آپ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو آتے دیکھا...... اور اس وقت وہ مسلمانوں کے خلیفہ تھے۔

خلیفہ بننے سے پہلے آپ محلے کی بچیوں کی بکریوں کا دودھ دوہ دیتے تھے۔ آپ خلیفہ بن گئے تو ایک چھوٹی سی لڑکی پریشان ہو گئی کہ اب اس کی بکری کا دودھ کون دوہا کرے گا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ تک اس کی بات پہنچی تو اس سے فرمایا:

"میں خلیفہ بن گیا تو کیا ہوا، میں اب بھی تمہاری بکریوں کا دودھ دوہا کروں گا، خلافت مجھے خدمتِ خلق سے باز نہیں رکھ سکے گی۔"

خلافت ملنے سے پہلے آپ کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے۔ خلیفہ بنے تو دوسرے دن کپڑے کے تھان کندھے پر رکھ کر بازار کی طرف چل پڑے۔ راستے میں حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما مل گئے۔ انہوں نے حیران ہو کر کہا:

"اے خلیفۂ رسول! آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

آپ نے جواب میں فرمایا: "بازار جا رہا ہوں۔"

انہوں نے عرض کیا: "اب آپ مسلمانوں کے خلیفہ ہیں۔ یہ کام کریں گے تو خلافت کا

کام کیسے کر سکیں گے۔ ہم آپ کے لیے وظیفہ مقرر کر دیتے ہیں۔"

صحابہ کرام نے مشورہ کیا اور آپ کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ یہ وظیفہ ایک عام آدمی کے مطابق تھا۔

لوگ آپ کی تعظیم کرتے تو شرم محسوس کرتے اور فرماتے:

"تم لوگوں نے مجھے بہت بڑھا چڑھا دیا ہے۔"

کوئی آپ کی تعریف کرتا تو دل میں کہتے: "اے اللہ! تو مجھے ان لوگوں کے خیالات کے مطابق بنا دے، میرے گناہوں کو معاف کر دے اور ان لوگوں کی بے جا تعریف پر میری پکڑ نہ کر۔"

آپ دوسروں کا تو معمولی سے معمولی کام بھی کر دیتے تھے، لیکن خود دوسروں سے ذرا سا کام لینا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

اونٹ پر سوار جا رہے ہوتے اور اونٹ کی نکیل گر پڑتی تو اسے بٹھا کر نیچے اترتے اور نکیل اٹھاتے۔ کسی گزرنے والے سے یہ نہ کہتے کہ بھائی ذرا یہ اٹھا دینا۔ لوگ آپ سے کہتے بھی کہ آپ اتنی زحمت کیوں گوارا کرتے ہیں...... یعنی پہلے اونٹ کو بٹھاتے ہیں، پھر چیز اٹھاتے ہیں، آپ ہم سے کہہ دیا کریں۔

اس کے جواب میں آپ فرماتے: "میرے حبیب محمد ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کروں۔"

فقرِ صدیقی

آپ بیت المال سے اپنے لیے وظیفہ لیتے تھے، لیکن اس کی مقدار کتنی تھی۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ ان کی زوجہ محترمہ کا جی چاہا کہ حلوہ کھائیں۔ آپ سے فرمائش کی تو فرمایا: گنجائش نہیں۔

اب انہوں نے کیا کیا، روزانہ کا جو خرچ ملتا ہے، اس میں سے کچھ بچانے لگیں، یہاں تک کہ اتنے پیسے جمع ہو گئے جن سے حلوہ تیار ہو سکتا ہے۔ ان سے حلوہ تیار کیا گیا، جب اس بات کا پتا آپ کو چلا تو فرمایا:

"ہمارا روزمرہ کا خرچ اتنے پیسے کم کردینے سے بھی پورا ہو سکتا ہے۔"

چنانچہ اپنے گھر کا وظیفہ اتنا ہی کم کرالیا۔

اسلام قبول کرنے کے وقت آپ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ ہجرت کے سفر کے بعد جب آپ مدینہ منورہ پہنچے تو ان میں سے صرف پانچ ہزار روپے رہ گئے۔ وہ بھی سب اللہ کے راستے میں خرچ کردیئے۔ مدینہ منورہ میں آکر تجارت شروع کی، لیکن اس تجارت سے جو کمایا، وہ سب کا سب غزوہ تبوک کے موقعے پر اللہ کے راستے میں دے دیا۔ خلافت ملی تو تجارت ختم ہوگئی۔ اب نہایت معمولی وظیفے پر گزارہ کرنے لگے۔ وفات سے پہلے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

"جب سے میں خلیفہ ہوا ہوں، اس وقت سے اب تک میں نے مسلمانوں کا کوئی ایک درہم بھی نہیں کھایا...... مسلمان جو موٹا جھوٹا کھاتے ہیں، وہی میں نے کھایا اور پہنا، اب میرے پاس جو کل اثاثہ ہے، وہ ایک اونٹ، ایک غلام اور ایک یہ چادر ہے۔"

یعنی اس حالت میں اپنی زندگی بسر کی...... لیکن غریبوں کا اتنا خیال کرتے تھے کہ سردی کے موسم میں ان میں کپڑے تقسیم کرتے تھے۔

شجاعت:

آپ شجاعت میں بھی سب سے آگے تھے۔ مکی زندگی میں جب کفار نبی کریم ﷺ پر ظلم ڈھاتے تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ فوراً آگے بڑھتے، آپ ﷺ کے لیے ڈھال بن جاتے۔ غزوہ بدر میں آنحضرت ﷺ کے لیے ایک چھپر بنایا گیا تھا۔ آپ ﷺ کی حفاظت کے لیے حضرت ابوبکر صدیق ؓ چھپر کے پاس موجود رہے اور جس کافر نے بھی آپ ﷺ کی طرف بڑھنا چاہا، حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

برداشت:

حضرت ابوبکر صدیق ؓ میں برداشت کا مادہ بھی بہت تھا۔ ایک شخص نے آپ کو منہ پر برا کہا۔ آپ اس وقت خلیفہ تھے۔ چاہتے تو اس کے خلاف کاروائی کرسکتے تھے۔ لیکن اس کے خلاف کچھ نہ کیا۔ اس وقت آپ کے ایک ساتھی نے چاہا کہ اس شخص کی گردن اڑا دیں، لیکن آپ نے اسے بھی روک دیا۔

سلام میں پہل:

آپ اخلاق میں بھی دوسروں سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ سلام کرنے میں پہل کرتے تھے۔ اپنے ساتھیوں کو بھی تلقین کیا کرتے تھے کہ سلام میں پہل کرنے والے بنیں۔

ایک مرتبہ دیکھا کہ لوگ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کو سلام کرنے میں پہل کر رہے ہیں۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ان سے فرمایا:

''لوگ تمہیں سلام کرنے میں پہل کر رہے ہیں...... تم کیوں پہل نہیں کرتے تاکہ تمہیں ثواب زیادہ ملے۔''

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کا معمول بن گیا کہ ہر کسی کو سلام میں پہل کیا کرتے تھے۔

اطاعت:

دین کے احکامات کے معاملے میں آپ بہت سخت بھی تھے۔ ایک مرتبہ کسی جنازے میں لوگ بہت آہستہ آہستہ جا رہے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ ادھر نکلے۔ لوگوں کو اتنا آہستہ آہستہ چلتے دیکھا تو کوڑا اٹھالیا اور فرمایا:

''ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ جنازے میں تیز رفتاری سے جایا کرتے تھے''۔

مزاح:

آپ ہلکے پھلکے مزاح کے بھی قائل تھے۔ ایک مرتبہ حضرت حسن ؓ بچوں کے ساتھ کھیلتے نظر آگئے...... اس وقت حضرت علی ؓ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے انہیں محبت سے گود میں اٹھالیا اور حضرت علی ؓ کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا:

''اے وہ جو کہ نبی کے مشابہ ہے اور علی کے مشابہ نہیں ہے۔''

حضرت علی ؓ یہ سن کر ہنسنے لگے۔

حلیہ مبارکہ:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے آپ کا حلیہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

''ابوبکر گورے چٹے، دُبلے پتلے آدمی تھے۔ دونوں رخسار ستے ہوئے (یعنی ہموار) تھے۔ کمر ذراخم دار تھی۔ جبڑے کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ پیشانی بلند تھی۔ انگلیوں کے جوڑ

گوشت سے خالی تھے۔ پنڈلیاں اور رانیں پر گوشت تھیں۔ قد موزوں تھا۔ مہندی کا خضاب کیا کرتے تھے۔ نہایت سادگی پسند تھے۔ کپڑے موٹے جھوٹے پہنتے تھے۔ کھانے سادہ کھاتے تھے۔ بعض اوقات فاقے کی نوبت آجاتی تھی۔"

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے انہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مسجد میں دیکھا کہ بھوک سے بے قرار ہیں۔ آپ نے فرمایا:

"میں بھی تمہاری طرح بھوکا ہوں۔"

ایک صحابی حضرت ابوالہیثم انصاری رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو انہوں نے کھانے کا انتظام کیا۔

آپ کے ذریعہ معاش تجارت تھا۔ مگر جو کچھ آتا راہِ خدا میں خرچ ہو جاتا۔

نماز میں آپ کی حالت یہ ہوتی تھی کہ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے زمین میں لکڑی گاڑ دی ہو۔ حقوق اللہ کے ساتھ لوگوں کے حق کا صد درجے خیال رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے پوچھا:

"آج تم میں سے روزہ دار کون ہے؟"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بولے:

"اللہ کے رسول! میں روزے سے ہوں۔"

آنحضرت ﷺ نے پوچھا:

"تم میں سے آج کس نے جنازے میں شرکت کی ہے؟"

جواب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بولے:

"میں نے اے اللہ کے رسول۔"

آپ ﷺ نے پوچھا:

"آج کسی نے کسی مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟"

پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی بولے:

"میں نے اے اللہ کے رسول۔"

آپ نے پوچھا:

"کسی نے کسی مریض کی عیادت کی ہے؟"

حضرت ابوبکر صدیق ؓ ہی بولے:

"اے اللہ کے رسول! میں نے کی ہے۔"

اس پر حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"جس نے ایک دن میں اتنی نیکیاں کی ہیں، وہ یقیناً جنت میں جائے گا۔"

خاندانِ ابوبکر صدیق ؓ

آپ دل کے بہت نرم تھے۔ قرآن کریم پڑھتے تو آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔ اس طرح بلک بلک کر روتے کہ دیکھنے والے بھی رونے لگتے۔ ۱۲ ہجری میں جب حج کے لیے تشریف لے گئے تو مکہ میں حضرت عکرمہ ؓ اور کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعزیت کے لیے آپ کے پاس آئے۔ آپ کا حال یہ تھا کہ یہ حضرات تعزیت کرتے جاتے تھے اور حضرت ابوبکر ؓ روتے جاتے تھے۔ بار بار سرد آہ بھرتے۔ اس قدر سرد آہیں بھرنے کی وجہ سے آپ کا نام ہی "سرد آہ بھرنے والا" مشہور ہو گیا تھا۔

آپ نے چار نکاح کیے۔ دو اسلام سے پہلے، دو اسلام کے بعد۔ اسلام سے پہلے قتیلہ بنت عبدالعزیٰ اور ام رومان رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ اسلام کے بعد اسماء بنت عمیس اور حبیبہ بنت خارجہ رضی اللہ عنہما سے شادی کی۔ ان میں قتیلہ کے بارے میں معلوم نہیں کہ مسلمان تھیں یا نہیں۔ ام رومان رضی اللہ عنہا مسلمان ہو گئی تھیں۔

اور حضرت اسماء بنت عمیس اور حضرت حبیبہ بنت خارجہ رضی اللہ عنہما سے جب نکاح ہوا تو اس سے پہلے ہی یہ دونوں اسلام قبول کر چکی تھیں۔

آپ کے ہاں تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں۔ لڑکوں کے نام عبدالرحمٰن، عبداللہ اور محمد ہیں، جب کہ بیٹیوں کے نام اسماء، عائشہ اور ام کلثوم ہیں۔ ان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ عظیم شرف حاصل ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا وہ ہستی ہیں، جنہوں نے ہجرت کے موقعے پر "کمال جرأت" کا ثبوت دے کر حضور نبی اکرم ﷺ اور اپنے والد کے سفر کا انتظام کیا۔ ان کی شادی مشہور صحابی حضرت زبیر بن عوام ؓ سے ہوئی۔ ہجرت کے موقعے پر ہی ان سے حضرت عبداللہ بن زبیر

ؓ پیدا ہوئے۔ یہ نوعمر صحابہ کرام میں بڑے بہادر شمار کیے جاتے ہیں۔ تاریخ اسلام میں ان کا نمایاں مقام ہے۔

ام کلثوم آپ کی تیسری بیٹی تھیں۔ یہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔ اس لیے یہ تابعیہ تھیں۔

عبدالرحمٰن بن ابی بکر ؓ آپ کے بڑے صاحب زادے ہیں۔ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا ان کی والدہ ہیں۔ غزوہ بدر کے موقعے پر کفار کے لشکر میں شامل تھے۔ میدان جنگ میں یہ آگے بڑھے اور کسی مسلمان کو مقابلے پر آنے کی دعوت دی۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے آنحضرت ﷺ سے ان کے مقابلے پر جانے کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے اجازت نہ دی۔ اس کے بعد غزوہ احد میں بھی یہ کفار کے لشکر میں شامل تھے۔ یہ صلح حدیبیہ کے موقعے پر اسلام لائے اور مدینہ میں آکر اپنے والد کے ساتھ رہنے لگے۔ بہت بہترین تیر انداز تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد جتنے غزوات پیش آئے، ان میں برابر شریک ہوتے رہے۔ جنگ یمامہ میں انہوں نے کمال ہی کر دکھایا۔ دشمن کے ساتھ بڑے بڑے افسروں کو تنہا انہوں نے ہی اپنے تیروں کا نشانہ بنایا۔ اسی طرح قلعہ یمامہ کی ایک دیوار میں شگاف تھا۔ مسلمان اس شگاف کے ذریعے اندر داخل ہونا چاہتے تھے۔ لیکن محکم بن عقیل نامی ایک سردار اس شگاف کی حفاظت کر رہا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر ؓ نے تاک کر ایسا تیر مارا کہ وہ ڈھیر ہو گیا اور مسلمان قلعے میں داخل ہو گئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور یہ سگے بہن بھائی تھے۔ دونوں کو ایک دوسرے سے محبت تھی۔ ۵۳ ہجری میں ان کا انتقال ہوا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی وفات پر بڑے دردناک اشعار پڑھے تھے۔

آپ کے دوسرے بیٹے عبداللہ ؓ تھے۔ قتیلہ ان کی والدہ تھیں۔ یہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا دونوں سگے بھائی بہن تھے۔ انہوں نے حضرت ابوبکر ؓ کے ایمان لانے کے بعد ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ نے ہجرت کی اور غار ثور میں قیام فرمایا تو یہی تھے جو قریش کی خبر خفیہ طور پر آپ ﷺ تک پہنچاتے رہے۔ جب آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے، تب انہوں نے بھی حضرت ام رومان، حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہن کو ساتھ لے کر ہجرت کی۔ فتح مکہ حنین اور طائف کے غزوات

میں شریک رہے۔ طائف کے معرکے میں انہیں ایک تیر لگا، اس سے شدید زخمی ہو گئے۔ علاج کے بعد زخم ٹھیک تو ہو گیا تھا لیکن تقریباً اڑھائی سال بعد دوبارہ ہرا ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے چالیس روز بعد یہ اسی زخم سے وفات پا گئے۔

محمد بن ابی بکر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ یہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی وفات کے بعد ان کی والدہ نے حضرت علی ؓ سے شادی کر لی تھی۔ اس طرح محمد بن ابی بکر حضرت علی ؓ کی آغوش میں پلے۔

کچھ مورخوں نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان غنی ؓ کے قاتلوں میں یہ بھی شریک تھے، لیکن مشہور محدث اور مورخ حافظ ابن عبد البر اندلسی نے اس کا انکار کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت عثمان ؓ کے خون سے محمد بن ابی بکر کا ذرا بھی تعلق نہیں ہے۔

حضرت علی ؓ نے اپنے دورِ خلافت میں انہیں مصر کا والی مقرر فرمایا۔ جب یہ مصر پہنچے تو ایک جنگ میں شہید ہو گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ خبر ملی تو بہت رنج ہوا۔ ان کے بیٹے قاسم کو اپنی تربیت میں لے لیا۔ قاسم بن محمد رحمہ اللہ نے چونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے تربیت حاصل کی تھی۔ اس لیے یہ فقیہ بنے۔ مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء میں ان کا شمار ہوا۔

خلفائے راشدین میں دیکھا جائے تو سب سے زیادہ فتوحات حضرت عمر ؓ کے دور میں ہوئیں۔ اور کئی لحاظ سے اصلاحات بھی سب سے زیادہ ان ہی کے دور میں ہوئیں، لیکن یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی خلافت صرف سوا دو سال تک رہی جب کہ حضرت عمر ؓ کو دس برس کے قریب وقت ملا...... لہٰذا حضرت عمر ؓ کے دور میں جو کچھ ہوا، اس کی بنیاد دراصل حضرت ابوبکر ؓ نے ہی رکھی تھی۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہر طرف فتنوں نے سر اٹھا لیے تھے۔ کہیں زکوٰۃ کا انکار کرنے والوں کا فتنہ تھا تو کہیں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کے فتنے تھے۔ غرض مدینہ منورہ کے چاروں طرف فتنہ پرور لوگ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ان تمام حالات کا مقابلہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے جس طرح کیا...... وہ آپ پڑھ ہی چکے ہیں۔ ان کی جگہ کوئی بھی دوسرا ہوتا، حوصلہ ہار جاتا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ صلاحیتیں اور جرأتیں عطا فرمائی تھیں کہ کمزور ہوتے ہوئے بھی ان سب کے خلاف مضبوط چٹان کی طرح ڈٹ گئے اور وہ کام کر دکھائے کہ آج بھی لوگ حیرت زدہ ہیں اور رہتی دنیا تک حیرت زدہ رہیں گے۔

اللہ کی ان پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں۔ آمین۔

دورِ فاروقی کا آغاز

حضرت عمر ؓ خلیفہ بنے تو آپ کے سامنے ایران اور روم سے جنگیں ہو رہی تھیں۔ خلافت کے پہلے دن سے ہی لوگ بیعت کے لیے آنے لگے۔ آنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ یہ سلسلہ تین دن تک جاری رہا۔ آپ نے موقع پا کر مسلمانوں کے سامنے خطبہ دیا۔ اس میں جہاد کے فضائل بیان فرمائے۔

روم اور ایران کے حکمران قیصر و کسریٰ کہلاتے تھے۔ یہ دونوں بہت بڑی سلطنتیں تھیں۔ یعنی اس وقت خود کو سپر طاقت سمجھنے والی یہی دو طاقتیں تھیں۔ حضرت ابو بکر ؓ کے دور میں حضرت خالد بن ولید ؓ عراق کے تمام سرحدی علاقے فتح کر چکے تھے اور کچھ ہی دنوں میں پورا عراق فتح کر سکتے تھے، لیکن ان ہی دنوں شام کی مہم پیش آ گئی۔ عیسائیوں نے ادھر جنگ کی زبردست تیاریاں کر لی تھیں۔ ان سے مقابلے کے لیے وہاں مجاہدین کم تھے، ساز و سامان کی کمی تھی۔ اس لیے حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے ربیع الثانی ۱۳ ہجری میں حضرت خالد بن ولید ؓ کو حکم بھیجا کہ فوراً شام کی طرف روانہ ہوں اور مثنیٰ بن حارثہ ؓ کو اپنا جانشین مقرر کر کے جائیں، چنانچہ حضرت خالد بن ولید ؓ شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس طرح عراق میں فتوحات کا سلسلہ رک گیا۔

مثنیٰ بن حارثہ ؓ صورتِ حال کی وضاحت کرنے کے لیے مدینہ منورہ آئے تو ابو بکر صدیق ؓ اس وقت شدید بیمار تھے...... وہ ان کی زندگی کے آخری دن تھے۔ آپ نے حضرت عمر ؓ کو ہدایات دیں کہ مثنیٰ بن حارثہ ؓ کی مدد کے لیے مجاہدین روانہ کیے جائیں۔

حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی وفات کے بعد اب حضرت عمر ؓ نے خلافت سنبھالی تو

سب سے پہلے آپ نے لوگوں کے سامنے جہاد پر خطبہ دیا...... مجمع میں حضرت مثنیٰ بن حارثہ ؓ بھی تھے۔ انہوں نے اٹھ کر کہا:

''مسلمانو! میں نے مجوسیوں کو آزمالیا ہے وہ مردِ میدان نہیں ہیں، عراق کے بڑے بڑے ضلعے ہم نے فتح کر لیے ہیں، ایرانی ہمارا لوہا مان چکے ہیں۔''

حضرت مثنیٰ بن حارثہ ؓ کے الفاظ سن کر ابو عبید ثقفی رحمہ اللہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ یہ قبیلہ ثقیف کے مشہور سردار تھے۔ انہوں نے بلند آواز میں کہا۔

''میں تیار ہوں۔''

اب تو ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں:

''ہم تیار ہیں، ہم تیار ہیں۔''

حضرت عمر ؓ نے حضرت ابو عبید ؓ کو اسلامی لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا۔ یہ مجاہدین مدینہ منورہ اور آس پاس کے علاقوں سے چنے گئے تھے۔

یہ ابو عبید صحابی نہیں۔ تابعی تھے..... لیکن بہت بہادر تھے، پُرجوش تھے...... یہ اپنا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔

حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے زمانے میں عراق پر جو حملہ ہوا تھا، اس نے ایران کو چونکا دیا تھا۔

اس سے پہلے وہ مسلمانوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے...... لیکن اب وہ پوری طرح ہوشیار تھے۔

ایران کی ملکہ ان دنوں ''پوران دُخت'' تھی، اس نے اپنے ملک کے ایک بہادر جرنیل ''رستم'' کو اپنا وزیر اعظم بنا لیا تھا۔ اس نے رستم کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو عراق سے نکال دے۔ رستم نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے اپنے لشکر کے دو حصے کیے، ایک حصے کا سالار ''جابان'' کو مقرر کیا جب کہ دوسرے حصے کا سالار ''شہزادہ نرسی'' کو بنایا۔

''جابان'' عراق کا ایک مشہور رئیس تھا۔ اہلِ عرب سے اسے خاص دشمنی تھی۔ دوسری طرف ''شہزادہ نرسی'' کسریٰ کا خالہ زاد بھائی تھا۔ یہ دونوں مختلف راستوں سے عراق کی طرف بڑھے۔ ادھر حضرت مثنیٰ بن حارثہ ؓ اور ابو عبید رحمہ اللہ حیرہ تک پہنچ چکے تھے، لیکن پھر جنگی حکمت عملی کے تحت خفان تک پیچھے ہٹ آئے۔ جابان نے غارق کے مقام پر پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔

حضرت ابو عبید رحمہ اللہ اپنے لشکر کو لیے اس کی طرف بڑھے۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔

جابان کی فوج کے دائیں بازو پر "جوشن شاہ" سالار تھا، جب کہ بائیں بازو کا سالار "مردان شاہ" تھا۔ یہ دونوں مشہور جنگ جُو تھے۔ مسلمانوں کے مقابلے میں بہت جواں مردی سے لڑے۔ گھمسان کی جنگ ہوئی...... مسلمانوں میں غضب کا جذبہ دیکھنے میں آیا...... آخر ان کے جذبے کے آگے ایرانی لشکر کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ دونوں سالار موقعے پر ہی گرفتار ہو گئے۔ "مردان شاہ" کو تو اسی وقت قتل کر دیا گیا...... البتہ "جابان" بچ گیا۔ اسے جس مسلمان نے گرفتار کیا تھا وہ اسے پہچانتا نہیں تھا۔ جابان نے چال چلی اور بولا:

"اس بڑھاپے میں میں تمہارے کس کام کا...... مجھے چھوڑ دو اور معاوضے میں مجھ سے دو جوان غلام لے لو۔"

مجاہد نے منظور کر لیا، لیکن جوں ہی لوگوں نے اسے پہچانا تو شور مچ گیا...... مسلمان کہنے لگے...... ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔ اس پر حضرت ابو عبید رحمہ اللہ نے فیصلہ سنایا:

"اسلام میں بدعہدی جائز نہیں۔"

ابو عبید رحمہ اللہ نے اس معرکے کے بعد "کسکر" کا رخ کیا۔ یہاں "شہزادہ نرسی" فوج لیے کھڑا تھا۔ سقاطیہ میں دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں، نرسی کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا۔ کسریٰ کے دو ماموں زاد بھائی بندویہ اور تیرویہ فوج کے دائیں اور بائیں بازو کے سالار تھے۔ نرسی ابھی جنگ شروع کرنے کے حق میں نہیں تھا، اسے اطلاع ملی تھی کہ اس کی مدد کے لیے مزید ایرانی فوجیں روانہ ہو چکی ہیں...... وہ ان فوجوں کا انتظار کر رہا تھا اور ان کی آمد سے پہلے لڑائی شروع نہیں کرنا چاہتا تھا...... دوسری طرف حضرت عبید رحمہ اللہ کو بھی یہ اطلاعات مل گئیں انہوں نے دیر کرنا مناسب نہ سمجھا اور حملہ کر دیا۔ بہت بڑا معرکہ ہوا اور آخر نرسی کو شکست ہوئی۔

ابو عبید رحمہ اللہ خود وہیں ٹھہرے اور فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے چاروں طرف روانہ کر دیے...... تاکہ بھاگ نکلنے والے ایرانیوں کا تعاقب کیا جا سکے اور ان کا جہاں تک ہو سکے، صفایا کیا جا سکے۔

اس شکست کی خبر سن کر رستم بہت چراغ پا ہوا۔ اس نے "بہمن" کو ایک لشکر دے کر روانہ کیا۔

دونوں لشکر مروحہ کے مقام پر آمنے سامنے آگئے، لیکن دونوں لشکروں کے درمیان میں دریائے فرات تھا۔ بہمن نے مسلمانوں کو پیغام بھیجا:

"تم اس طرف آتے ہو یا ہم آئیں؟"

ابو عبید رحمہ اللہ کے سالاروں نے انہیں مشورہ دیا کہ "بہمن" کو اپنے لشکر کے ساتھ اس طرف آنے کی دعوت دی جائے۔

مگر حضرت ابو عبید رحمہ اللہ نے کہا:

"یہ تو بزدلی ہے۔"

ادھر بہمن کے قاصد نے ان مسلمانوں کی باتیں سن کر جو حضرت ابو عبید رحمہ اللہ کو دریا پار کر کے آگے بڑھ کر حملہ کرنے سے روک رہے تھے، یہ کہہ دیا:

"ہم لوگوں کا بھی یہی خیال تھا کہ عرب مردِ میدان نہیں ہیں۔"

اس نے یہ بات مسلمانوں کو جوش دلانے کے لئے کہی تھی اور واقعی حضرت ابو عبید رحمہ اللہ اور جوش میں آگئے۔ انہوں نے فوج کو تیاری کا حکم دے دیا۔ حضرت مثنیٰ بن حارثہ ؓ اور بڑے بڑے سردار اب بھی اس اقدام کے خلاف تھے۔ حضرت مثنیٰ ؓ نے ابو عبید رحمہ اللہ سے فرمایا:

"اگرچہ ہمیں یقین ہے کہ دریا پار کرنے سے فوج کو شدید نقصان پہنچے گا لیکن چونکہ سپہ سالار اس وقت آپ ہیں اور افسر کی حکم عدولی ہمارا طریقہ نہیں، اس لیے ہم تیار ہیں۔"

اب کشتیوں کا پل باندھا گیا اور تمام فوج اس پل کے ذریعے دریا پار کر گئی...... لیکن وہاں ایرانیوں نے اسلامی فوج کے لیے جگہ بہت تنگ چھوڑی تھی۔ اسلامی فوج کو صف بندی کی جگہ بھی نہ مل سکی۔ دوسری طرف ایرانی فوج کے ساتھ خوفناک ہاتھی بھی تھے اور ان پر بڑے بڑے گھنٹے لٹکائے گئے تھے۔ جب یہ ہاتھی چلتے تو گھنٹے زور زور سے بجنے لگتے۔ اس طرح ان پر جو فوجی سوار تھے، وہ سمور کی لمبی ٹوپیاں اوڑھے ہوئے تھے اور خوفناک قسم کے جانور نظر آتے تھے، مسلمانوں کے عربی گھوڑوں نے ایسے ہاتھی اور سمور کی ٹوپیوں والے فوجی پہلے نہیں دیکھے تھے مسلمانوں کے گھوڑے ان خوفناک ہاتھیوں اور سواروں کو دیکھ کر بدک گئے۔

بدک کر پیچھے ہٹے، جب حضرت ابو عبید رحمہ اللہ نے دیکھا کہ ہاتھیوں کے مقابلے میں گھوڑے ناکارہ ثابت ہو رہے ہیں تو گھوڑے سے کود پڑے اور للکار کر اپنے ساتھیوں سے کہا:

”جانبازو! ہاتھیوں کو درمیان میں لے لو اور ہودجوں کو سواروں سمیت الٹ دو۔“
(ہودج وہ چھپر نما نشست ہوتی ہے جس پر ہاتھی والے سوار ہوتے ہیں)

اس اعلان کے ساتھ سب مسلمان گھوڑوں سے کود پڑے اور ہودجوں کی رسیاں کاٹ کاٹ کر ہاتھی سواروں کو نیچے گرانے لگے...... اس کے باوجود ہاتھیوں کی وجہ سے مسلمانوں کا بہت نقصان ہو رہا تھا...... ہاتھی جس طرف کا رخ کرتے ان کی صف پس جاتی۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت ابو عبید رحمہ اللہ سفید ہاتھی پر حملہ آور ہوئے۔ یہ سب ہاتھیوں کا سردار تھا۔ انہوں نے ہاتھی کے سونڈ پر تلوار ماری۔ سونڈ کٹ گئی...... ادھر ہاتھی غصے میں آگے بڑھا اور انہیں زمین پر گرا کر اپنا پاؤں ان کے سینے پر رکھ دیا۔

بویب کا معرکہ

جوں ہی ہاتھی نے حضرت ابو عبید ثقفی رحمہ اللہ کے سینے پر اپنا پیر رکھا، ان کی ہڈیاں چُور چُور ہو گئیں۔ وہ شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد ان کے بھائی حکم نے علم ہاتھ میں لے لیا اور پر جوش انداز میں ہاتھی پر حملہ آور ہوئے۔ اس نے حضرت ابو عبید رحمہ اللہ کی طرح انہیں بھی پاؤں کے نیچے کچل دیا۔ اس طرح سات آدمیوں نے باری باری علم ہاتھ میں لیا اور مارے گئے۔ یہ ساتوں خاندانِ ثقیف سے تھے۔ آخر حضرت مثنیٰ بن حارثہ ؓ نے علم ہاتھ میں لیا۔ اس وقت تک جنگ کا نقشہ پلٹ چکا تھا اور ایرانی مسلمانوں کو دریا کی طرف دھکیل رہے تھے، ایسے میں کسی نے پل بھی توڑ دیا...... مسلمان اس قدر بدحواس ہوئے کہ ٹوٹا ہوا پل دیکھ کر دریا میں کود پڑے...... ایسے میں حضرت مثنیٰ بن حارثہ ؓ نے فوج کو سنبھالا، پل بندھوایا اور سواروں کے دستے کے ذمے کام لگایا کہ پل پار کرتے لوگوں کی مدد کرے۔ خود ایک دستے کو ساتھ لے کر دشمن کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ اس قدر جواں مردی اور ثابت قدمی سے لڑے کہ دشمن جو برابر بڑھتا چلا آ رہا تھا، اس کا بڑھنا رک گیا۔ اس وقت تک نو ہزار سپاہیوں میں سے چھ ہزار کام آ چکے تھے۔ صرف تین ہزار مسلمان اپنی جانیں بچا کر دوسرے کنارے تک پہنچ سکے...... ان تین ہزار کا بچاؤ بھی حضرت مثنیٰ بن حارثہ ؓ کی حکمتِ عملی سے ہوا۔

اسلام کی تاریخ میں میدانِ جنگ سے بھاگنے کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ اس لڑائی میں جن مسلمانوں کی پسپائی کی وجہ سے لشکر اسلام کو شکست ہوئی تھی، وہ مارے شرم کے اپنے گھروں

میں نہ گئے۔ ادھر ادھر جنگلوں میں پھرتے رہتے تھے اور روتے رہتے تھے۔

مدینہ منورہ میں یہ خبر پہنچی تو مسلمانوں کو بہت رنج ہوا۔ حضرت عمرؓ بھی بے حد غمگین ہوئے۔ تاہم دوسروں کو تسلی دیتے رہے، لیکن انہیں خود تسلی نہیں ہوتی تھی۔ یہ واقعہ رمضان ١٣ ہجری کے دن پیش آیا۔ اس جنگ میں نامور صحابہ کرام بھی شہید ہوئے۔ ان میں سے چند کے نام حضرت سلیط، حضرت ابوزید انصاری، حضرت یزید بن قیس انصاری اور حضرت ابوامیہ الفزاری رضی اللہ عنہم ہیں۔

مسلمانوں کی اس شکست نے حضرت عمرؓ پر ایک اضطراب طاری کر دیا۔ آپ نے زور شور سے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ سارے عرب میں جہاد کے موضوع پر تقریریں کرنے والے حضرات کو بھیج دیا۔ ان کی پرجوش تقریروں نے جزیرۃ العرب میں آگ لگا دی۔ ہر طرف سے عرب کے قبائل امڈ آئے۔ قبیلہ ازد کا سردار مخنف بن سلیم سات سو سواروں کو ساتھ لے کر آیا۔ حصین بن معبد اپنے ساتھ ایک ہزار آدمی لائے۔ حاتم طائی کے بیٹے حضرت عدی رضی اللہ عنہ بھی بڑی تعداد میں اپنے لوگوں کو لے آئے۔ اسی طرح قبیلہ رباب، بنو کنانہ، خثعم، بنو حنظلہ وغیرہ کے بڑے جتھے، اپنے اپنے سرداروں کے ساتھ آئے۔

ان ہی دنوں حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ مشہور صحابی اور اپنی قوم کے سردار تھے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی تھی کہ انہیں ان کے قبیلے کا سردار مقرر کر دیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست منظور کر لی تھی۔ اب یہ بھی حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے قبیلے کے ہزاروں آدمیوں کو لشکر میں شامل کیا۔

ادھر حضرت مثنیٰ بن حارثہؓ نے تمام سرحدی مقامات کی طرف پیغام بھیج دیے اور اس طرح ایک بڑی فوج جمع کر لی۔

ایرانی جاسوسوں نے بھی یہ خبریں ایران کے شاہی دربار تک پہنچا دیں۔ پوران دخت نے حکم دیا:

”خاص فوج سے بارہ ہزار سوار منتخب کیے جائیں، مہران بن مہرویہ ہمدانی ان پر افسر مقرر کیا جائے۔“

پوران دخت نے مہر کو فوج کا افسر اس لیے مقرر کیا تھا کہ اس نے عرب میں تربیت پائی

تھی لہٰذا عربوں کے لڑنے کے انداز سے خوب واقف تھا۔

اسلامی لشکر بویب کے مقام پر آ کر رکا۔ بویب کوفہ کے قریب واقع تھا۔ ادھر مہران اپنی فوج کے ساتھ روانہ ہوا۔ بویب کے مقام پر پہنچ کر مہران نے دریائے فرات کے کنارے پڑاؤ کیا۔ صبح ہوتے ہی اس نے فرات پار کیا اور مسلمانوں کے لشکر کے سامنے صف بندی شروع کر دی۔

حضرت مثنیٰ بن حارثہ ؓ نے نہایت ترتیب سے اسلامی لشکر کی صف بندی کی۔ انہوں نے فوج کے مختلف حصے کیے۔ ہر حصے پر نامور حضرات کو سالار مقرر کیا۔ پورے لشکر کو ترتیب دینے کے بعد انہوں نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چکر لگایا۔ ایک ایک سالار کے پاس رک کر کہا:

"بہادرو! دیکھنا! تمہاری وجہ سے تمام عرب پر بدنامی کا داغ نہ لگے۔"

اسلامی فوج کا جنگ شروع کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ سپہ سالار تین مرتبہ اللہ اکبر کہتا تھا۔ پہلی تکبیر پر فوج حملہ کرنے کے تیار ہو جاتی تھی، دوسری تکبیر پر فوج ہتھیار تول لیتی تھی اور تیسری تکبیر پر حملہ کر دیا جاتا تھا۔ حضرت مثنیٰ ؓ نے ابھی دوسری تکبیر بھی نہیں کہی تھی کہ ایرانیوں نے حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر کچھ مسلمان برداشت نہ کر سکے اور جوابی حملہ کرنے کے لیے صفوں سے آگے بڑھ آئے۔ یہ دیکھ کر مثنیٰ ؓ بلند آواز میں پکارے:

"اللہ کے لیے اسلام کو رسوا نہ کرو۔"

اس آواز پر لوگ فوراً پیچھے ہٹ آئے۔ مثنیٰ بن حارثہ ؓ نے تیسری تکبیر کہی تو مسلمانوں نے دشمن پر حملہ کر دیا۔

ایرانی بھی گرجتے برستے اور شور مچاتے حملہ آور ہوئے۔ ان کے شور سے پورا میدان جنگ گونج اٹھا۔ یہ دیکھ کر حضرت مثنیٰ ؓ پکارے:

"گھبرانے کی ضرورت نہیں! یہ نامردانہ عمل ہے۔"

اب انہوں نے مہران کے دستے پر حملہ کیا، پہلے ہی حملے میں انہوں نے اس کی صف توڑ ڈالی اور اندر تک گھستے چلے گئے۔ مگر ایرانی بھی جان توڑ کر لڑے...... ان کا جوابی حملہ اس قدر زوردار تھا کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ یہ دیکھ کر مثنیٰ للکارے:

"مسلمانو! کہاں جاتے ہو، میں تو یہ کھڑا ہوں۔"

اس آواز پر سب کے سب پلٹ پڑے اور جم گئے۔ حضرت مثنیٰ ؓ نے انہیں جمع کر کے پھر حملہ کیا۔ اس حالت میں ان کے بھائی مسعود زخمی ہو کر گرے۔ یہ مشہور بہادر تھے۔ انہیں گرتے دیکھ کر ان کا دستہ گھبرا گیا۔ حضرت مثنیٰ ؓ پھر پکارے:

''مسلمانو! میرا بھائی شہید ہو گیا تو کیا پروا...... شریف لوگ اسی طرح جان دیا کرتے ہیں، دیکھو...... تمہارے جھنڈے گرنے نہ پائیں۔''

مسعود نے بھی گرتے وقت للکار کر کہا:

''میرے مرنے پر بے دل نہ ہو جانا۔''

ان کا دستہ پھر سے جم گیا...... اب لڑائی پورے زوروں پر ہونے لگی۔

جنگ جاری رہی، مسلمانوں کے بڑے بڑے افسر شہید ہو گئے، لیکن حضرت مثنیٰ ؓ ثابت قدم رہے۔ ان کی ثابت قدمی کی وجہ سے مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ ایرانیوں کی فوج کا قلب (درمیانی حصہ) خوب جم کر لڑا، لیکن آخر کار شکست فاش سے دوچار ہوا۔ ایرانیوں کا ایک بڑا افسر شہر براز حضرت قرط رحمہ اللہ کے ہاتھوں مارا گیا تاہم مہران ابھی تک جم کر لڑ رہا تھا۔ ایسے میں قبیلہ تغلب کے ایک نوجوان نے اس پر حملہ کیا۔ اس حملے میں مہران اچھل کر گھوڑے سے نیچے آ گرا۔ نوجوان نے بھی اپنے گھوڑے سے چھلانگ لگا دی اور اس کی کمر پر سوار ہو کر اسے قتل کر دیا...... ساتھ ہی پکار کر بولا:

''میں ہوں تغلب کا نوجوان...... میں نے سپہ سالار مہران کو قتل کر دیا ہے۔''

مہران کے قتل کی خبر نے ایرانیوں کے حوصلے ختم کر دیئے...... وہ بدحواس ہو کر بھاگے۔ حضرت مثنیٰ ؓ فوراً اپنے دستے کے ساتھ پل پر پہنچ گئے تاکہ ایرانی بھاگ نہ سکیں۔ اس جگہ اتنے ایرانی قتل ہوئے کہ لاشوں کے انبار لگ گئے۔ مورخوں کا بیان ہے کہ کسی لڑائی میں اتنی لاشیں نہیں گریں جتنی بویب کی لڑائی میں گریں۔

مدتوں بعد مسلمانوں کا ادھر سے گزر ہوا تو اس وقت بھی وہاں ہڈیوں کے انبار نظر آئے۔

لشکرِ اسلام قادسیہ کی سمت

اس معرکے کے بعد مسلمان تمام عراق میں پھیل گئے۔ آج جہاں بغداد ہے وہاں اس

زمانے میں بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ حضرت مثنیٰ بن حارثہ ؓ نے وہاں اس دن حملہ کیا جس دن بازار لگتا تھا۔ سب لوگ جان بچانے کے لیے بھاگے۔ مسلمانوں کے ہاتھ بے تحاشا مال ہاتھ آیا۔

ایران کے دارالحکومت میں یہ خبر پہنچی تو وہاں کھلبلی مچ گئی۔ ایران کی ملکہ پوران دخت کو نااہل قرار دے دیا گیا۔ اب سلطنت کے امراء نے اتفاق کر کے پوران دخت کو تخت سے اتار دیا اور یزدگرد کو بٹھا دیا۔ یزدگرد سولہ سالہ نوجوان تھا۔ کسریٰ کے خاندان میں نرینہ اولاد میں سے بس یہی رہ گیا تھا۔

اس طرح یزدگرد کی تخت نشینی سے ایرانی حکومت کے پاؤں ایک بار پھر جم گئے، تمام لوگ مسلمانوں سے مقابلے کیے تیار ہو گئے، فوجی چھاؤنیاں قائم کی جانے لگیں۔

حضرت عمر ؓ کو جب یہ خبر ملی تو آپ نے حضرت مثنیٰ ؓ کو حکم بھیجا:

’’فوجوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر عرب کی سرحد کی طرف ہٹ آؤ۔ ربیعہ اور مضر کے قبیلوں کو بھی طلب کر لو۔‘‘

حضرت عمر فاروق ؓ نے ان کے علاوہ بھی ہر طرف قاصد دوڑائے...... ہر طرف سے لوگوں کو بلا لیا گیا۔ حج کا زمانہ تھا...... خود بھی مکہ مکرمہ پہنچے...... ابھی آپ حج سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ ہر طرف سے قبیلوں کے قافلے امڈ آئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے تین ہزار آدمی بھیجے۔ ان میں سے ہر ایک جنگ جو تھا۔ حضر موت، مذحج، قیس اور غیلان وغیرہ کے بڑے بڑے سردار ہزاروں کی جمعیتیں لے کر آئے۔ یمن سے ایک ہزار، بنو تمیم اور رباب کے چار ہزار، بنو اسد کے تین ہزار آدمی آئے۔

حضرت عمر ؓ حج کر کے واپس آئے تو مجاہدین کی بہت بڑی تعداد مدینہ منورہ میں جمع ہو چکی تھی۔ اب آپ نے حکم دیا:

’’لشکر کو ترتیب دیا جائے، میں خود سپہ سالار بن کر ساتھ جاؤں گا۔‘‘

ہر اول دستہ حضرت طلحہ ؓ کو سونپا گیا۔ حضرت زبیر بن عوام ؓ کو میمنہ یعنی فوج کے دائیں بازو پر سالار مقرر کیا گیا۔ میسرہ یعنی بائیں بازو پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کو مقرر فرمایا۔ قلب یعنی لشکر کا درمیان اپنے پاس رکھا۔ جب لشکر کو ترتیب دیا جا چکا تو خود مدینہ منورہ سے نکل آئے اور عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عمر ؓ کے اس طرح ساتھ چل پڑنے سے مسلمانوں میں بے تحاشا جوش پیدا ہو گیا۔ مدینہ سے باہر تین میل کے فاصلے پر لشکر نے پڑاؤ

کیا۔ یہ اس سفر کی پہلی منزل تھی۔ اس وقت بڑے بڑے صحابہ نے مشورہ کر کے حضرت عمرؓ سے عرض کیا:

"اے امیر المومنین! آپ لشکر کے ساتھ نہ جائیں...... خدانخواستہ آپ کو کچھ ہو گیا تو یہ اسلام کے لیے بہت بڑا سانحہ ہوگا۔"

یہ رائے تھی بڑے بڑے صحابہ کی...... جب کہ عام لوگ چاہتے تھے، امیر المومنین ساتھ چلیں...... آخر حضرت عمرؓ نے اٹھ کر تقریر کی...... اس میں فرمایا:

"میں ساتھ جانا چاہتا تھا، لیکن بڑے بڑے صحابہ اس بات کے حق میں نہیں ہیں۔"

آخر سب نے یہ بات منظور کر لی کہ حضرت عمرؓ ساتھ نہ جائیں۔ اب سوال یہ تھا کہ سپہ سالار کسے بنایا جائے۔ اس موقعے پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا:

"میرے خیال میں اس لشکر کا سپہ سالار سعد بن ابی وقاصؓ کو بنایا جائے۔"

حضرت سعدؓ بہت بڑے صحابی تھے۔ بلند مرتبہ تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے رشتے میں ماموں لگتے تھے۔ ان کی بہادری میں بھی کسی کو شک نہیں تھا۔ لہٰذا حضرت عمرؓ نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ تاہم فرمایا:

"میری طرف سے برابر ہدایات جاری ہوں گی...... ان پر عمل کیا جائے۔"

اس طرح حضرت سعدؓ اس لشکر کو لے کر روانہ ہوئے۔ سترہ یا اٹھارہ منزلیں طے کر کے آپ ثعلبہ پہنچے، یہاں پہنچ کر قیام کیا۔ ثعلبہ کوفے سے تین منزل پر ہے۔ حضرت مثنیٰؓ آٹھ ہزار کے لشکر کے ساتھ ذی قار کے مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ انہیں اسلامی لشکر کا انتظار تھا، وہ چاہتے تھے کہ اسلامی لشکر کوفہ کی طرف بڑھے تو اس کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ انہیں پل کی لڑائی میں شدید زخم آئے تھے اور وہ زخم ابھی تک ٹھیک نہیں ہوئے تھے۔ ابھی حضرت سعدؓ کا لشکر وہاں نہیں پہنچا تھا کہ حضرت مثنیٰ بن حارثہؓ نے اس مقام پر ان زخموں کی تاب نہ لا کر وفات پائی......

یہ اتنے بڑے سالار تھے کہ صدیوں بعد ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں، جہاد میں زندگی ختم کر دی اور آخر دم تک ایرانیوں کو ناکوں چنے چبواتے رہے۔ اللہ ان پر رحم فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

حضرت سعدؓ ثعلبہ سے روانہ ہوئے تو شراف کے مقام پر آ گئے۔ یہاں ڈیرے ڈالے۔ اسی مقام پر حضرت مثنیٰؓ کے بھائی معنیٰ ان سے آ کر مل گئے۔ حضرت مثنیٰؓ نے

اپنے انتقال سے پہلے کچھ مشورے دیئے تھے۔ وہ مشورے انہوں نے حضرت سعدؓ کو بتا دیئے۔ حضرت سعدؓ نے تمام حالات اور اس علاقے کے نقشے وغیرہ بنا کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیج دیے۔ ادھر سے تفصیلی ہدایات آئیں۔ اس میں فوج کی ترتیب تک کے لیے ہدایات تھیں۔ حضرت سعدؓ نے ان نئی ہدایات کے مطابق فوج کا جائزہ لیا۔ فوج کی تعداد کم و بیش تیس ہزار تھی۔ انہوں نے فوج کے ہر حصے پر الگ الگ افسر مقرر کیے۔ اس لشکر میں بدری صحابہ بھی تھے۔ ان کی تعداد سترہ تھی۔ تین سو صحابی ایسے تھے جو بیعتِ رضوان میں شامل تھے...... اور تین سو کے قریب ہی ایسے تھے جو فتح مکہ کے موقعے پر موجود تھے۔ سات سو حضرات ایسے تھے جو صحابی تو نہیں تھے، لیکن صحابہ کی اولاد تھے۔

حضرت سعدؓ ابھی شراف ہی میں تھے کہ حضرت عمرؓ کی طرف سے یہ حکم آیا:

"شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ میں قیام کرو...... اور اس طرح مورچے بناؤ کہ سامنے عجم کی زمین ہو اور کمر پر عرب کے پہاڑ ہوں...... تاکہ فتح ہو تو جہاں تک چاہو، بڑھتے چلے جاؤ اور خدانخواستہ دوسری صورت پیش آئے تو ہٹ کر پہاڑوں کی پناہ لے سکو۔"

قادسیہ ایک بہت محفوظ مقام تھا۔ یہ شاداب علاقہ تھا۔ اس میں نہریں اور پل بھی تھے۔ حضرت عمرؓ اسلام سے پہلے تجارت وغیرہ کے لیے ان علاقوں سے گزرا کرتے تھے لہٰذا وہ ان علاقوں سے خوب واقف تھے۔ اس کے بعد حضرت سعدؓ شراف سے چلے تو عذیب پہنچے، یہاں عجمیوں کا اسلحہ خانہ موجود تھا...... وہ اسلامی لشکر کے ہاتھ لگا۔ آخر حضرت سعدؓ قادسیہ میں پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے کچھ مجاہدین کو حکم دیا:

"دشمن کی خبریں لاؤ۔"

وہ چلے گئے اور گھوم پھر کر خبریں لے آئے۔ آکر بتایا:

"ایرانی لشکر کا سپہ سالار رستم کو مقرر کیا گیا ہے۔ یہ شخص آرمینہ کا رئیس ہے۔ مدائن سے روانہ ہو کر ساباط میں ٹھہرا ہے۔"

حضرت سعدؓ نے یہ اطلاعات حضرت عمرؓ کو روانہ کیں۔ وہاں سے جواب آیا:

"جنگ سے پہلے کچھ سفیر ایرانیوں کی طرف بھیجے جائیں...... انہیں اسلام کی دعوت دی جائے۔"

حضرت سعدؓ نے چودہ قابل ترین ساتھیوں کو منتخب کیا جن میں عاصم بن عمر، عمرو بن

معدی کرب، مغیرہ بن شعبہ، معن بن حارثہ اور نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہم زیادہ مشہور ہیں۔ یہ حضرات عقل، تدبیر اور سیاست میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

یہ سفیر گھوڑوں پر سوار مدائن پہنچے۔ راستے میں جدھر سے گزرتے لوگوں کی بھیڑ لگ جاتی۔ ان کی ظاہری صورت یہ تھی کہ گھوڑوں پر زین نہیں تھی۔ ہاتھوں میں ہتھیار نہیں تھے، مگر بے باکی اور دلیری ان کے چہروں سے ٹپکتی تھی، دیکھنے والے فوراً متاثر ہو جاتے تھے۔ ان کی سواری میں جو گھوڑے تھے وہ خوب صحت مند اور چاق و چوبند تھے۔ ان کی زوردار ٹاپوں کی آواز یزدگرد تک پہنچی تو اس نے پوچھا:

"یہ کیسی آوازیں ہیں؟"

اسے بتایا گیا: "اسلامی لشکر کے سفیر آئے ہیں۔"

یہ اطلاع ملنے پر اس نے اپنا دربار سجایا، خوب ساز و سامان سے اس کو آراستہ کیا تاکہ مسلمان سفیروں پر اس کی دھاک بیٹھ جائے، راستے کے دونوں طرف اپنے جنگجو کھڑے کیے...... ان کے درمیان سے گزر کر اسلامی سفیروں کو اس تک جانا تھا۔ یہ تمام انتظامات کرنے کے بعد اس نے ان سفیروں کو طلب کیا۔

اسلامی سفیر عربی جبے پہنے، کاندھوں پر یمنی چادریں ڈالے، ہاتھوں میں کوڑے لیے، دربار میں داخل ہوئے...... مسلمانوں کی مسلسل فتوحات نے ایرانیوں پر پہلے ہی دھاک بٹھا دی تھی...... یزدگرد نے سفیروں کی یہ شان دیکھی تو اس پر ہیبت طاری ہوگئی۔

(یہ تھی کسی زمانے میں مسلمانوں کی شان کہ دنیا کی سپر پاور کہلانے والی مملکتوں کے حکمران ان سے ڈرتے تھے...... آج کے مسلمان یہود و نصاریٰ سے ڈرتے ہیں اور مسلم حکمران ان کے آگے ہاتھ جوڑتے ہیں۔ صد افسوس......)

* * *

قادسیہ کے قاصد

یزدگرد نے ان سے پہلا سوال کیا:

''تم اس ملک میں کیوں آئے ہو؟''

حضرت نعمان بن مقرن ؓ اس جماعت کے امیر تھے۔ انہوں نے انہیں پہلے تو اسلام کے بارے میں بتایا...... پھر فرمایا:

''ہم تمام دنیا کے سامنے یہ چیزیں پیش کرتے ہیں...... اسلام قبول کرلو، یا جزیہ دینا قبول کرلو، ورنہ پھر تلوار ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔''

ان کی بات سن کر یزدگرد نے کہا:

''کیا تمہیں یاد نہیں کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ کمزور اور بدبخت قوم کوئی نہیں تھی۔ تم جب کبھی ہم سے بغاوت کرتے تھے تو ہم سرحد کے زمینداروں کو بھیج دیتے تھے، وہ تمہیں سیدھا کردیتے تھے۔''

اس کی یہ بات حضرت مغیرہ بن زرارہ ؓ سے ضبط نہ ہوسکا۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''یہ عرب کے رئیسوں میں سے ہیں...... اپنی بردباری اور وقار کی وجہ سے زیادہ بات نہیں کرتے تھے، انہوں نے جو کہا، وہی مناسب تھا، لیکن کچھ باتیں رہ گئیں...... وہ باتیں میں بیان کیے دیتا ہوں۔ اے بادشاہ! یہ سچ ہے کہ ہم بدبخت اور گمراہ تھے۔ آپس میں لڑتے مرتے رہتے تھے، اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کردیتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک پیغمبر بھیجا۔ وہ حسب نسب میں ہم سے اعلیٰ تھا۔ شروع شروع میں ہم نے اس کی مخالفت کی، لیکن پھر رفتہ رفتہ اس کی باتوں نے دلوں پر اثر کیا۔ وہ جو کہتا تھا، اللہ کے حکم سے کہتا تھا اور جو کچھ کرتا تھا، اللہ کے حکم سے کرتا تھا۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ اس مذہب کو تمام دنیا کے سامنے پیش کرو، جو اسلام لے آئیں وہ تمام حقوق میں تمہارے برابر ہیں، جنہیں اسلام سے انکار ہو اور جزیے پر رضامند ہوں وہ اسلام کی حمایت میں رہیں اور جن لوگوں کو ان دونوں باتوں سے انکار ہو، ان کے لیے تلوار ہے۔''

یزدگرد طیش میں آ گیا۔ اس نے کہا:

”اگر قاصدوں کا قتل جائز ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی زندہ بچ کر نہ جاتا۔“

اب اس نے حکم دیا: ”ایک مٹی کا ٹوکرا لایا جائے۔“

جلد ہی مٹی کا ٹوکرا لایا گیا۔ اس نے حکم دیا: ”ٹوکرا ان میں سے کسی کے سر پر رکھ دو۔“

وہ ٹوکرا حضرت عاصم بن عمر ؓ کے سر پر رکھا گیا۔ اس نے اسی حالت میں انہیں واپس لوٹ جانے کو کہا، یہ لوگ واپس روانہ ہوئے اور آخر اسلامی لشکر میں پہنچ گئے۔ حضرت سعد بن وقاص ؓ کی خدمت میں پہنچ کر انہوں نے کہا:

”فتح مبارک ہو! دشمن نے اپنی زمین خود ہمیں دے دی۔“

کئی ماہ تک دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے پڑے رہے۔ یزدگرد نے رستم کو کئی بار پیغام بھیجا کہ جنگ شروع کر دی جائے ..... لیکن رستم جنگ کو ٹالتا رہا۔ آخر جب یزدگرد کی طرف سے سخت حکم آیا تو رستم کو جنگ کے لیے اٹھنا پڑا۔ وہ ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر ساباط سے نکلا اور قادسیہ کے میدان میں جا پہنچا......

رستم کا یہ لشکر جہاں جہاں سے بھی گزرا، وہاں کے لوگوں کے ساتھ بُرا سلوک کرتا آیا...... یہاں تک کہ لوگوں میں یہ خیال عام ہو گیا کہ اب عجم کی سلطنت کے زوال کا وقت قریب ہے۔ رستم کی فوجیں جس دن ساباط سے چلیں، اسی دن حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے چاروں طرف جاسوس پھیلا دیے تھے۔ اس طرح ان تک پل پل کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔

ایک رات کچھ جاسوس لباس بدل کر رستم کے لشکر میں چلے گئے...... ایسے میں ان کی نظریں ایک عمدہ گھوڑے پر پڑیں۔ ان میں سے ایک نے اس کی باگ تلوار سے کاٹ کر اپنے گھوڑوں کے ساتھ باندھ لی اور لشکر سے باہر نکلنے لگے، لیکن اسی وقت دشمن کے دو سپاہی جاگ گئے۔ انہوں نے ان کا تعاقب کیا، تعاقب کرنے والوں میں ایک مشہور افسر بھی تھا۔ وہ ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا۔ اس نے قریب پہنچ کر نیزے کا وار کیا۔ جاسوس نے وار خالی دیا اور خود نیزے کا وار کیا، نیزہ اس کے سینے کے پار ہو گیا...... دوسرا آگے بڑھا تو وہ بھی مارا گیا۔ تیسرے نے امان طلب کی اور قیدی کی حالت میں ان کے ساتھ چل پڑا...... اس وقت تک باقی لشکر میں بھی ہل چل مچ گئی۔ ہر طرف سے ایرانی سپاہی ان کی طرف دوڑ پڑے...... لیکن وہ لڑتے بھڑتے ان کے درمیان سے نکل کر اسلامی لشکر میں پہنچ گئے۔ ساٹھ ہزار کا لشکر دیکھتا کا

دیکھتا رہ گیا۔ قیدی کو حضرت سعد ؓ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی تو اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اب اس نے بتایا:

"دونوں سوار مسلمان جاسوسوں کے ہاتھوں مارے گئے، یہ دونوں ہمارے لشکر میں ایک ہزار سواروں کے برابر مانے جاتے تھے۔"

جن مسلمان سپاہی کے ہاتھوں یہ دونوں سوار مارے گئے ان کا نام طلیحہ تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد قیدی کا نام "مسلم" رکھا گیا۔ اس کے ذریعے سے ایرانی لشکر کے بارے میں بہت معلومات ہاتھ لگیں، بلکہ بعض حالات تو ایسے معلوم ہوئے جو اور کسی سے معلوم نہیں ہو سکتے تھے۔ مسلم بعد کے تمام معرکوں میں اسلامی لشکر میں شامل رہے، انہوں نے ہر موقعے پر جانبازی کے جوہر دکھائے۔

رستم اب تک لڑنے سے جی چرا رہا تھا۔ شاید اسے اپنی شکست کا پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر صلح کی کوشش کی، حضرت سعد ؓ کے پاس یہ پیغام بھیجا:

"اپنا کوئی قاصد میرے پاس بھیجو...... میں صلح کی بات چیت کرنا چاہتا ہوں۔"

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے حضرت ربعی بن عامر ؓ کو بھیجا۔ وہ اس انداز میں روانہ ہوئے کہ تلوار کے دستے پر چیتھڑے لپیٹ رکھے تھے اور لباس بالکل سادہ سا تھا۔ کمر میں رسی کا پٹکا تھا...... تلوار اس سے لٹک رہی تھی۔

ادھر ایرانیوں نے انہیں اپنی شان و شوکت دکھانے کے لیے خوب تیاریاں کیں۔ دربار کو خوب سجایا، دیبا کا فرش بچھایا، ریشم کے پردے لٹکائے...... شاہی تخت کو سجایا بنایا...... راستے کے دونوں طرف سپاہی کھڑے کیے...... حضرت ربعی بن عامر ؓ ان کے درمیان سے چلتے دربار تک آئے۔ دیبا کے فرش کے پاس گھوڑے سے اترے، اس کی باگ کو گاؤ تکیے سے اٹکایا...... درباریوں نے باہر ہتھیار لے لینے کی کوشش کی...... طریقہ بھی یہی تھا...... دربار میں داخلے سے پہلے قاصد سے ہتھیار لے لیے جاتے تھے، لیکن انہوں نے ہتھیار اتارنے سے انکار کر دیا اور کہا:

"تم لوگوں نے بلایا ہے تو میں آیا ہوں...... اگر تمہیں اس حالت میں میرا دربار تک جانا منظور نہیں تو میں لوٹ جاتا ہوں۔"

درباریوں نے یہ بات رستم کو بتائی۔ اس نے اجازت دے دی۔ ربعی بن عامر ؓ نہایت لاپروائی کی حالت میں آگے بڑھے۔ ہاتھ میں نیزہ تھا...... اس نیزے کو قالین میں گھونپتے گئے۔ اس طرح وہ پُر تکلف قالین جگہ جگہ سے کٹ گیا۔ تخت کے نزدیک پہنچ کر انہوں نے اپنا نیزہ

زمین میں مارا...... نیزہ زمین میں گڑ گیا۔ اب بات چیت شروع ہوئی۔ رستم نے پوچھا۔

’’اس ملک میں کیوں آئے ہو؟‘‘

’’ہم اس لیے آئے ہیں کہ مخلوق کی عبادت کے بجائے خالق کی عبادت کی جائے۔‘‘

اس پر رستم نے کہا:

’’میں ارکانِ سلطنت سے مشورہ کر کے جواب دوں گا۔‘‘

اس دوران درباری بار بار اٹھ کر حضرت ربعی بن عامر ؓ کے پاس آنے لگے، ان کے ہتھیار دیکھنے لگے۔ ان میں سے ایک نے طنزیہ انداز میں کہا:

’’کیا ان ہتھیاروں سے ایران فتح کرنے کا ارادہ ہے۔‘‘

یہ سنتے ہی حضرت ربعی بن عامر ؓ نے تلوار میان سے نکالی۔ اس کی چمک ان کی آنکھوں کو خیرہ کر گئی...... بجلی سی کوند گئی تھی...... انہوں نے کہا:

’’اگر میری تلوار کی کاٹ دیکھنا چاہتے ہو تو ڈھال آگے کرو۔‘‘

ایک سپاہی نے ڈھال آگے کر دی۔ حضرت ربعی بن عامر ؓ نے اس پر تلوار ماری۔ ڈھال دو ٹکڑے ہو گئی۔

حضرت ربعی بن عامر ؓ سے بھی صلح کی بات چیت ناکام رہی۔ آخر میں حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ گئے۔ اس دن بھی ایرانیوں نے خوب ٹھاٹھ سے دربار سجایا۔ تمام افسر تاج پہن کر کرسیوں پر بیٹھے۔ حضرت مغیرہ ؓ گھوڑے سے اتر کر سیدھے رستم کی طرف گئے اور اس کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ ان کے نزدیک یہ گستاخی تھی۔ چوب داروں نے انہیں بازو سے پکڑ کر تخت سے اتار دیا۔ اب حضرت مغیرہ ؓ نے کہا:

’’میں خود نہیں آیا...... تم نے بلایا ہے، مہمان کے ساتھ یہ سلوک ٹھیک نہیں۔ تمہاری طرح ہم لوگوں میں یہ دستور نہیں کہ ایک شخص خدا بن بیٹھے اور تم لوگ اس کے آگے جھکیں۔‘‘

ان کے الفاظ سن کر انہیں شرم محسوس ہوئی...... وہ بول اٹھے:

’’ہم سے غلطی ہوئی۔‘‘

رستم نے بھی شرمندہ ہو کر کہا:

’’یہ ملازمین کی غلطی تھی...... میرے حکم سے ایسا نہیں ہوا۔‘‘

* * *

قادسیہ کا معرکہ

اب رستم نے بے تکلفی کے انداز میں حضرت مغیرہ ؓ کے ترکش سے تیر نکالے اور ان کو ہاتھوں میں لے کر کہا:

”ان تکلوں سے کیا ہوگا؟“

حضرت مغیرہ ؓ جواب میں بولے:

”آگ کی لو اگرچہ چھوٹی ہوتی ہے، لیکن پھر بھی آگ ہے۔“

رستم نے ان کی تلوار کے نیام دیکھ کر کہا:

”یہ کس قدر بوسیدہ ہے۔“

جواب میں انہوں نے کہا:

”ہاں! لیکن تلوار کی دھار ابھی تیز کی گئی ہے۔“

اب رستم نے کہا:

”میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں، اب بھی وقت ہے، واپس چلے جاؤ...... ہم تمہیں نہیں روکیں گے، بلکہ کچھ انعام و اکرام دے کر رخصت کریں گے۔“

حضرت مغیرہ ؓ نے تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا:

”ہماری تو بس تین باتیں ہیں، اسلام قبول کرو یا جزیہ دینا منظور کرو، ورنہ اس تلوار سے فیصلہ ہوگا۔“

یہ سن کر رستم غصے سے بھڑک اٹھا۔ اس نے چیخ کر کہا:

”سورج کی قسم! میں کل سارے عرب کو برباد کر دوں گا۔“

اس طرح یہ بات چیت بھی ناکام ہوگئی۔ رسم اب تک لڑائی کو برابر ٹالتا رہا تھا، لیکن اس بات چیت کے بعد وہ اس قدر طیش میں آیا کہ اس نے اسی وقت فوجوں کو تیاری کا حکم دے دیا۔

درمیان میں ایک نہر تھی۔ اس نے حکم دیا:

”صبح ہونے سے پہلے پہلے نہر کو پاٹ دیا جائے تاکہ راستہ صاف ہو جائے۔“

صبح تک نہر کو پاٹا جا چکا تھا اور لشکر کے گزرنے کے لیے سڑک بنا دی گئی تھی۔ دوپہر تک تمام فوج نہر کے دوسری طرف پہنچ چکی تھی۔ اب رستم نے دوہری زرہ پہنی، سر پر خود رکھا، ہتھیار لگائے، پھر اپنا خاص گھوڑا طلب کیا۔ اس پر سوار ہوا اور پُر جوش لہجے میں بولا:

"میں سارے عرب کو چکنا چور کر دوں گا۔"

کسی سپاہی کے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے:

"ہاں! اگر خدا نے چاہا۔"

یہ سن کر اس نے کہا:

"اگر خدا نے نہ چاہا تو میں تب بھی عرب کو برباد کر دوں گا۔"

اس نے فوج کو نہایت ترتیب سے آراستہ کیا۔ آگے پیچھے تیرہ صفیں بنائیں۔ فوج کے درمیان میں ہاتھیوں کو رکھا۔ خبر رسانی کے لیے جنگ کے میدان سے پایہ تخت تک تھوڑے تھوڑے فاصلے پر آدمی بٹھا دیے، تاکہ وہ پکار پکار کے جنگ کی خبریں ساتھ ساتھ آگے بڑھا کر بھیجتے رہیں۔ ایران کا پایہ تخت اس وقت مدائن تھا، اس کے ساتھ ہی قادسیہ کا شہر تھا۔ یہ عراق عرب کا مشہور شہر تھا۔ قادسیہ میں ایک شاہی محل بھی تھا۔ یہ شہر کے عین سرے پر واقع تھا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ان دنوں بیمار تھے۔ چلنے پھرنے سے معذور تھے، اس لیے خود فوج کے ساتھ شریک نہ ہو سکے۔ ایک پرانے مکان کی چھت پر میدان کی طرف منہ کر کے تکیہ لگا کر بیٹھ گئے تاکہ میدانِ جنگ کا جائزہ لیتے رہیں۔ آپ نے خالد بن عرفطہ کو اپنی جگہ سپہ سالار مقرر کر دیا تھا ...... تاہم فوج کو ہدایات خود دے رہے تھے۔ جس وقت کوئی حکم دینا ہوتا، اسے پرچیوں پہ لکھوا کر گولیوں کی شکل میں نیچے پھینکتے جاتے تھے۔ خالد بن عرفطہ بھی ان ہدایات کے مطابق میدان میں تبدیلیاں کر رہے تھے۔

دونوں فوجیں آراستہ ہو گئیں تو عرب کے مشہور شاعر اور خطیب صفوں سے نکل آئے۔ انہوں نے اپنے اشعار اور تقاریر سے جوش پیدا کر دیا... مسلمانوں کے دلوں میں آگ سی لگا دی۔ ان تقریروں کے چند جملے یہ تھے:

"تلواروں کو قلعہ بناؤ اور دشمنوں کے مقابلے میں شیر بن جاؤ...... گرد کی زرہ پہن لو اور نگاہیں نیچی کر لو۔ جب تلوار تھک جائیں تو تیروں کی باگ چھوڑ دو...... کیونکہ تیروں کو جہاں راستہ مل جاتا ہے، وہاں تلواروں کو نہیں ملتا۔"

قراء حضرات نے میدان میں نکل نکل کر جہاد کی آیات پڑھیں...... ان کی آواز میں اس قدر اثر تھا کہ مسلمان تڑپ اٹھے...... کافروں پر حملہ کرنے کے لیے بے تاب ہو گئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے قاعدے کے مطابق تین نعرے لگائے اور چوتھے نعرے سے جنگ شروع ہو گئی۔ سب سے پہلے ایک ایرانی پہلوان دیبا کا لباس پہنے، سنہری کمر بند لگائے، میدان میں نکلا۔ اس کے ہاتھوں میں کڑے تھے۔ اسے میدان میں نکلتے دیکھ کر مسلمانوں کے لشکر میں مشہور پہلوان حضرت عمرو بن معدی کرب مقابلے کے لیے نکلے۔ اس نے فوراً کمان میں تیر رکھا اور تاک کر ان کی طرف چھوڑ دیا۔ یہ بال بال بچے، فوراً ہی انہوں نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی، آن کی آن میں اس کے نزدیک پہنچ گئے اور اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے گھوڑے سے اٹھا لیا، ساتھ ہی زمین پر دے پٹخا...... پھر تلوار سے اس کی گردن اڑا دی۔ اس کے بعد ایرانیوں کی طرف رخ کر کے بولے:

"یوں لڑا کرتے ہیں۔"

ان کے لشکر سے آوازیں ابھریں:

"ہر شخص تو معدی کرب نہیں ہو سکتا۔"

اس کے بعد بھی دونوں طرف سے چند اور معرکہ آزما آگے آئے اور مقابلے ہوئے۔ آخر عام جنگ شروع ہوئی۔ ایرانیوں نے اپنے ہاتھیوں کو آگے بڑھایا۔ عربی گھوڑوں نے یہ کالے پہاڑ پہلے کب دیکھتے تھے، چنانچہ بدک گئے۔ پیدل فوج کے پاؤں بھی ہاتھیوں کے ریلے میں اکھڑ گئے...... ہاتھیوں کا یہ حملہ قبیلہ بجیلہ کے لوگوں پر ہوا تھا، ان کے پاؤں اکھڑتے دیکھ کر حضرت سعد ؓ نے قبیلہ اسد کو پیغام دیا کہ قبیلہ بجیلہ کی مدد کو پہنچو۔

قبیلہ اسد کے سردار طلیحہ تھے۔ پیغام ملتے ہی انہوں نے اپنے بہادروں سے کہا:

"عزیزو! سعد نے کچھ سمجھ کر ہی تم سے مدد مانگی ہے۔"

یہ سنتے ہی پورا قبیلہ جوش میں بھر گیا۔ انہوں نے ہاتھوں میں نیزے سنبھال لیے اور ہاتھیوں پر حملہ آور ہوئے۔ ان کے حملے سے ہاتھیوں کا کالا پہاڑ رک گیا...... ایرانیوں نے یہ دیکھ کر بجیلہ کو چھوڑ کر سارا زور قبیلہ اسد کی طرف لگا دیا۔

اب حضرت سعد ؓ نے قبیلہ تمیم کو پیغام بھیجا:

"ہاتھیوں کی طرف توجہ دو۔"

وہ ہاتھیوں کی طرف مڑے اور ان پر اس قدر تیر برسائے کہ ان کے سواروں کو نیچے گرا دیا، یہاں تک کہ نزدیک پہنچ کر ہاتھیوں کے ہودجوں کو الٹ دیا۔ شام تک جنگ پورے زوروں پر جاری رہی...... آخر جب سورج غروب ہو گیا اور اندھیرا چھانے لگا تو دونوں لشکر میدان سے ہٹ گئے۔

یہ قادسیہ کی جنگ کا پہلا دن تھا۔ حضرت سعد ؓ نے میدانِ جنگ سے لاشیں اٹھوا کر انہیں دفن کرایا۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کرائی؟ دوسرے دن پھر فوج کو صف بندی کا حکم دیا۔ ابھی صف بندی ہو رہی تھی اور لڑائی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ شام کی طرف سے غبار اٹھا...... اس غبار سے ایک لشکر آتا نظر آیا۔

معرکہ قادسیہ

حضرت ابو عبیدہ ؓ نے اسلامی لشکر کی مدد کے لیے امدادی فوجیں روانہ کی تھیں۔ یہی وہ لشکر تھا جو صبح سویرے مسلمانوں کو آتا نظر آیا تھا۔ حضرت ابو عبیدہ ؓ اس زمانے میں شام کی مہم پر تھے۔ حضرت عمر ؓ نے انہیں لکھا تھا کہ قادسیہ کی طرف امدادی فوجیں بھیجی جائیں۔ چنانچہ یہ فوج عین وقت پر پہنچی...... مسلمانوں نے اسے اللہ کی مدد سمجھا اور پورے لشکر نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔

"اللہ اکبر!"

نئے آنے والے لشکر نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا...... ان نعروں کی گونج سے ایرانیوں کے دل ہل گئے۔ یہ کل چھ ہزار مجاہد تھے۔ ان میں پانچ ہزار ربیعہ اور مضر کے لوگ تھے اور ایک ہزار خاص حجاز کے تھے۔ اس فوج کے سالار ہاشم بن عتبہ ؓ تھے۔ یہ رشتے میں حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کے بھائی تھے۔ اس فوج کے ہراول دستے کے سالار حضرت قعقاع ؓ تھے۔ یہ بہت بڑے سالار تھے۔ انہوں نے اسلامی لشکر کے قریب پہنچتے ہی صف سے نکل کر ایرانیوں کو للکارا:

"تم میں کوئی بہادر ہے تو میرے مقابلے پر آئے۔"

ایرانی فوج سے ان کے مقابلے کے لیے بہمن آگے آیا۔ پل کی لڑائی میں بہمن ہی کے

ہاتھی کے ذریعے ابو عبید ثقفی رحمہ اللہ شہید ہوئے تھے، اسے دیکھتے ہی قعقاع ؓ پکار اٹھے:

"ابو عبیدہ کا قاتل آج جانے نہ پائے۔"

دونوں میں تلوار چلنے لگی...... کچھ دیر تک داؤ پیچ چلتے رہے...... اچانک حضرت قعقاع ؓ کی تلوار اپنا کام کر گئی۔ بہمن مارا گیا اور اسلامی لشکر نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

دیر تک دونوں طرف سے بہادر میدان میں آتے رہے، مقابلے ہوتے رہے۔ سیستان کا شہزادہ بیراز، اعوان بن قطبہ رحمہ اللہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ بزرجمہر ہمدانی ایک بہت مشہور جنگجو تھا، یہ بھی حضرت قعقاع ؓ کے ہاتھوں جہنم رسید ہوا۔ غرض باقاعدہ جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی ایرانیوں کے بڑے بڑے کئی سردار مارے گئے۔ آخر دونوں فوجیں پوری طاقت سے ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئیں...... قعقاع ؓ نے شام سے آنے والی امدادی فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے بنا دیئے تھے۔ ان دستوں کو ہدایت کی تھی کہ تھوڑے وقفے سے ایک ایک دستہ "اللہ اکبر" کے نعرے لگاتا ہوا اسلامی فوج میں شامل ہوتا جائے۔ اس طرح ہوا یہ کہ وقفے وقفے سے اسلامی فوج میں ایک ایک دستہ شامل ہوتا رہا...... ایرانی فوج پریشان ہوتی رہی...... کیونکہ اس تدبیر سے وہ یہ سمجھنے پر مجبور تھے کہ مسلمانوں کو مسلسل مدد پہنچ رہی ہے۔ اگر ساری امدادی فوج ایک ہی بار اسلامی لشکر میں شامل کر دی جاتی تو یہ تاثر نہیں ابھر سکتا تھا۔ اس طرح حضرت قعقاع ؓ کی یہ تدبیر زبردست رہی...... اسے جنگی حکمتِ عملی کہا جاتا ہے۔

حضرت قعقاع ؓ نے ایک اور انوکھی تدبیر کی...... اسلامی لشکر میں ہاتھی نہیں تھے جب کہ ایرانیوں کے پاس ہاتھی تھے...... ان کی وجہ سے اسلامی لشکر کے گھوڑے بدک جاتے تھے۔ حضرت قعقاع ؓ نے یہ کیا کہ کئی کئی اونٹوں کو ملا کر ان پر چادریں ڈال دیں...... چادروں میں لپٹے یہ اونٹ جب آگے لائے گئے تو ہاتھی سے بھی زیادہ خوفناک جانور نظر آئے۔ ان مصنوعی ہاتھیوں کو دیکھ کر ایرانیوں کے گھوڑے بدکنے لگے۔ یہ تدبیر بھی خوب کارگر رہی۔

جنگ زور شور سے جاری تھی کہ عین اس وقت حضرت عمر ؓ کے قاصد وہاں پہنچے۔ وہ نہایت قیمتی تلواریں اور عربی گھوڑے لے کر آئے تھے۔ انہوں نے آتے ہی اعلان کیا:

"امیر المومنین نے یہ انعام ان لوگوں کے لیے بھیجا ہے جو اس کا حق ادا کر سکیں۔"

حضرت قعقاع ؓ نے حمال بن مالک، ربیل بن عمرو، طلیحہ بن خویلد، عاصم بن عمرو تمیمی کو یہ تلواریں دیں...... قبیلہ یربوع کے چار بہادروں کو گھوڑے دیے۔ ان حضرات نے جوش کی

حالت میں اشعار پڑھے اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔

اس جنگ میں ایک اور خاص واقعہ بھی ہوا۔ ابو محجن ثقفی ایک بہت مشہور بہادر اور شاعر تھے۔ ان سے شراب پینے کا جرم سرزد ہو گیا تھا۔ اس لیے حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے انہیں قید کر کے اس مکان میں ڈال دیا جس کے اوپر بیٹھے وہ خود جنگ کا نظارہ کر رہے تھے اور اسلامی لشکر کو ہدایات دے رہے تھے۔ ابو محجن ثقفی ایک سوراخ سے جنگ کا نظارہ کر رہے تھے۔ اب چونکہ خود بہت بہادر تھے اور قید میں تھے...... جنگ کرنے کے لیے بُری طرح بے قرار تھے۔ اس لیے برداشت نہ کر سکے اور درد بھرے اشعار پڑھنے لگے۔ ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے۔

''اس سے بڑھ کر کیا غم ہو گا کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں اور میں زنجیروں میں بندھا ہوا یہاں پڑا ہوں جب کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر اٹھنے نہیں دیتی اور دروازے اس طرح بند ہیں کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جائے۔''

ان کے یہ اشعار حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کی بیوی سلمٰی کے کانوں تک پہنچ گئے۔ ان اشعار میں ایک عجیب سا درد تھا۔ ان اشعار نے ان کے دل پر بہت اثر کیا۔

انہوں نے ابو محجن ثقفی کو اس شرط پر جنگ میں شرکت کے لیے آزاد کر دیا کہ جنگ کے فوراً بعد واپس آ کر بیڑیاں پہن لیں۔

انہوں نے یہ وعدہ کر لیا، بیڑیاں کھلتے ہی وہ اصطبل پہنچے، یہاں حضرت سعد ؓ کا گھوڑا موجود تھا۔ اس گھوڑے کا نام بلقاء تھا۔ انہوں نے اس پر زین کسی اور اس پر بیٹھ کر میدانِ جنگ کا رخ کیا۔ ہاتھ میں نیزہ تھا۔ گھوڑا بجلی کی سی تیزی سے دوڑتا ہوا ایرانی صفوں تک پہنچا اور انہوں نے اپنے نیزے سے ایرانیوں کا صفایا شروع کر دیا۔ وہ دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں جاتے نظر آئے...... اس قدر بہادری سے لڑے کہ مسلمان بھی حیران رہ گئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے بھی اوپر سے انہیں لڑتے دیکھا... مارے حیرت کے ان کا بُرا حال ہو گیا...... دل میں کہنے لگے:

''لڑنے کا یہ انداز تو ابو محجن کا ہے...... اور وہ قید میں ہے...... تو پھر یہ کون ہے؟''

جنگ سے فارغ ہونے پر ابو محجن نے اپنا وعدہ پورا کیا...... واپس آئے اور بیڑیاں پہن لیں...... سلمٰی نے حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کو ساری بات بتا دی...... انہوں نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! مسلمانوں پر جو شخص یوں نثار ہو، میں اسے سزا نہیں دے سکتا۔''

یہ کہا اور انہیں آزاد کر دیا۔ اس پر ابو محجن بولے:

''اور اللہ کی قسم! میں بھی آج کے بعد شراب نہیں پیوں گا۔''

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا عرب کے مشہور شاعرہ تھیں۔ وہ بھی اس جنگ میں شریک تھیں۔ ان کے چار بیٹے تھے۔ چاروں اسلامی لشکر میں شامل تھے اور کافروں سے لڑ رہے تھے۔ لڑائی شروع ہونے پر انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا:

''پیارے بیٹو! جاؤ.... دشمنوں سے لڑو..... اور آخر تک لڑو۔''

چاروں ایک ساتھ آگے بڑھے اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ جب لڑتے لڑتے اس قدر دور نکل گئے کہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے، اس وقت حضرت خنساء رضی اللہ عنہا نے کہا:

''اے اللہ! میرے بیٹوں کی حفاظت فرما۔''

اس روز کی جنگ میں دو ہزار مسلمان شہید ہوئے۔

ان کے مقابلے پر ایرانی دس ہزار کے قریب مارے گئے یا زخمی ہوئے...... فتح اور شکست کا فیصلہ نہ ہو سکا۔ سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی دونوں لشکر واپس پلٹ گئے۔

تیسرے دن کی جنگ شروع ہونے سے پہلے حضرت قعقاع ؓ نے ایک اور تدبیر کی۔

لشکر کا استقبال

انہوں نے رات کے وقت چند دستوں کو حکم دیا کہ لشکر کے پڑاؤ سے دور شام کی طرف چلے جائیں۔ جب پو پھٹے تو سو سو سوار میدان جنگ کی طرف گھوڑے دوڑاتے ہوئے آئیں اور سو سو سوار اسی طرح تمام دن آتے رہیں، اس ترکیب پر عمل کیا گیا۔ صبح ہوئی ہی تھی کہ سواروں کا پہلا دستہ ''اللہ اکبر'' کے نعرے لگاتا ہوا آ پہنچا، تمام فوج نے پر جوش انداز میں ''اللہ اکبر'' کا نعرہ لگایا...... شور مچ گیا کہ مدد آ گئی... نئی فوج آ گئی...... پھر ادھر جنگ شروع ہوئی، اُدھر دوسرا دستہ آ پہنچا...... یہ بھی نعرے لگاتا ہوا لشکر میں شامل ہو گیا۔ پورے لشکر نے بھی اس کا استقبال پر جوش نعروں سے کیا......

اس سے بھی بڑھ کر یہ کام ہوا کہ حضرت ابوعبیدہ ؓ نے شام سے سات سو سوار بھیجے تھے

وہ بھی پہنچ گئے...... ان کے پہنچنے پر تو خوب ہی نعرے گونجے، کیونکہ یہ ایک ہی وقت میں پہنچے تھے۔ شام سے آنے والے سات سو سواروں کے دستے کے سالار ''ہشام'' تھے۔ انہوں نے آتے ہی فوج سے خطاب کیا:

''تمہارے بھائیوں نے شام فتح کرلیا ہے۔ ایران کی فتح کا جو وعدہ تم سے اللہ تعالیٰ کا ہے، وہ بھی پورا ہوگا۔''

پھر جنگ کا آغاز ہوا۔ ایرانی فوج سے ایک جنگجو شیر کی طرح ڈکارتا میدان میں آیا۔ اس کا ڈیل ڈول دیکھ کر لوگ اس سے کترائے، آخر اس کے مقابلے میں ایک دبلا پتلا اور کمزور سا مسلمان نکلا...... مشرک اسے دیکھ کر ہنسے، اس نے عجیب پھرتی سے حملہ کیا اور اپنے سے کئی گناہ زیادہ ڈیل ڈول والے کو جہنم رسید کرنے میں کامیاب رہا۔ اس پر کافروں کی ہنسی رک گئی۔

اس مرتبہ ایرانیوں نے ہاتھیوں کے دستے کو درمیان میں رکھا تھا اور ان کے دائیں بائیں پیدل فوج مقرر کی تھی...... یہ دیکھ کر حضرت عمرو بن معدی کرب نے کہا:

''ساتھیوں میں اپنے سامنے ہاتھی پر حملہ کرتا ہوں، تم ساتھ رہنا۔''

یہ کہہ کر انہوں نے تلوار کھینچ لی اور ہاتھی پر ٹوٹ پڑے۔ ادھر جو دائیں بائیں پیدل ایرانی فوجیں تھیں انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کردیا...... ان کے حملے سے گرد و غبار کا اس قدر طوفان اٹھا کہ عمرو بن معدی کرب اس میں چھپ کر رہ گئے۔ یہ دیکھ کر ان کے دستے نے کافروں پر حملہ کردیا۔ اور دشمنوں کو مارتے کاٹتے وہاں تک پہنچ گئے جہاں عمرو بن معدی کرب لڑ رہے تھے۔ ان کا حال یہ تھا کہ سارا جسم خاک میں اٹا تھا، بدن پر جا بجا زخم تھے۔ تلوار ہاتھ میں تھی اور پیدل جوش میں بھرے تلوار چلا رہے تھے۔ اس حالت میں ایک ایرانی سوار ان کے نزدیک سے نکلنے لگا۔ انہوں نے فوراً اس کے گھوڑے کی دم پکڑ لی...... اب ایرانی نے بار بار گھوڑے کو ایڑ لگائی، لیکن حضرت عمرو بن معدی کرب کی طاقت اتنی زیادہ تھی کہ گھوڑا اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا۔ آخر سوار اتر کر بھاگ نکلا اور یہ اچھل کر اس کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جنگ کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ ہاتھی جس طرف کا رخ کرتے ہیں، اس طرف ہل چل مچ جاتی تھی۔ انہوں نے دو ایرانی مسلمانوں کو بلا کر پوچھا:

''ان ہاتھیوں کا کیا علاج ہے؟''

انہوں نے کہا:

"ان کی سونڈیں اور آنکھیں بیکار کر دی جائیں۔"

ہاتھیوں کی فوج میں دو ہاتھی بہت بڑے اور خوفناک تھے۔ باقی ہاتھی ان کے پیچھے چلتے تھے..... مسلمانوں کے گھوڑے سب سے زیادہ ان دو ہاتھیوں سے ڈر رہے تھے..... ان سب حالات کا جائزہ لینے اور ایرانی مسلمانوں کا مشورہ سننے کے بعد حضرت سعد ؓ نے حضرت قعقاع ؓ اور ان کے خاص ساتھیوں کو بلا کر کہا:

"ہاتھیوں کی مہم اب تمہارے ہاتھ میں ہے..... ان کی آنکھیں پھوڑ دو اور سونڈیں کاٹ دو، یہ بیکار ہو جائیں گے۔"

حضرت قعقاع ؓ نے کچھ سوار اور پیدل مجاہد ہاتھیوں کی طرف روانہ کیے اور انہیں حکم دیا:

"ہاتھیوں کو نرغے میں لے لو۔"

اس کے بعد خود آگے بڑھے۔ ہاتھ میں نیزہ تھا، ان دو بڑے ہاتھیوں میں سے ایک کی طرف بڑھے، عاصم رحمہ اللہ ان کے ساتھ ساتھ تھے۔ دونوں نے ایک ساتھ تاک کر نیزے مارے۔ دونوں نیزے ہاتھی کی دونوں آنکھوں میں لگے۔

ہاتھی نے ایک زبردست جھرجھری لی اور پیچھے ہٹا۔ ساتھ ہی حضرت قعقاع ؓ نے تلوار اس زور سے اس کی سونڈ پر ماری کہ سونڈ کٹ کر گر گئی۔ دوسری طرف ان کے ساتھیوں راحیل اور جمال نے دوسرے بڑے ہاتھی پر حملہ کیا، وہ بھی زخمی ہوا اور الٹا بھاگا۔ اب تمام ہاتھی بھی ان دونوں کے پیچھے بھاگے..... اس طرح اسلامی فوج کو اس سیاہ مصیبت سے نجات ملی۔

ہاتھیوں سے نجات پانے پر مسلمانوں نے سکھ کا سانس لیا اور جم کر لڑنے لگے..... اب انہیں گھوڑے بدکنے کی پریشانی نہیں رہی تھی۔ اس زور کی جنگ ہوئی کہ نعروں کی گونج سے زمین دہلنے لگی۔

ایرانیوں نے بھی اپنی فوج میں کمزوری کے آثار بھانپ لیے تھے..... انہوں نے فوج کو نئے سرے سے ترتیب دینے کا کام شروع کر دیا۔ اس طرح مسلمانوں کو بھی نئے سرے سے ترتیب دینے کا موقع مل گیا۔ انہوں نے ساری فوج کو ایک جگہ جمع کر لیا۔ آگے پیچھے تین صفیں قائم کیں۔ سب سے آگے سواروں کا دستہ رکھا۔ اس کے بعد پیدل فوج اور آخر میں تیر

اندازوں کو رکھا۔

حضرت سعد ؓ نے حکم دیا کہ تیسری تکبیر پر حملہ کیا جائے۔ اب ہوا یہ کہ مسلمان تو تیسری تکبیر کے انتظار میں ٹھہرے رہے...... ادھر ایرانیوں نے حملہ کر دیا۔ حضرت قعقاع ؓ سے ضبط نہ ہو سکا...... اپنی فوج آگے بڑھا کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔

یہ فوجی اصول کی خلاف ورزی تھی...... لیکن صورت حال ایسی ہوگئی تھی کہ حضرت قعقاع ؓ سے حکم کی یہ خلاف ورزی ہوگئی۔ حضرت سعد ؓ بے اختیار بول اٹھے:

''اے اللہ قعقاع کو معاف فرما اور اس کی مدد فرما۔''

قعقاع کو میدان میں کودتے دیکھ کر بنو اسد بھی نہ رہ سکے...... انہوں نے بھی جنگ شروع کر دی۔ بنو اسد کی دیکھا دیکھی، بعض اور قبیلے بھی جنگ شروع کر بیٹھے۔ حضرت سعد ؓ ہر بار یہ کہتے رہے:

''یا اللہ! اس قبیلے کو بھی معاف کرنا۔''

اب ان لوگوں نے سب سے پہلے حملہ کیا اور دشمن کی صف تک پہنچ گئے۔ ادھر ایرانی فوج لوہے کی دیوار بنی کھڑی تھی۔ ایرانی اس قدر ثابت قدمی سے لڑے کہ مسلمانوں کے یہ قبیلے انہیں پیچھے نہ ہٹا سکے۔

ایرانیوں کا ایک سالار سر سے پیر تک لوہے میں غرق تھا۔ قبیلہ حمیضہ کے لوگوں نے اس پر حملہ کیا۔ ان کی تلوار اس کی زرہ پر پڑ پڑ کر اچٹ گئیں۔ قبیلے کے سردار نے پکار کر اپنے مجاہدوں کو للکارا:

''کیا کرتے ہو؟''

وہ بولے: ''تلوار زرہوں پر کام نہیں کر رہیں۔''

اس پر سردار نے خود آگے بڑھ کر نیزے کا وار کیا، نیزہ اس سالار کی کمر توڑ کر دوسری طرف نکل گیا۔

یہ دیکھ کر مسلمانوں نے نیزے سنبھال لیے اور زرہوں پر نیزے کے وار شروع کیے...... اب انہیں کامیابی ہونے لگی...... ایرانی نیزوں کے زخم کھا کھا کر گرنے لگے...... اس طرح ایرانیوں کا پورا ایک دستہ صاف ہو گیا۔

دونوں لشکروں پر جوش کا ایک ایسا عالم طاری ہو چکا تھا کہ سورج غروب ہونے پر بھی

لڑائی بند نہ ہو سکی۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی، لڑائی پھر بھی نہ رکی..... لڑنے والے تھک کر چور ہو چکے تھے..... نیند بھی ان پر سوار ہوتی جا رہی تھی، لیکن اس کے باوجود جنگ نہ رک سکی..... آخر حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے چند نامور بہادروں کو ساتھ لیا اور رستم کی طرف رخ کیا..... یہ دیکھ کر کچھ اور سرداروں نے بھی اپنے اپنے قبیلے کو جوش دلایا..... اس طرح مسلمانوں کی صفوں میں جوش ہی جوش طاری ہو گیا..... وہ بھی رستم کے دستے کی طرف بڑھے۔ سوار گھوڑوں سے کود پڑے..... تیر کمان پھینک کر سب نے تلواریں سونت لیں۔ اس طرح پوری فوج نے گویا دباؤ ڈال دیا..... یہاں تک کہ رستم کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

رستم اس وقت اپنے تخت پر بیٹھا تھا..... اس نے ان سب لوگوں کو اپنی طرف کا رخ کرتے دیکھا تو تخت پر بیٹھا نہ رہ سکا..... نیچے کود پڑا۔

قادسیہ کے فاتح

اس نے اپنی تلوار سونت لی اور مردانہ وار جنگ کرنے لگا، بہت دیر تک لڑتا رہا..... یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو گیا..... اور بھاگ نکلا۔ بلال نامی ایک مجاہد نے اس کا تعاقب کیا۔ ایسے میں ایک نہر سامنے آگئی۔ رستم کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے ادھر بلال بھی گھوڑے سے کود پڑے..... اسے ٹانگوں سے پکڑ کر نہر سے نکال لائے۔ پھر تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا۔

انہوں نے لاش خچر کے پیروں کے پاس ڈال دی اور خود تخت پر چڑھ کر پکارے:

"میں نے رستم کو قتل کر دیا ہے۔"

ایرانیوں نے تخت کی طرف دیکھا تو اس پر رستم نظر نہ آیا بس پھر کیا تھا، پوری فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ مسلمانوں نے دور تک ان کا تعاقب کیا اور لاشیں میدان میں بچھا دیں [illegible] تھا ایرانیوں نے آخر وقت تک جنگ کی اور میدان سے بھاگے نہیں قتل ہونے والے ایرانیوں کی تو تعداد کا کوئی اندازہ نہیں تھا مسلمان بھی تقریباً چھ ہزار شہید ہوئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فتح کی خبر ارسال کی ساتھ میں مارے جانے والے کافروں اور شہید ہونے والے مسلمانوں کی تعداد بھی لکھ کر قاصد کو روانہ

کیا۔

حضرت عمرؓ کا حال ان دنوں یہ تھا کہ قادسیہ کی جنگ کے بارے میں خبر سننے کے لیے بُری طرح بے چین تھے۔ بے چینی کے عالم میں روزانہ صبح سویرے شہر سے باہر نکل آتے اور قاصد کی راہ دیکھتے رہتے...... جب قاصد کے آنے کی امید نہ رہ جاتی، تب واپس لوٹتے۔ اسی طرح ایک دن شہر سے باہر نکل کر قاصد کے انتظار میں دور تک نظر جمائے کھڑے تھے کہ ایک سوار آتا نظر آیا۔ وہ اونٹ پر سوار تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے نزدیک آنے کا انتظار نہ کیا...... خود اس کی طرف دوڑ پڑے...... اور نزدیک پہنچتے ہی بول اٹھے:

"کدھر سے آرہے ہو؟"

وہ حضرت سعدؓ کا قاصد تھا...... سیدھا میدانِ جنگ سے چلا آرہا تھا اور حضرت سعدؓ کا پیغام لے کر آیا تھا...... لیکن حضرت عمرؓ کو پہچانتا نہیں تھا...... چنانچہ لاپروائی کے عالم میں بولا:

"قادسیہ سے آرہا ہوں۔"

حضرت عمرؓ نے بے تابانہ پوچھا:

"جنگ کی کیا خبر ہے؟"

اس نے بتایا: "اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔"

یہ کہتے ہوئے وہ آپ کے پاس سے گزر کر آگے بڑھ گیا...... اب حضرت عمرؓ اس کے ساتھ ساتھ دوڑنے لگے...... ساتھ ساتھ جنگ کے حالات پوچھتے جاتے تھے اور دوڑتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں قاصد مدینہ منورہ میں داخل ہوگیا...... اب جو لوگ سامنے آرہے تھے انہوں نے حضرت عمرؓ کو دیکھ کر فوراً کہا:

"امیر المومنین! السلام علیکم۔"

"امیر المومنین! السلام علیکم۔"

اب قاصد کو معلوم ہوا کہ یہ جو شخص اتنی دور سے اس کے اونٹ کے ساتھ ساتھ بھاگا چلا آرہا ہے...... وہ تو مسلمانوں کے حکمران ہیں یعنی دوسرے خلیفہ حضرت عمر بن خطابؓ ہیں، جن سے قیصر و کسریٰ تھر تھر کانپ رہے ہیں...... یہ معلوم ہوتے ہی وہ لرز گیا گھبرا گیا فوراً اپنے اونٹ کی باگیں کھینچ لیں اور اونٹ سے نیچے اتر آیا پریشانی کے عالم میں بولا:

"امیر المومنین! مجھے معاف کر دیجئے...... میں آپ کو پہچانتا نہیں تھا..... آپ نے مجھے اپنا نام کیوں نہ بتایا...... مجھ سے یہ گستاخی تو سرزد نہ ہوتی۔"

یہ سن کر حضرت عمر ؓ بولے:

"کوئی حرج نہیں...... تم فکر نہ کرو...... بس جنگ کے حالات سناتے رہو اور اونٹ پر سوار ہو جاؤ...... میں اسی طرح تمہارے اونٹ کے ساتھ ساتھ چلوں گا۔"

چنانچہ اسے پھر اونٹ پر سوار ہونے پر مجبور کر دیا..... آپ اس کے ساتھ ساتھ چلتے رہے...... جنگ کے بارے میں پوچھتے رہے...... یہاں تک کہ گھر آ گیا...... اب آپ نے سب لوگوں کو جمع کر کے فتح کی خوشخبری سنائی۔ ایک بہت زبردست تقریر مسلمانوں کے سامنے کی...... آخر میں فرمایا:

"مسلمانو! میں بادشاہ نہیں کہ تمہیں غلام بنانا چاہتا ہوں...... نہیں! میں تو خود اللہ تعالیٰ کا غلام ہوں۔ البتہ خلافت کا بوجھ میرے سر پر رکھ دیا گیا ہے۔ اگر میں اسی طرح تمہارے کام کروں کہ تم چین سے گھروں میں سوؤ تو یہ میرے لیے سعادت کی بات ہے...... اور اگر میں یہ خواہش کروں کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو تو یہ میرے لیے بدبختی کی بات ہوگی...... میں تمہیں تعلیم دینا چاہتا ہوں، لیکن باتوں سے نہیں، عمل سے۔"

قادسیہ کی جنگ میں بے شمار کافر ایسے تھے جو لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ فوج انہیں ان کی مرضی کے خلاف لے آئے تھے...... اس طرح بہت سے لوگ اپنی فوج کے ڈر سے گھر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ فتح کے بعد یہ لوگ حضرت سعد ؓ کے پاس آئے۔ انہوں نے امن کی درخواست کی۔ حضرت سعد ؓ نے ان کے بارے میں حضرت عمر ؓ کو لکھا۔ حضرت عمر ؓ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بلا کر رائے لی، چنانچہ سب کے مشورے سے انہیں امن دے دیا گیا...... لوگ اپنے گھروں میں آباد ہوتے چلے گئے...... اس طرح یہ لوگ مسلمانوں کے گرویدہ ہو گئے۔ ان سے تعلقات بڑھانے لگے۔

ادھر ایرانی قادسیہ سے بھاگے تو بابل پہنچ کر دم لیا۔ یہ ایک محفوظ اور بڑا مقام تھا۔ یہاں آ کر انہوں نے ایک بار پھر جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ "فیروزان" کو لشکر کا سپہ سالار مقرر کر لیا۔

حضرت سعد ؓ ۱۵ ہجری میں بابل کی طرف بڑھے۔ بابل میں ایرانیوں کے بڑے

بڑے سردار جمع تھے۔ اس کے باوجود یہ لوگ اسلامی لشکر کے پہلے ہی حملے میں بھاگ نکلے۔ حضرت سعد ؓ خود بابل میں ٹھہرے، البتہ کچھ فوج آگے روانہ کر دی۔ اس فوج کا سالار انہوں نے زہرہ کو مقرر فرمایا:

ایرانی فوجیں بابل سے فرار ہو کر کوثی کے مقام پر پہنچ گئی تھیں۔ یہاں ایرانیوں کا سالار شہریار تھا۔ زہرہ کوثی کے مقام پر پہنچے۔ شہریار بھی میدان میں نکل آیا۔ اس نے للکار کر کہا:

''اسلامی لشکر میں جو سب سے زیادہ بہادر ہے، وہ میرے مقابلے پر آئے۔''

اس کی للکار سن کر زہرہ بولے:

''میں نے خود تیرے مقابلے پر آنے کا ارادہ کر لیا تھا، لیکن اس للکار کی وجہ سے تیرے مقابلے پر ایک عام مجاہد کو بھیج رہا ہوں۔''

انہوں نے نائل کو اشارہ کیا۔ یہ قبیلہ تمیم کے تھے۔ انہوں نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا۔ ان کے مقابلے پر شہریار دیو جیسا تھا...... یعنی وہ اپنے بڑے ڈیل ڈول والا تھا جب کہ نائل دبلے پتلے اور کمزور سے نظر آ رہے تھے۔ اپنے مقابلے میں اس قدر کمزور سے آدمی کو دیکھ کر شہریار غرور سے تن گیا۔ اس نے اچانک ان کی گردن میں ہاتھ ڈال کر انہیں زمین پر گرا لیا اور ان کے سینے پر چڑھ بیٹھا...... لیکن اس وقت نائل کوئی داؤ کھیل گئے...... اسے زبردست چوٹ پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔ شہریار تلملا کر ان کے سینے سے اتر آیا...... یہ فوراً اس کے سینہ پر جا چڑھے اور اپنی تلوار سے اس کا پیٹ چاک کر دیا۔

اس کے جسم پر بہت قیمتی زرہ تھی...... نائل نے وہ اتاری اور لا کر زہرہ کے قدموں میں ڈھیر کر دی۔ زہرہ نے وہ زرہ انہی کو دے دی اور حکم دیا کہ نائل وہ زرہ پہن کر سب کے سامنے چلیں۔ وہ یہ زرہ پہن کر چلے تو مسلمان بہت خوش ہوئے۔

کوثی ایک تاریخی مقام تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے اسی جگہ قید کیا تھا۔ قید خانے کی وہ جگہ اس وقت تک محفوظ تھی۔ کوثی سے آگے ایک مقام بہرہ شیر تھا۔ وہاں ایرانیوں کا ایک شاہی دستہ مقرر تھا۔ وہ دستہ ہر روز قسم کھا کر یہ کہا کرتا تھا:

''جب تک ہم ہیں 'سلطنت فارس' پر کبھی زوال نہیں آ سکتا۔''

اس مقام پر ایک شیر پلا ہوا تھا۔

مدائن کی فتح

وہ شیر کسریٰ سے بہت زیادہ مانوس تھا، اس سے پلا ہوا تھا۔ حضرت سعد ؓ کا لشکر قریب پہنچا تو وہ تڑپ کر باہر نکلا، ہاشم ہراول دستے کے افسر تھے۔ انہوں نے اس صفائی سے تلوار ماری کہ شیر وہیں ڈھیر ہو گیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے اس بہادری پر ان کی پیشانی چوم لی۔

اب حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ دو ماہ تک جاری رہا۔ ایرانی کبھی کبھی قلعے سے نکل کر جنگ چھیڑ دیتے۔ آخر ایک دن پوری طرح تیار ہو کر نکلے اور مسلمانوں پر تیر برسانے لگے۔ مسلمانوں نے بھی تیروں سے جواب دیا۔ ایرانیوں کے تیروں سے ایک مجاہد کی زرہ کی کڑیاں کئی جگہ سے ٹوٹ گئی تھیں۔

کسی نے ان سے کہا: ”زرہ بدل لیں۔“

کہنے لگے: ”میں ایسا خوش قسمت کہاں کہ دشمن کے تیر سب کو چھوڑ کر میری ہی طرف آجائیں۔“

اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ پہلا تیر ان ہی کو لگا۔ ساتھیوں نے نکالنا چاہا تو بولے:

”رہنے دو جب تک یہ بدن میں ہے، اس وقت تک میں بھی زندہ ہوں۔“

اسی حالت میں حملہ کرتے ہوئے آگے بڑھے اور ”شہر براز“ کو تلوار ماری جو کہ ایرانیوں کا ایک نامی گرامی افسر تھا...... وہ ان کے ہاتھوں مارا گیا، اس کے ساتھ ہی ایرانی بھاگ نکلے۔

شہر والوں نے صلح کا جھنڈا لہرا دیا۔

اس مقام پر مدائن کے درمیان دریائے دجلہ حائل تھا۔ سعد آگے بڑھے تو ان کے سامنے دجلہ تھا۔ اس پر جہاں جہاں پل بنے تھے۔ ایرانیوں نے مسلمانوں کی آمد کی خبر پا کر وہ سب توڑ دیئے۔ سعد ؓ جب دریا کے کنارے پہنچے تو وہاں نہ کوئی پل تھا نہ کشتی۔ آپ نے فوج سے مخاطب ہو کر کہا:

”برادرانِ اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن میں پناہ لی ہے۔ تم یہ مہم بھی سر کر لو، پھر میدان صاف ہے۔“

یہ کہہ کر آپ نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ انہیں دیکھ کر فوج نے بھی ہمت کی اور سب دریا میں اتر گئے۔ دریا میں بہت طغیانی تھی اور وہ موجیں مار رہا تھا...... موجیں گھوڑوں سے آ آ کر ٹکراتی رہیں اور یہ رکاب سے رکاب ملا کر آپس میں باتیں کرتے آگے بڑھتے رہے...... یہاں تک کہ فوج کی ترتیب تک میں فرق نہ آیا...... دوسری طرف ایرانی حیرت زدہ انداز میں یہ منظر دیکھ رہے تھے...... فوج جب کنارے کے قریب پہنچ گئی تو انہیں خیال آیا...... یہ انسان نہیں ہیں۔ چنانچہ چلا اٹھے:

"دیو آگئے...... دیو آگئے۔"

یہ کہتے ہوئے خوف زدہ ہو کر بھاگے۔ ان کے سپہ سالار "خرزاد" نے تھوڑی سی فوج کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اور دریا کے کنارے جما رہا، اس کی فوج نے مسلمانوں پر تیروں کی بارش شروع کر دی، مسلمانوں نے ان تیروں کی کوئی پروانہ کی اور برابر آگے بڑھتے رہے، یہاں تک کہ تیر اندازوں کو ملیا میٹ کر دیا۔ یزدگرد نے جب یہ خبریں سنیں تو شہر چھوڑ کر نکل بھاگا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا۔

فوج نے وہاں جمعے کی نماز ادا کی۔ اس طرح یہ وہاں پہلا جمعہ تھا جو عراق میں ادا کیا گیا۔ اسلامی لشکر کو وہاں سے بہت مال غنیمت ہاتھ لگا۔ نوشیرواں سے لے کر موجودہ دور تک کی تمام قیمتی چیزیں لا کر حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کے ساتھ ڈھیر کر دی گئیں...... ان میں ہزار ہا زرہیں، تلواریں، خنجر، سونے کے تاج اور شاہی لباس تھے۔ سونے کا ایک گھوڑا بھی تھا، اس پر چاندی کی زین کسا ہوا تھا، سینے پر یاقوت اور زمرد جڑے ہوئے تھے۔ چاندی کی ایک اونٹنی تھی، اس پر سونے کی پالان تھی، اس کی مہار میں یاقوت پروئے ہوئے تھے...... سوار بھی سر سے لے کر پاؤں تک جواہرات سے اٹا پڑا تھا۔ ان سب سے بھی زیادہ عجیب ایک قالین تھا۔ ایرانی اس قالین کو "بہار" کے نام سے پکارتے تھے۔ اس قالین پر درخت تھے...... سبزہ زار میں تھا، پھول تھے، غرض پورا باغ تھا اور یہ سب کا سب جواہرات سے تیار کیا گیا تھا یعنی سونے، چاندی اور موتیوں سے تیار کیا گیا تھا۔

یہ سب کا سب سامان مجاہدین کو ملا تھا، لیکن کیا مجال کہ کسی نے اس میں سے کوئی چیز خود اٹھائی ہو۔ جو چیز جس حالت میں پائی، لا کر سپہ سالار کے آگے رکھ دی۔ جب یہ سارا سامان لا کر سجایا گیا تو دور دور تک میدان جگ مگا اٹھا۔ حضرت سعد ؓ بھی حیرت زدہ رہ گئے،

بار بار کہتے تھے۔

”جن لوگوں نے ان نوادرات کو ہاتھ نہیں لگایا، وہ بلاشبہ دیانت دار ہیں۔“

مال غنیمت قاعدہ کے مطابق تقسیم کیا گیا اور پانچواں حصہ دربار خلافت کو بھیج دیا گیا۔ فرش اور قدیم یادگاریں جوں کی توں بھیج دی گئیں۔ حضرت عمر ؓ کے سامنے جب یہ سارا سامان چنا گیا تو آپ کو بھی فوج کی دیانت پر حیرت ہوئی۔

مدینہ میں ایک شخص محلم نامی رہتا تھا۔ وہ بہت لمبے قد کا تھا۔ حضرت عمر ؓ نے حکم دیا:

”نوشیرواں کے لباس لا کر محلم کو پہنائے جائیں۔“

یہ لباس سات مختلف حالتوں کے تھے۔ سواری کا الگ، دربار کا الگ، جشن کا الگ، مبارک بادی کا الگ۔

چنانچہ باری باری یہ سب اسے پہنائے گئے۔ جب اسے خاص لباس پہنا کر تاج سر پر رکھا گیا تو دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ لوگ دیر تک اسے حیرت زدہ انداز میں دیکھتے رہے۔ قالین کے بارے میں لوگوں کی رائے تھی کہ اسے جوں کا توں رہنے دیا جائے ...... لیکن پھر کاٹ کر تقسیم کر دینے کا فیصلہ ہوا۔

مدائن کے بعد صرف ”جلولا“ باقی رہ گیا تھا۔ مدائن سے بھاگ کر ایرانی یہاں آ جمع ہوئے تھے اور جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ خرزاد...... رستم کا بھائی تھا، وہ بھی بھاگ کر یہیں آ گیا تھا۔ یہ اب بھی فوج کا سپہ سالار تھا۔ اس نے بہت عقل مندی سے کام لیا۔ شہر کے گرد خندق تیار کرائی، راستوں اور گزرگاہوں پر گوکھرو بچھوا دیے۔ گوکھرو لوہے کی ایک چھوٹی سی گیند ہوتی ہے، اس کے چاروں طرف نوکیں اُبھری ہوتی ہیں تا کہ دشمن آگے نہ بڑھ سکے۔ جدید دور میں اس مقصد کے لیے بارودی سرنگیں بچھا دی جاتی ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کو یہ اطلاعات ملیں تو آپ نے حضرت عمر ؓ کو خط لکھا۔ وہاں سے حکم آیا:

”ہاشم بن عتبہ بارہ ہزار فوج لے کر اس مہم پر جائیں۔ لشکر کے قلب پر قعقاع ؓ کو مقرر کیا جائے۔ دائیں بازو پر اشعر بن مالک کو اور بائیں بازو پر عمر بن مالک، پچھلے حصے پر عمرو بن مرہ مقرر رہیں۔“

اس طرح ہاشم بن عتبہ اپنے لشکر کو لے کر ”جلولا“ کی طرف بڑھے۔ چار دن بعد وہاں

پہنچے اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ کئی ماہ تک جاری رہا۔ ایرانی کبھی کبھار قلعے سے نکل کر حملہ کرتے اور پھر اندر جا کر دروازہ بند کر لیتے ...... اس طرح ۸۰ مرتبہ مقابلے ہوئے، ہر مرتبہ ایرانی شکست کھا کر قلعے میں چلے گئے۔

* * *

فتوحات پر فتوحات

اس قدر مقابلوں کے باوجود ایرانی ڈٹے رہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ "جلولا" شہر میں ہر طرح کی چیزوں کا بہت بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ تعداد میں بھی وہ لاکھوں تھے، اس لیے پریشان نہیں تھے...... آخر کار ایک دن ایرانی خوب تیاریوں کے ساتھ نکلے۔ مسلمانوں نے بھی خوب جم کر ان کا مقابلہ کیا...... پھر اللہ تعالیٰ نے خاص مہربانی فرمائی کہ ایک زبردست آندھی آئی۔ اس سے گھپ اندھیرا ہو گیا۔ ایرانی بوکھلاہٹ کے عالم میں پیچھے ہٹنے لگے...... انہوں نے شہر کے گرد خندق کھود رکھی تھی...... ہزارہا ایرانی اندھیرے کی وجہ سے خندق میں گر گئے، ایک دوسرے کے نیچے دب گئے...... خندق کی وجہ سے یہ نقصان دیکھ کر انہوں نے کئی جگہ سے اس کو پاٹ دیا...... مسلمانوں کو بھی یہ اطلاع مل گئی۔ انہوں نے سوچا، موقع اچھا ہے...... جن جگہوں سے خندق کو پاٹا گیا ہے...... وہاں سے خندق کو عبور کیا جا سکتا تھا...... اس خیال کے تحت اسلامی لشکر آگے بڑھا۔ ادھر ایرانیوں نے چال چلی...... خندق کے ان راستوں میں گوکھرو بچھا دیے...... اپنی فوج کو قلعے کے دروازے کے سامنے صف بستہ کر دیا۔

اب دونوں فوجوں میں گھمسان کی جنگ شروع ہوئی...... سب سے پہلے تیروں کی بارش کی گئی، تیر ختم ہو گئے تو سپاہیوں نے نیزے سنبھال لیے۔ نیزوں سے اس قدر جنگ ہوئی کہ وہ بھی ٹوٹ گئے...... آخر تلواروں سے معرکہ شروع ہوا۔

حضرت قعقاع ؓ نہایت بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ وہ آگے ہی آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ قلعے کے پھاٹک کے پاس پہنچ گئے۔ ایسے میں فوج کے سپہ سالار ہاشم پیچھے رہ گئے۔ فوج کا بڑا حصہ ان ہی کے ساتھ تھا۔ اس مقام پر حضرت قعقاع ؓ کے ساتھ جو مجاہد تھے وہ ٹوٹ کر لڑے...... ایرانیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ وہ بدحواس ہو کر بھاگے۔ اب وہ جس طرف بھی جاتے تھے، خود ان کے بچھائے ہوئے گوکھرو انہیں نقصان پہنچاتے تھے...... اس نئی مصیبت نے ان پر اور بدحواسی طاری کر دی...... ان کی بدحواسی سے مسلمانوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے ایرانیوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ مورخ طبری نے لکھا ہے کہ

اس موقعے پر ایک لاکھ ایرانی قتل ہوئے۔ مسلمانوں کے ہاتھ بے تحاشا مال غنیمت آیا...... اس کا اندازہ تین کروڑ کا لگایا گیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے فتح کی خوش خبری کے ساتھ مال غنیمت کا پانچوں حصہ مدینہ منورہ بھجوا دیا۔ یہ خوشی لے کر ”زیاد رحمہ اللہ“ گئے۔ حضرت عمر ؓ نے ان سے جنگ کے حالات سنے، پھر تمام مسلمانوں کو جمع ہونے کا حکم فرمایا اور ”زیاد رحمہ اللہ“ سے فرمایا:

”ان سب کے سامنے تمام واقعات بیان کریں۔“

انہوں نے بھرے مجمعے کو حالات سنا دیئے...... اور اس طرح بیان کیا کہ پورا منظر لوگوں کو نظر آنے لگا۔ اس پر حضرت عمر ؓ بول اٹھے:

”خطیب اسے کہتے ہیں۔“

مال غنیمت کا مسجد کے صحن میں ڈھیر لگا دیا گیا...... لیکن اس وقت تک اندھیرا پھیل چکا تھا، چنانچہ صبح تقسیم کرنے کا فیصلہ ہوا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہما نے رات بھر پہرہ دیا۔ صبح کے وقت لوگوں کے سامنے مال غنیمت پر سے چادر ہٹائی گئی۔ درہم و دیناروں کے علاوہ وہاں جواہرات کے بھی انبار لگے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے ساختہ رو پڑے۔

لوگ ان کے رونے پر بہت حیران ہوئے کہ یہ رونے کا کون سا موقع ہے، یہ تو خوشی کا موقع ہے۔ لوگوں کو حیران دیکھ آپ نے فرمایا:

”جہاں مال و دولت آتی ہے، وہاں رشک و حسد بھی ساتھ آتا ہے۔“

یزدگرد کو جلولا میں ایرانیوں کی شکست کی خبر ملی تو وہ حلوان کو چھوڑ کر ”رے“ کی طرف چلا گیا۔ حلوان میں چند دستے فوج کے چھوڑ گیا۔ ان کا سالار اس نے خسرو شنوم کو مقرر کیا تھا۔ وہ ایک معزز افسر تھا۔

اب حضرت سعد ؓ نے حضرت قعقاع ؓ کو حلوان کی طرف روانہ کیا۔ یہ حلوان سے تین میل کے فاصلے پر تھے کہ خسرو خود آگے بڑھ آیا...... پہلے تو اس نے ڈٹ کر مقابلہ کیا، لیکن پھر شکست کے آثار دیکھ کر بھاگ نکلا۔ اس طرح حلوان بھی مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔ حضرت قعقاع ؓ نے امن کا اعلان کر دیا۔ اس طرح چاروں طرف سے ایرانی ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور جزیہ قبول کرنے لگے۔ اس طرح یہ لوگ اسلام کی حمایت میں آ گئے۔

اس مقام پر عراق کی حد ختم ہو جاتی تھی، اس علاقے کے فتح ہونے کے ساتھ ہی پورا ایران فتح ہو گیا......

اس کے ساتھ ہی حضرت عمرؓ کے دور میں ایران کی فتوحات کا سلسلہ مکمل ہو گیا...... لہٰذا ہم آپ کو اب یہاں سے شام کی طرف لے چلتے ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ۱۳ ہجری میں شام پر نئی طرف سے چڑھائی کی تھی۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کو حمص پر، یزید بن ابی سفیان کو دمشق پر، شرحبیلؓ کو اردن پر، حضرت عمرو بن عاصؓ کو فلسطین پر مقرر فرمایا تھا۔ اب فوجوں کی مجموعی تعداد چوبیس ہزار تھی۔

یہ سپہ سالار جب عرب کی سرحد سے نکلے تو ان کا سامنا رومیوں کی بڑی بڑی فوجوں سے ہوا۔ یہ فوجیں مسلمانوں سے مقابلے کے لیے تیار تھیں۔ ان کے علاوہ قیصر نے پورے ملک سے فوجیں جمع کر کے الگ الگ افسروں کے مقابلے پر روانہ کیں، یہ دیکھ کر اسلامی سپہ سالاروں نے مشورہ کیا۔ اس میں طے پایا کہ تمام فوجیں ایک جگہ جمع کر لی جائیں۔ ساتھ ہی حضرت ابو بکر صدیقؓ کو خط لکھا کہ مدد کے لیے اور فوجیں روانہ کی جائیں...... اس طرح حضرت خالد بن ولیدؓ بھی عراق سے روانہ ہوئے۔ راستے میں چھوٹی موٹی لڑائیاں لڑتے اور فتوحات حاصل کرتے آخر دمشق کی طرف بڑھے۔

قیصر نے ان کے مقابلے کے لیے ایک بہت بڑی فوج روانہ کی۔ اس فوج نے اجنادین کے مقام پر پہنچ کر جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں...... یہ اطلاعات پا کر حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ خود آگے بڑھے اور اجنادین کی طرف روانہ ہوئے۔ انہوں نے باقی افسروں کو بھی پیغام بھیج دیا کہ وہاں پہنچ جائیں، چنانچہ شرحبیل، یزید، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم مقررہ وقت پر وہاں پہنچ گئے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے حملے کی ابتدا کی...... زبردست جنگ ہوئی...... آخر مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ یہ جنگ جمادی الاولیٰ ۱۳ ہجری میں ہوئی۔ اس مہم سے فارغ ہو کر حضرت خالد بن ولیدؓ نے پھر دمشق کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے ہر طرف سے دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ اگرچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور میں شروع ہوا تھا، لیکن فتوحات کا سلسلہ یہاں حضرت عمرؓ کے دور میں ہوا۔

دمشق، شام کا صدر مقام تھا اور ایک بڑا شہر تھا۔ جاہلیت کے دور میں عرب یہاں تجارت

کے لیے آتے جاتے تھے۔ وہ اس شہر سے اچھی طرح واقف تھے۔

حضرت خالد بن ولید ؓ نے بہت مہارت سے اس شہر کا محاصرہ کیا۔ شہر کے گرد فصیل موجود تھی۔ اس کے بڑے بڑے دروازوں پر حضرت خالد بن ولید ؓ نے ان سالاروں کو مقرر کیا جو شام کے صوبوں میں فتوحات حاصل کر کے آئے تھے۔ عمرو بن عاص ؓ کو "باب توما" پر، حضرت شرحبیل ؓ کو "باب الفرلویس" پر، حضرت ابو عبیدہ ؓ کو "باب الجابیہ" پر مقرر کیا۔ خود حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے پانچ ہزار فوج کے ساتھ باب الشرق کے قریب ڈیرے ڈالے...... محاصرہ اس قدر سخت تھا کہ عیسائی دیکھ دیکھ کر پریشان ہو رہے تھے...... ان سب باتوں کے باوجود رومیوں کو یہ ڈھارس تھی کہ ہرقل ان کے پیچھے موجود ہے اور ادھر سے امدادی فوجیں چل چکی ہیں......

عین ایسے وقت میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ انتقال کر گئے اور حضرت عمر ؓ خلیفہ بن گئے۔

فحل کا معرکہ

شام کے عیسائیوں کا خیال تھا کہ یہ عربی لوگ ان کے ممالک کی سردی کو برداشت نہیں کر سکیں گے اور ہمت ہار کر واپس چلے جائیں گے...... ساتھ ہی انہیں اطلاع ملی کہ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ انتقال کر گئے ہیں...... اب تو ان کا یہ خیال اور مضبوط ہو گیا کہ مسلمان حملہ نہیں کریں گے، لیکن ان کی یہ امید پوری نہ ہو سکی۔

حضرت خالد بن ولید ؓ نے حضرت ذوالکلاع ؓ کو کچھ فوج دے کر دمشق سے ایک منزل کے فاصلے پر مقرر کر دیا اور انہیں حکم دیا:

"ہرقل کی طرف سے کوئی فوج آئے تو اسے روکا جائے۔"

اس طرف سے مسلمانوں کو اطمینان ہو گیا تھا، ایسے میں ایک واقعہ بھی پیش آ گیا۔ دمشق کے حکمران کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا، اس خوشی میں رومیوں نے رات بھر جشن منایا، خوب شراب پی اور اس کے نشے میں چور لمبے لیٹ گئے۔

حضرت خالد بن ولید ؓ راتوں کو بہت کم سوتے تھے۔ دشمن کی پل پل کی خبر رکھتے

تھے، جب آپ کو یہ اطلاع ملی تو فرمایا:

”اس سے بہتر موقع کون سا ہو سکتا ہے۔“

یہ کہا، چند بہادر افسروں کو ساتھ لیا اور فصیل کی طرف بڑھے...... رومیوں نے خندق میں پانی چھوڑا ہوا تھا۔ ان حضرات نے تیر کر خندق کو پار کیا اور شہر کی فصیل کے پیچھے پہنچ گئے۔ فصیل پر کمند پھینکی گئی، اس کے ذریعے یہ فصیل پر چڑھ گئے۔ پھر دوسری طرف رسی کی سیڑھی لٹکا کر نیچے اتر گئے۔

ان حضرات نے نیچے اترتے ہی شہر کے دروازے پر موجود پہرے داروں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا اور دروازہ کھول دیا۔ باہر فوج پہلے ہی تیار کھڑی تھی، سیلاب کی طرح اندر داخل ہو گئے۔ اب عیسائیوں کا قتل عام شروع ہوا تو ان کے ہوش اڑ گئے...... خود شہر کے باقی دروازے کھول دیے...... انہوں نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

”ہمیں خالد سے بچائیے۔“

انہوں نے ان لوگوں کو امان دے دی...... اس طرح حضرت خالدؓ نے جو علاقہ لڑ کر فتح کیا تھا، وہ بھی واپس کر دیا گیا۔ یہ شام کے پہلے علاقے کی مبارک فتح تھی...... یہ لڑائی ۱۴ ہجری میں ہوئی۔

دمشق کی شکست نے رومیوں میں آگ سی لگا دی...... وہ ہر طرف سے جمع ہو کر آنے لگے۔ دمشق کی فتح کے بعد مسلمانوں نے اردن کا رخ کیا تھا...... اس لیے رومیوں نے بھی اردن کے شہر بیسان میں فوجیں جمع کر لیں۔ شاہ ہرقل نے جو فوجیں دمشق کی طرف بھیجی تھیں اور حضرت خالد بن ولیدؓ کی حکمت عملی کی وجہ سے وہ یہاں نہیں پہنچ سکی تھیں، وہ بھی وہاں آگئیں۔ اس طرح چالیس ہزار کے قریب رومی لشکر وہاں جمع ہو گیا۔ اس لشکر کے سپہ سالار کا نام ”سکار“ تھا۔

شام کا ملک چھ ضلعوں میں تقسیم تھا۔ ان میں دمشق، حمص، اردن اور فلسطین مشہور ضلعے تھے۔ اردن کا صدر مقام طبریہ تھا جو دمشق سے چار منزل ہے۔ طبریہ کے مشرق میں بارہ میل لمبی ایک جھیل تھی۔ اس کے قریب چند میل دور ایک چھوٹا سا شہر تھا، اس کا نام اس وقت ”سلاؔ“ تھا، موجودہ نام فحل ہے۔ یہ لڑائی اس مقام پر ہوئی۔ یہ مقام اب ویران ہے البتہ سمندر کی سطح سے چھ سو فٹ بلندی پر اس زمانے کے کچھ کچھ آثار اب بھی باقی ہیں۔

غرض رومی فوجیں بیسان میں جمع ہوئیں۔ مسلمانوں نے اس کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا۔ رومیوں نے وہاں آتے ہی ایک کام کیا...... اور وہ یہ تھا کہ جس قدر بھی وہاں نہریں تھیں، ان سب کے بند توڑ دیئے۔ اس طرح فحل سے بیسان تک پانی ہی پانی ہو گیا۔ کیچڑ اور پانی کی وجہ سے تمام راستے رک گئے...... لیکن اسلام کا سیلاب بھلا ان سے کب رک سکتا تھا...... مسلمان لشکر پھر بھی بیسان پہنچ گیا...... ان کی یہ مضبوطی دیکھ کر عیسائی صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ انہوں نے حضرت ابوعبیدہ ؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ کوئی سفیر ان کی طرف آئے۔ حضرت ابوعبیدہ ؓ نے حضرت معاذ بن جبل ؓ کو بھیج دیا۔

حضرت معاذ بن جبل ؓ وہاں پہنچے تو دیکھا سنہری ریشم کا فرش بچھا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ وہیں ٹھہر گئے۔ ایک عیسائی نے آکر کہا: ''آپ کا گھوڑا میں پکڑ لیتا ہوں...... آپ اس فرش پر تشریف رکھیے۔'' اس پر انہوں نے کہا:

''میں اس فرش پر نہیں بیٹھ سکتا۔''

یہ کہا اور زمین پر بیٹھ گئے۔ اس پر عیسائی نے افسوس کا اظہار کیا اور کہا:

''ہم تو آپ کی عزت کرنا چاہتے تھے۔''

جواب میں حضرت معاذ ؓ بولے:

''ہم لوگ تو زمین پر بیٹھنے والے لوگ ہیں۔''

ان باتوں پر رومی حیران ہو رہے تھے۔ ایک نے پوچھا:

''کیا مسلمانوں میں آپ سے بڑھ کر بھی کوئی ہے؟''

اس پر حضرت معاذ ؓ نے فرمایا:

''اللہ معاف فرمائیے...... میں تو سب سے کم تر ہوں۔''

پھر فرمایا:

''تم نے مجھے بات چیت کے لیے بلایا ہے تو اب بات کرو، ورنہ میں واپس چلا جاتا ہوں۔''

اب عیسائیوں نے کہا:

''تم لوگ اس طرف کیوں آئے ہو۔ ابو سینا یا فارس کی طرف کیوں نہیں چلے گئے۔ ہمارا بادشاہ تو سب سے بڑا بادشاہ ہے اور تعداد میں ہم آسمان کے ستاروں اور زمین کے ذروں کے

برابر ہیں۔"

حضرت معاذ بن جبل ؓ نے ان کی بات کے جواب میں فرمایا:

"سب سے پہلے تو ہم تم سے یہ کہتے ہیں کہ تم مسلمان ہو جاؤ...... ہمارے قبلے کی طرف نماز پڑھو، شراب پینا چھوڑ دو، سور کا گوشت نہ کھاؤ...... اگر تم ایسا کرو گے تو ہم تمہارے بھائی ہیں۔ اگر اسلام لانا منظور نہیں تو جزیہ دو...... جزیہ دینے سے بھی انکار ہے تو پھر ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی...... اگر تم آسمان کے ستاروں کے برابر ہو تو ہمیں اس کی کوئی پروا نہیں...... تمہیں اگر اس پر ناز ہے کہ تم ایسے بادشاہ کی رعایا ہو جسے تم پر ہر طرح کا اختیار ہے تو سن لو، ہم نے جسے اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے، وہ کسی بات میں بھی اپنے آپ کو ہم سے زیادہ نہیں سمجھتا...... اگر وہ کوئی جرم کرے تو اسے بھی سزا دی جائے گی...... چوری کرے تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جائیں گے...... وہ پردے میں نہیں بیٹھتا، اپنے آپ کو ہم سے بڑا نہیں سمجھتا، مال و دولت میں بھی وہ ہم سے زیادہ نہیں ہے......"

حضرت معاذ بن جبل ؓ یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئے تو رومی سردار نے کہا:

"اچھا ہم تمہیں بلقا کا ضلع اور اردن کا وہ حصہ دیتے ہیں جو تمہارے زمین کے ساتھ ملا ہوا ہے، تم یہ ملک چھوڑ کر فارس چلے جاؤ۔"

حضرت معاذ ؓ نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور اٹھ کر چلے آئے۔ اب رومیوں نے پیغام بھیجا:

"ہم براہ راست ابوعبیدہ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

یہ پیغام ایک قاصد لے کر آیا تھا۔ جس وقت وہ ان کے پاس پہنچا...... وہ زمین پر بیٹھے تھے۔ ان کے ہاتھ میں تیر تھے۔ وہ ان تیروں کو ہاتھوں میں اُلٹ پلٹ رہے تھے۔ قاصد کا خیال تھا کہ مسلمانوں کا سپہ سالار بہت شان و شوکت کا مالک ہوگا...... لیکن وہاں اسے شان و شوکت والی بات کسی میں بھی نظر نہ آئی تو گھبرا کر بولا:

"تمہارا سردار کون ہے؟"

لوگوں نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا...... وہ حیرت زدہ رہ گیا اور بولا:

"کیا واقعی آپ مسلمانوں کے لشکر کے سردار ہیں۔"

حضرت ابوعبیدہ ؓ نے جواب دیا:

''ہاں! میں ہی سپہ سالار ہوں۔''

اب قاصد نے کہا:

''ہم فوج کو فی کس دو دو اشرفی دیں گے...... تم یہاں سے چلے جاؤ۔''

ابوعبیدہ ؓ نے انکار کر دیا۔ قاصد غصے کے عالم میں لوٹ گیا۔ ان کے تیور دیکھ کر حضرت ابوعبیدہ ؓ نے فوج کو تیاری کا حکم دے دیا اور تمام حالات حضرت عمر ؓ کو لکھ بھیجے۔

حضرت عمر ؓ نے جواب میں لکھا:

''ثابت قدم رہو، اللہ تمہارا مددگار ہے۔''

اسلامی لشکر نے مکمل تیاری کر لی تھی...... لیکن رومی مقابلے پر نہ آئے، اگلے دن صرف حضرت خالد بن ولید ؓ میدان میں گئے۔ آپ کے ساتھ سواروں کا ایک دستہ تھا۔ رومیوں نے فوج کے تین حصے کیے اور ایک حصہ مقابلے کے لیے بھیج دیا۔

اب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہو گئیں۔ جنگ شروع ہوئی ہی تھی کہ رومیوں نے فوج کا ایک حصہ اور بھیج دیا۔

حمص کا معرکہ

حضرت خالد بن ولید ؓ نے رومی لشکر کو آتے دیکھا تو قیس بن ہبیرہ کو اشارہ کیا۔ انہوں نے صف سے نکل کر انہیں روکا۔ زبردست جنگ ہوئی۔ جنگ جاری تھی کہ رومیوں کا دوسرا لشکر میدان میں نکل آیا۔ حضرت خالد بن ولید ؓ نے حضرت بسرہ بن مسروق کو اشارہ کیا۔ وہ اپنے دستے کو لے کر آگے بڑھے اور دوسرے لشکر سے ٹکرا گئے۔ ایسے میں رومیوں کا تیسرا لشکر آگے بڑھا اور بڑے ساز و سامان سے نکلا۔ اس فوج کا سپہ سالار بہت ماہر جنگجو تھا۔ وہ بہت تدبیر سے فوج کو آگے لایا۔ قریب پہنچ کر اس نے اپنے ایک افسر کو حضرت خالد بن ولید ؓ کے مقابلے کے لیے تھوڑی سی فوج کے ساتھ آگے بھیجا۔ حضرت خالد ؓ نے اس فوج کو بھی نہایت مہارت سے روکا...... آخر اس فوج کے سپہ سالار کو خود آگے آنا پڑا۔ ایسے میں پہلا لشکر بھی اس فوج کے ساتھ آ ملا۔ اس طرح بہت دیر تک معرکہ ہوا...... لیکن جب رومیوں

نے مسلمانوں کی ثابت قدمی کو بھانپ لیا تو انہوں نے لڑنا بیکار سمجھا اور واپس نکلنے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت خالد ؓ للکارے:

"مسلمانو! رومی اپنا زور لگا چکے...... یہ اب بھاگنے کو ہیں...... جب کہ زور لگانے کی باری اب ہماری ہے۔"

حضرت خالد ؓ کی اس للکار کے ساتھ ہی مسلمانوں نے بھرپور حملہ کر دیا اور رومیوں کو رگیدتے چلے گئے۔

عیسائیوں کی کوشش تھی کہ لڑائی کو ٹال دیں اور مدد کا انتظار کریں، حضرت خالد ؓ نے ان کی یہ چال بھانپ لی۔ انہوں نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"رومی ہمارے دباؤ میں آ چکے ہیں۔ حملے کا وقت یہی ہے" چنانچہ ابوعبیدہ نے فوج کو پیغام دیا کہ کل فیصلہ کن حملے کی تیاری کر لی جائے۔ انہوں نے رات کے پچھلے پہر ہی تیاری شروع کر دی۔ فوج کی نئے سرے سے صف بندی کی گئی۔ معاذ بن جبل ؓ کو میمنہ پر مقرر کیا گیا۔ ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کو میسرہ پر اور پیدل فوج پر حضرت سعید بن زید ؓ مقرر کیے گئے۔ سوار حضرت خالد ؓ کی ماتحتی میں رہے۔ فوج کی صف بندی ہو چکی تو حضرت ابوعبیدہ ؓ نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک فوج کا جائزہ لیا...... ایک ایک سالار کے پاس گئے اور ان سے کہا:

"اللہ کی مدد چاہتے ہو تو ثابت قدم رہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ثابت قدموں کے ساتھ ہے۔"

رومیوں نے بھی مسلمانوں کی تیاریوں کو دیکھ کر صف بندی شروع کر دی۔ ان کی تعداد ۵۰ ہزار تھی۔ انہوں نے آگے پیچھے صفیں قائم کیں۔

ان کی صفیں قائم ہو گئیں تو وہ نقارے بجاتے مسلمانوں کی طرف بڑھے۔ حضرت خالد بن ولید ؓ اپنا دستہ لیے سب سے آگے موجود تھے۔ اس لیے پہلے انہی سے مقابلہ ہوا۔ رومیوں نے تیروں کی بارش کر دی...... اس قدر تیر برسائے کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑ گیا۔ حضرت خالد ؓ پہلو بچا کر میمنہ کی طرف آ گئے۔ یہ دیکھ کر رومیوں کا حوصلہ اور بڑھ گیا۔ ان کا ایک دستہ فوج سے الگ ہو کر حضرت خالد پر حملہ آور ہوا...... ادھر حضرت خالد ؓ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہے تھے...... یہاں تک کہ رومی دستہ جنگ کرتے ہوئے اپنی فوج سے بالکل کٹ گیا۔ حضرت خالد بن ولید ؓ کی یہی حکمت عملی تھی۔ اب انہوں نے اس دستے پر باقاعدہ حملہ

کیا...... ان کی صفیں کی صفیں الٹ کر رکھ دیں۔ ان کے گیارہ بڑے بڑے افسر مارے گئے۔

دوسری طرف قیس بن ہبیرہ نے میسرہ پر حملہ کر کے رومیوں کا دوسرا بازو بھی کمزور کر دیا۔ اس کے باوجود ان کی فوج کا درمیانی حصہ اب بھی تیر اندازوں کی وجہ سے محفوظ تھا۔ ایسے میں ہاشم بن عتبہ نے پرچم پکڑ کر کہا:

”اللہ کی قسم! جب تک اس پرچم کو رومیوں کے قلب میں پہنچ کر نہیں گاڑوں گا...... لوٹ کر نہیں آؤں گا۔“

یہ کہہ کر وہ گھوڑے سے کود پڑے اور لڑتے ہوئے رومیوں کے اس قدر نزدیک پہنچ گئے کہ لڑائی تلواروں پر آ گئی۔ تقریباً ایک گھنٹے تک جنگ جاری رہی۔ سارا میدان خون سے بھر گیا۔ آخر رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ بری طرح بدحواس ہو کر بھاگے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فتح کی خوشخبری مدینہ منورہ بھیج دی اور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے معلوم کرایا کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ ادھر سے جواب آیا:

”رعایا کو ذمی قرار دیا جائے اور زمین بدستور زمینداروں کے قبضے میں چھوڑ دی جائے۔“

اس عظیم الشان فتح کے بعد اردن کے تمام شہر آسانی سے فتح ہوتے چلے گئے۔ ہر مقام پر یہ لکھ کر دیا گیا:

”فتح کیے گئے علاقوں کے لوگوں کی جان، مال، زمین، مکانات، گرجے اور دوسرے عبادت گاہیں سب کی سب محفوظ رہیں گی۔ صرف مسجدوں کی تعمیر کے لیے کسی قدر زمین لی جائے گی۔“

یعنی کسی کے ساتھ بھی کوئی ناروا سلوک نہیں کیا گیا...... جب کہ رومی اور ایرانی فتح کیے گئے علاقوں کے لوگوں پر ظلم کے پہاڑ توڑتے رہے تھے۔

اب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حمص کا رخ کیا۔ شام کے تمام ضلعوں میں سے یہ ایک بڑا ضلع تھا۔ پرانا شہر تھا...... انگریزی تاریخ میں اس شہر کو ”ایمسا“ کہا گیا ہے۔ پرانے زمانے میں اس کی شہرت ایک ہیکل کی وجہ سے تھی۔ اس ہیکل کا نام آفتاب کے نام پر تھا۔ یعنی یہ لوگ سورج کے پجاری تھے۔ لوگ یہاں دور دور سے آتے تھے۔ یہاں کا پجاری ہونا بہت فخر کی بات تھی۔ اردن کے بعد اب صرف تین شہر باقی رہ گئے تھے۔ ان تینوں کے فتح ہونے کا مطلب تھا، پورا شام فتح ہو گیا۔ یہ تینوں شہر بیت المقدس، حمص اور اطاکیہ تھے...... انطاکیہ میں

خود ہرقل موجود تھا۔ ان تینوں شہروں میں سے حمص زیادہ نزدیک تھا۔ اس میں ساز و سامان بھی کم تھا۔ اس لیے حضرت خالد بن ولید ؓ نے پہلے اسی کا رخ کیا۔ راستے میں بعلبک آتا تھا، وہ معمولی سی جنگ کے بعد فتح ہو گیا۔ حمص کے نزدیک رومیوں نے خود آگے بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا۔ ایک بڑی فوج حمص سے نکلی۔ جوسیہ کے مقام پر دونوں فوجیں آمنے سامنے آ گئیں۔ حضرت خالد بن ولید ؓ کے پہلے ہی حملے میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ حضرت خالد ؓ نے میسرہ بن مسروق کو تھوڑی سی فوج دے کر حمص کی طرف روانہ کیا۔ راستے میں رومیوں کی شکست کھائی ہوئی فوج سے مقابلہ ہوتا رہا...... ان مقابلوں میں بھی مسلمانوں کو فتح ہوئی۔

اس لشکر کے ایک مسلمان مجاہد شرحبیل حمیری نے اکیلے گیارہ سواروں کو قتل کیا۔ ہوا یہ کہ وہ فوج سے الگ ہو کر اکیلے ہی حمص کی طرف چل پڑے۔ شہر کے قریب رومیوں کے ایک رسالے نے انہیں تنہا دیکھ کر ان پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے جم کر ان کا مقابلہ شروع کر دیا۔ اس طرح ان کے گیارہ افراد کو قتل کر ڈالا...... رومی ان سے خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلے۔ انہوں نے ایک گرجے میں پناہ لی۔ یہ بھی ان کا پیچھا کرتے گرجے تک جا پہنچے۔ گرجے میں عیسائی بڑی تعداد میں موجود تھے۔ اب یہ چاروں طرف سے گھر گئے...... تاہم آخر دم تک جواں مردی سے مقابلہ کرتے رہے۔ جب رومی اس طرح بھی ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے تو انہوں نے ان پر چاروں طرف سے پتھروں کی بارش کر دی۔ اس طرح یہ شدید زخمی ہو گئے اور آخر کار شہید ہوئے......

ادھر حضرت خالد بن ولید اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما نے حمص کا رخ کیا۔ حمص کو گھیرے میں لیا گیا۔ موسم بہت سرد تھا۔ رومیوں کو یقین تھا کہ مسلمان اس سردی کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ ہرقل کا پیغام بھی انہیں مل چکا تھا کہ بہت جلد مدد پہنچ جائے گی...... ہرقل نے جزیرے سے ایک بڑا لشکر روانہ کر بھی دیا تھا...... لیکن حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے اس فوج کو روکنے کے لیے اپنی طرف سے اسلامی لشکر کو بھیج دیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ اس وقت عراق کی مہم پر تھے۔ ان کے لشکر نے اس رومی فوج کو وہیں روک لیا اور وہ حمص نہ پہنچ سکی۔ اس پر حمص کے لوگ مجبور ہو گئے۔

ابو عبیدہ ؓ آگے بڑھے...... راستے میں جو علاقے آتے گئے...... وہ آسانی سے فتح ہوتے چلے گئے...... یہاں تک کہ لاذقیہ تک پہنچ گئے۔ لاذقیہ بہت پرانا شہر تھا۔ اس کی مضبوطی کو دیکھ کر حضرت ابو عبیدہ ؓ نے اس سے کچھ فاصلے پر پڑاؤ کیا۔

یہاں حضرت ابو عبیدہ ؓ نے عجیب حکمت عملی اپنائی۔ آپ نے میدان میں کھائیاں کھدوائیں۔ یہ اس طرح کھودی گئیں کہ دشمن کو پتا نہ چل سکا۔ پھر ایک دن فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔ رومیوں نے لشکر کو واپس جاتے دیکھ لیا...... وہ سمجھے مسلمان مایوس ہو کر چلے گئے ہیں ...... لیکن ہوا صرف یہ تھا کہ رات کی تاریکی میں اسلامی لشکر نہایت خاموشی سے لوٹ آیا تھا...... اور ان کھائیوں میں چھپ گیا تھا۔ ادھر رومی اس لمبے محاصرے سے تنگ آئے ہوئے تھے...... انہوں نے جب دیکھا کہ مسلمان جا چکے ہیں تو شہر کے دروازے کھول کر باہر نکل آئے۔

یرموک کی تیاری

شہر کے دروازے کھول کر وہ بے فکری سے روزمرہ کے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ بس یہی وقت تھا جس کا مسلمانوں کو انتظار تھا۔ وہ کھائیوں سے نکل آئے اور ان پر اچانک حملہ کر دیا۔ اس طرح شہر فوراً فتح ہو گیا۔ حمص کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہ ؓ نے ہرقل کے پایہ تخت کا رخ کرنے کا ارادہ کیا، لیکن دربار خلافت سے حکم آیا کہ اس سال اور آگے نہ بڑھیں، چنانچہ روانگی روک دی گئی...... فتح کیے گئے علاقوں میں بڑے بڑے افسروں کو بھیج دیا گیا، چنانچہ حضرت خالد ؓ دمشق چلے گئے۔ حضرت عمرو بن عاص ؓ نے اردن میں قیام کیا۔ حضرت ابو عبیدہ ؓ خود حمص میں ٹھہرے۔

دمشق اور حمص وغیرہ سے شکست کھا کھا کر یہودی انطاکیہ پہنچے۔ انہوں نے ہرقل سے فریاد کی کہ عربوں نے تمام شام کو فتح کر لیا ہے۔ ہرقل نے ان میں سے چند ہوشیار آدمیوں کو دربار میں طلب کیا اور ان سے کہا:

''عرب تم سے طاقت میں اور ساز و سامان میں کم ہیں...... پھر تم ان کے مقابلے میں کیوں نہیں ٹھہر سکتے!!؟''

ان کے سر شرم سے جھک گئے...... کوئی کچھ نہ بولا، آخر ایک بوڑھے نے کہا:

''عربوں کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں، وہ رات کو عبادت کرتے ہیں، دن کو روزے رکھتے ہیں...... کسی پر ظلم نہیں کرتے...... ایک دوسرے سے بھائیوں کی طرح ملتے ہیں۔ کوئی خود کو دوسرے سے بڑا نہیں سمجھتا۔ جب کہ ہمارا حال یہ ہے کہ شراب پیتے ہیں،

بدکاریاں کرتے ہیں، عہد کی پابندی نہیں کرتے...... دوسروں پر ظلم کرتے ہیں...... اس کا یہ اثر ہے کہ ان کے کام میں جوش پایا جاتا ہے...... ہم نے جوش اور جذبہ نہیں ہے۔"

اس بات چیت کے بعد قیصر نے روم قسطنطنیہ، جزیرہ، آرمینیا غرض ہر طرف احکامات بھیجے کہ تمام فوجیں پایہ تخت انطاکیہ میں ایک مقررہ تاریخ کو جمع ہو جائیں۔ اس نے تمام ضلعوں کے افسروں کو لکھا کہ جس قدر آدمی جہاں سے بھی مہیا ہو سکیں، روانہ کر دیے جائیں۔ ان احکامات کے پہنچتے ہی ہر طرف سے انسانوں کا سیلاب انطاکیہ کی طرف چل پڑا۔ انطاکیہ کے چاروں طرف جہاں تک نظر جاتی تھی، فوجیں ہی فوجیں نظر آتی تھیں۔

حضرت ابو عبیدہ ؓ کو یہ خبر مل چکی تھیں۔ انہوں نے تمام افسران کو جمع کیا۔ ان کے سامنے کھڑے ہو کر ایک پرزور تقریر کی۔ اس تقریر میں آپ نے فرمایا:

"مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں بار بار جانچا...... تم ہر بار اس کی جانچ میں پورے اترے۔ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے بھی تمہیں کامیابیاں عطا فرمائیں۔ اب تمہارا دشمن اس سازو سامان سے تمہارے مقابلے میں آیا ہے کہ زمین کانپ اٹھی ہے...... اب بتاؤ...... تم کیا کہتے ہو؟"

یہاں تک کہہ کر حضرت ابو عبیدہ ؓ خاموش ہو گئے تو حضرت یزید بن ابی سفیان ؓ اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ حضرت امیر معاویہ ؓ کے بھائی تھے۔ انہوں نے کہا:

"میری رائے یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں رہنے دیا جائے۔ ہم خود شہر سے باہر صف آرا ہوں۔ اس کے ساتھ خالد بن ولید اور عمرو بن عاص کو لکھا جائے کہ وہ دمشق اور فلسطین سے چل کر ہماری مدد کو آجائیں۔"

ان کی بات سن کر حضرت شرحبیل بن حسنہ ؓ اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے کہا:

"اس موقعے پر ہر شخص کو آزادانہ رائے دینی چاہیے۔ یزید بن ابی سفیان نے جو رائے دی، بے شک خیر خواہی سے دی، لیکن مجھے اس رائے سے اتفاق نہیں، اس لیے کہ شہر والے سب کے سب عیسائی ہیں، ہم اپنی عورتوں اور بچوں کو ان کے ساتھ نہیں چھوڑ سکتے، ممکن ہے، وہ تعصب کی بنیاد پر انہیں پکڑ کر قیصر کے حوالے کر دیں...... یا خود انہیں مار ڈالیں۔"

یہ سن کر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اس کی ترکیب یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر سے نکال دیں۔"

اس پر حضرت شرحبیل ؓ بول اٹھے:

”لیکن ان عیسائیوں کو ہم نے اس شرط پر امان دی ہے کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں...... اب ہم اس عہد کو کیسے توڑ سکتے ہیں۔“

جواب میں حضرت ابو عبیدہ ؓ نے فرمایا:

”آپ ٹھیک کہتے ہیں۔“

اب کسی نے مشورہ دیا:

”کیوں نہ ہم حمص میں ٹھہر کر مدد کا انتظار کریں؟“

یہ سن کر ابو عبیدہ ؓ بولے:

”اب اتنا وقت کہاں ہے؟“

آخر کار یہ مشورہ ہوا کہ حمص کو چھوڑ کر دمشق کی طرف روانہ ہو جائیں...... وہاں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ موجود ہیں اور عرب کی سرزمین وہاں سے قریب ہے۔

جب یہ بات طے ہو گئی تو حضرت ابو عبیدہ ؓ نے حبیب بن مسلمہ کو بلایا۔ یہ افسر خزانہ تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

”ہم عیسائیوں سے جزیہ لیتے رہے ہیں۔ اس کے بدلے ان کی حفاظت کرتے رہے ہیں، لیکن اس وقت ہماری حالت یہ ہے کہ ان کی حفاظت نہیں کر سکتے، لہٰذا اس وقت تک ان سے جتنا جزیہ لیا ہے، وہ سب کا سب انہیں واپس کر دیں اور ان سے کہہ دیں کہ ہمیں تم سے جو تعلق تھا، وہ اب بھی ہے، لیکن چونکہ اس وقت ہم تمہاری حفاظت کی ذمے داری پوری نہیں کر سکتے، اس لیے جزیہ واپس کرتے ہیں...... کیونکہ جزیہ دراصل حفاظت کرنے کا معاوضہ ہوتا ہے۔“

جب یہ لاکھوں کی رقم واپس کی گئی تو عیسائیوں پر اس کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ رونے لگے۔ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:

”خدا تمہیں واپس لائے۔“

یہودیوں پر بھی بہت اثر ہوا انہوں نے کہا:

”تورات کی قسم! جب تک ہم زندہ ہیں، قیصر ”حمص“ پر قبضہ نہیں کر سکتا۔“

اور پھر انہوں نے شہر کے دروازے بند کر لیے...... جگہ جگہ پہرہ بٹھا دیا...... حضرت

ابوعبیدہ ؓ نے یہ سلوک صرف حمص والوں ہی سے نہیں کیا، بلکہ جس قدر اضلاع فتح ہو چکے تھے، ہر جگہ لکھ بھیجا:

"جزیے کی جس قدر رقم وصول کی ہے، ساری کی ساری واپس کر دی جائے۔"

غرض اس کے بعد حضرت ابوعبیدہ ؓ دمشق کی طرف روانہ ہوئے۔ انہوں نے ان تمام حالات کی حضرت عمر ؓ کو اطلاع بھی کر دی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ معلوم ہوا مسلمان رومیوں کے ڈر سے حمص چھوڑ کر چلے آئے ہیں تو آپ بہت رنجیدہ ہوئے، لیکن جب انہیں بتایا گیا کہ فوج کے تمام افسران کا فیصلہ یہی تھا، تب انہیں اطمینان ہوا۔ آپ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے کسی مصلحت کے تحت ہی تمام مسلمانوں کو اس رائے پر جمع کیا ہوگا۔"

پھر آپ نے حضرت ابوعبیدہ ؓ کو لکھا:

"میں مدد کے لیے سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کو بھیج رہا ہوں، لیکن فتح اور شکست فوج کی کمی یا زیادتی پر نہیں ہے۔"

ابوعبیدہ ؓ نے دمشق پہنچ کر تمام افسروں کو جمع کیا اور ان سے مشورہ کیا۔ افسران نے مختلف مشورے دیئے۔ ابھی مشورہ ہو رہا تھا کہ ایسے میں حضرت عمرو بن عاص ؓ کا قاصد خط لے کر پہنچا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

"اردن کے ضلعوں میں عام بغاوت پھیل گئی ہے، رومیوں کی ہر طرف سے آمد نے ہر طرف ہل چل مچا دی ہے۔ افراتفری پھیل گئی ہے...... حمص چھوڑ کر چلے آنے سے بہت نقصان ہوا ہے...... ہمارا رعب اُٹھ گیا ہے۔"

اس خط کے جواب میں حضرت ابوعبیدہ ؓ نے لکھا:

"ہم نے حمص کو ڈر کر نہیں چھوڑا، بلکہ مقصد یہ تھا کہ دشمن محفوظ مقامات سے نکل آئے ...... اور اسلامی فوجیں جو جگہ جگہ پھیلی ہوئی ہیں، وہ سب ایک جگہ جمع ہو جائیں...... اور آپ وہیں ٹھہریں...... ہم آ رہے ہیں۔"

دوسرے دن حضرت ابوعبیدہ ؓ دمشق روانہ ہو گئے...... انہوں نے اردن کی حدود میں پہنچ کر یرموک کے مقام پر قیام کیا۔ حضرت عمرو بن عاص ؓ بھی ان سے یہیں آ ملے۔ یہ مقام جنگ کے لیے اس وجہ سے مناسب تھا کہ عرب کی سرحد یہاں سے قریب ترین تھی۔ ان کی پشت پر دور تک عرب کا میدان تھا۔ اس سے اسلامی لشکر کو یہ فائدہ تھا کہ جہاں تک چاہتے ہٹ

سکتے تھے۔

حضرت عمر ؓ نے حضرت سعید بن عامر ؓ کے ساتھ جو فوج روانہ کی تھی...... وہ ابھی تک نہیں پہنچی تھی...... ادھر رومیوں کی برابر آمد اور ان کے ساز و سامان کی خبریں سن کر مسلمان پریشان ہو رہے تھے۔ آخر حضرت ابو عبیدہ ؓ نے ایک اور خط حضرت عمر ؓ کو لکھا۔ اس کے الفاظ یہ تھے:

”رومی خشکی اور سمندر سے امل پڑے ہیں حالاں کہ ان کے جوش کا یہ عالم ہے کہ فوج جس راستے سے گزرتی ہے، وہاں کے راہب اور پادری بھی ان کے ساتھ شامل ہوتے جا رہے ہیں...... ان لوگوں نے کبھی عبادت خانوں سے قدم باہر نہیں نکالے تھے...... یہ سب مل کر اپنی فوج کو جوش دلا رہے ہیں۔“

حضرت عمر ؓ کو یہ خط ملا تو انہوں نے تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کر لیا، خط انہیں پڑھ کر سنایا...... تمام صحابہ بے اختیار رو پڑے اور نہایت پرجوش انداز میں پکار اٹھے:

”اے امیر المومنین! ہمیں اجازت دیجیے! ہم بھی جاتے ہیں اور اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر دین پر نثار ہوتے ہیں۔“

یرموک کا معرکہ

اب تو مہاجرین اور انصار کا جوش بے تحاشا بڑھ گیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے کہا:

”امیر المومنین! آپ خود سپہ سالار بنیں اور ہمیں ساتھ لے چلیں۔“

صحابہ کرام نے اس رائے سے اختلاف کیا اور طے پایا کہ امدادی فوجیں بھیج دی جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قاصد سے پوچھا:

”دشمن کہاں تک آگیا ہے؟“

اس نے جواب دیا:

”یرموک سے تین چار منزل کا فاصلہ باقی ہے۔“

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ غمگین ہوئے اور فرمایا:

"افسوس! اب کیا ہو سکتا ہے...... اتنے کم وقت میں مدد کیسے پہنچ سکتی ہے۔"

اب آپ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے نام ایک زوردار خط لکھا اور قاصد سے فرمایا:

"تم خود ایک ایک صف میں جا کر یہ خط سنانا۔"

قاصد خط لے کر وہاں پہنچ گیا...... اس نے ایک ایک صف میں جا کر خط سنایا۔ اسی روز حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ بھی ایک ہزار مجاہدین کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ اس سے مسلمانوں کا حوصلہ بڑھا۔ انہوں نے پرجوش انداز میں لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔

اسلامی لشکر میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بہت بڑے مرتبے والے صحابی تھے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے انہیں لشکر کے میمنہ یعنی دائیں بازو پر سالار مقرر کیا۔ حضرت قباث بن اشیم کو میسرہ پر، ہاشم بن عتبہ کو پیدل فوج پر سالار مقرر فرمایا۔ آپ کے اپنے حصے میں جو فوج تھی، اس کو چار حصوں میں تقسیم کیا...... ایک کو اپنے ماتحت رکھا، باقی تین حصوں پر قیس بن ہبیرہ، بسرہ بن مسروق اور عمرو بن طفیل کو مقرر فرمایا۔ یہ تینوں بہادر پورے عرب سے چنے ہوئے تھے اور فارس العرب (عرب کے شہسوار) کہلاتے تھے۔

دوسری طرف رومی بھی خوب ساز و سامان سے لیس ہو کر آگے بڑھے۔ ان کی تعداد دو لاکھ سے کہیں زیادہ تھی۔ کل فوج کی ۲۴ صفیں تھیں۔ فوج سے آگے ان کے مذہبی پیشوا پادری وغیرہ ہاتھوں میں صلیبیں لیے جوش دلا رہے تھے...... آخر دونوں فوجیں آمنے سامنے آ گئیں اور یرموک کا میدان تھا۔ اسی مناسبت سے اس کو "یرموک کا معرکہ" کہا جاتا ہے۔

رومی لشکر میں سے ایک بہادر اپنی صفوں کو چیرتا ہوا آگے آیا۔ اس کا نام "بطریق" تھا۔ آگے آتے ہی وہ للکارا:

"میں تنہا لڑنا چاہتا ہوں۔"

اس کا مطلب تھا، اس کے مقابلے کے لیے اسلامی لشکر سے کوئی آئے۔ اس کا ڈیل ڈول بہت بڑا تھا۔ پورا دیو نظر آتا تھا۔ اس کی للکار کے جواب میں قیس بن ہبیرہ نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا۔ یہ اتنے ڈیل ڈول کے مالک نہیں تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انہیں روکنا چاہا...... یعنی ان کے بجائے کسی اور کو بھیجنا چاہتے تھے، لیکن حضرت قیس نے یہ شعر پڑھا:

؎ "پردہ نشین خواتین سے پوچھ لو! کیا میں لڑائی کے درمیان بہادری نہیں دکھاتا......؟"

یہ کہتے ہی وہ بطریق پر ٹوٹ پڑے۔ بطریق ہتھیار بھی نہ سنبھال سکا تھا کہ انہوں نے

وار کر دیا۔ ان کی تلوار اس کے سر پر پڑی۔ تلوار خود کو کاٹتی ہوئی گردن تک اتر گئی۔ بطریق تڑپ کر گھوڑے سے گرا۔ مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ ساتھ ہی حضرت خالدؓ بول اٹھے:

”ابتدا اچھی ہوئی، اللہ نے چاہا تو اب فتح ہے۔“

اب رومی باری باری اپنے لشکر سامنے لانے لگے۔ انہوں نے حضرت خالدؓ کے دستوں کے مقابلے میں الگ الگ فوجیں آگے بھیجیں۔ لیکن ان سب نے باری باری شکست کھائی...... اس روز اس سے زیادہ جنگ نہ چھڑ سکی، اور سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی دونوں فوجوں نے ہاتھ روک لیے۔

رومی سپہ سالار ماہان نے رات کے وقت اپنے سرداروں کو جمع کیا اور کہا:

”عربوں کو شام کی دولت کا مزہ پڑ گیا ہے...... بہتر یہ ہے کہ مال و دولت دے کر انہیں ٹالا جائے۔“

اس رائے سے سب نے اتفاق کیا۔ دوسرے دن انہوں نے ایک قاصد حضرت ابوعبیدہؓ کی طرف بھیجا۔ اس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا۔

”ہمارے سپہ سالار چاہتے ہیں، آپ بات چیت کے لیے کسی افسر کو بھیجیں۔“

اس وقت مغرب کی نماز کا وقت ہو چلا تھا...... حضرت ابوعبیدہؓ نے اسے ٹھہرایا کہ نماز کے بعد بات کرتے ہیں۔ قاصد کا نام جارج تھا...... اس نے دیکھا کہ تمام مسلمان تکبیر کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں...... وہ انہیں نماز پڑھتے ہوئے حیرت زدہ انداز میں دیکھتا رہا۔ نماز ہو چکی تو اس نے حضرت ابوعبیدہؓ سے پوچھا:

”حضرت عیسیٰ کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟“

جواب میں حضرت ابوعبیدہؓ نے سورہ نساء کی آیت: ۱۷۱ تلاوت کی:

ترجمہ: ”اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں حد سے نہ نکلو اور اللہ کی شان میں سوائے پکی بات کے نہ کہو، بے شک مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے اور اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کا ایک کلمہ ہیں جنہیں اللہ نے مریم تک پہنچایا۔ اور اللہ کی طرف سے ایک جان ہے۔ سو اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں۔ اس بات کو چھوڑ دو، تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ بے شک اللہ اکیلا معبود ہے، وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ کارساز کافی ہے۔ مسیح خدا کا بندہ بننے سے

ہرگز عار نہیں کرے گا اور نہ مقرب فرشتے اور جو کوئی اس کی بندگی سے انکار کرے گا اور تکبر کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی طرف اکٹھا کرے گا۔“

مترجم نے جب اس آیت کا ترجمہ جارج کے سامنے کیا تو وہ بے اختیار پکار کر بولا:

”بے شک عیسیٰ علیہ السلام کے یہی اوصاف ہیں اور بے شک تمہارا پیغمبر سچا ہے۔“

یہ کہہ کر اس نے کلمہ توحید پڑھا اور مسلمان ہو گیا..... ساتھ ہی اس نے کہا:

”بس! اب میں اپنی قوم کے پاس واپس نہیں جاؤں گا۔“

اس پر حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا:

”اس طرح رومی کہیں گے، مسلمانوں نے بدعہدی کی...... ہمارے قاصد کو روک لیا...... لہٰذا تم اس وقت تو چلے جاؤ..... کل جب ہمارا قاصد وہاں سے آئے تم اس کے ساتھ چلے آنا۔“

اس نے یہ بات مان لی۔ دوسرے دن حضرت خالد بن ولیدؓ رومیوں کے لشکر میں پہنچے۔ رومیوں نے انہیں اپنی شان و شوکت دکھانے کے زبردست انتظامات کر رکھے تھے۔ راستے کے دونوں طرف سواروں کی صفیں قائم کی تھیں۔ وہ سوار سر سے لے کر پیر تک لوہے میں غرق تھے، لیکن حضرت خالدؓ ذرا بھی ان سے مرعوب نہ ہوئے، الٹا حقارت بھری نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے گزرتے چلے گئے۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے شیر بکریوں کے ریوڑ کو چیرتا آگے بڑھ رہا ہے۔

(غور کرو مسلمانو! کبھی ہمارا یہ حال تھا..... آج ہم جہاد کو چھوڑ کر کس حال کو پہنچ گئے ہیں)

حضرت خالد بن ولیدؓ باہان کے خیمے کے پاس پہنچے تو اس نے بہت احترام سے آپ کا استقبال کیا اور اپنے برابر بٹھایا۔ مترجم کے ذریعے بات چیت شروع ہوئی۔ پہلے اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف کی۔ پھر قیصر کے بارے میں بولا:

”ہمارا بادشاہ تمام بادشاہوں کا شہنشاہ ہے......“

ابھی وہ یہاں تک ہی کہہ پایا تھا کہ حضرت خالد بول اٹھے:

”تمہارا بادشاہ ضرور ایسا ہو گا، لیکن ہم نے جس شخص کو اپنا سردار بنا رکھا ہے، اگر اسے ایک لمحے کے لیے بھی بادشاہت کا خیال آ جائے تو ہم فوراً اسے معزول کر دیں۔“

باہان نے ان کے خاموش ہونے پر پھر اپنی تقریر شروع کی:

”اے اہل عرب! تمہاری قوم کے لوگ ہمارے ملک میں آ کر آباد ہوئے۔ ہم نے

ہمیشہ ان کے ساتھ دوستانہ سلوک کیے۔ ہمارا خیال تھا، ہمارے اس سلوک کی وجہ سے پورا عرب ہمارا شکر گزار ہو گا، لیکن اس کے خلاف تم ہمارے ملک پر چڑھ آئے، اب تم چاہتے ہو کہ ہمیں ہمارے ملک سے نکال دو...... تم نہیں جانتے...... اس سے پہلے بھی بہت سی قوموں نے ایسا کرنا چاہا، لیکن وہ کامیاب نہیں ہوئیں...... اب تم آئے ہو...... تم سے زیادہ جاہل اور بے ساز و سامان قوم تو اور کوئی بھی نہیں...... اس پر تم نے یہ جرأت کی...... خیر...... در گزر کرتے ہیں...... اگر تم یہاں سے چلے جانا منظور کر لو تو ہم انعام کے طور پر سپہ سالار کو دس ہزار دینار اور افسروں کو ہزار ہزار اور عام سپاہیوں کو سو سو دینار دیں گے۔" باہان یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا۔

اب حضرت خالد بن ولید ؓ نے کہا:

"بے شک تم دولت مند ہو، حکومت کے مالک ہو...... تم نے اپنے ہمسایہ عربوں کے ساتھ جو سلوک کیا ہے، وہ بھی ہمیں معلوم ہے...... لیکن یہ تم نے ان پر کوئی احسان نہیں کیا تھا، بلکہ یہ تمہارا اپنے دین کی اشاعت کا طریقہ تھا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ عیسائی ہو گئے اور وہ آج خود ہمارے مقابلے میں تمہارے ساتھ ہیں...... یہ بھی درست ہے کہ ہم نہایت محتاج، تنگ دست اور خانہ بدوش تھے...... ہمارا حال یہ تھا کہ طاقت ور کمزور کو کچل دیتا تھا، قبائل آپس میں لڑ لڑ کر مر جاتے تھے، ہم نے بہت سے خدا بنا رکھے تھے، انہیں پوجتے تھے، اپنے ہاتھ سے بت تراشتے تھے اور اس کی عبادت کیا کرتے تھے...... اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم فرمایا اور ہم میں ایک پیغمبر بھیجا، وہ خود ہماری قوم سے تھے، ہم میں سب سے زیادہ شریف، پاک باز اور سخی تھے، انہوں نے ہمیں توحید کا سبق دیا، ہمیں بتایا کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں۔ نہ اس کی کوئی بیوی ہے نہ اولاد۔ وہ بالکل یکتا ہے۔ انہوں نے ہمیں یہ بھی حکم دیا کہ ہم ان عقائد کو دنیا کے سامنے پیش کریں...... جو ان کو مان لے، وہ مسلمان ہے، ہمارا بھائی ہے، جو انکار کرے، وہ جزیہ دینا قبول کرے...... ہم اس کی حفاظت کے ذمے دار ہیں...... جو ان دونوں باتوں سے انکار کرے گا، اس سے ہم جہاد کریں گے۔"

باہان نے یہ سن کر سرد آہ بھری اور بولا:

"یہ کسی قیمت پر بھی جزیہ نہیں دیں گے...... ہم تو جزیہ لیتے ہیں، دیتے نہیں۔"

اس طرح کوئی بات طے نہ ہو سکی اور حضرت خالد ؓ واپس آ گئے، چنانچہ لڑائی کی تیاری شروع کر دی گئی۔

حضرت خالد ؓ کے چلے جانے کے بعد باہان نے سرداروں کو جمع کیا اور ان سے بولا:

"تم نے سنا، یہ کیا کہہ گئے ہیں...... ان کا دعویٰ ہے کہ جب تک تم ان کی رعایا نہ بن جاؤ...... جنگ نہیں ٹل سکتی...... کیا تمہیں ان کی غلامی منظور ہے......؟"

وہ سب کے سب پُر جوش انداز میں بول اٹھے:

"ہم مر تو جائیں گے، ان کی غلامی قبول نہیں کریں گے۔"

چنانچہ جنگ کا فیصلہ کر لیا گیا۔ دوسری صبح رومی لشکر اس قدر ساز و سامان کے ساتھ سامنے آیا کہ مسلمان حیران رہ گئے۔ اسلامی فوج کی تعداد صرف ۳۶ ہزار تھی...... جب کہ رومیوں کی تعداد ۲ لاکھ سے زیادہ تھی۔ حضرت خالد بن ولید ؓ نے یہ دیکھ کر اپنی فوج کے ۳۶ حصے کیے اور آگے پیچھے ان کی صفیں قائم کر دیں۔ اس طرح ان کی ۳۶ صفیں بن گئیں۔ فوج کے قلب یعنی درمیان پر حضرت ابو عبیدہ ؓ کو مقرر کیا۔ میمنہ یعنی دائیں حصے پر حضرت عمرو بن عاص ؓ اور حضرت شرحبیل بن حسنہ ؓ کو، جب کہ میسرہ یعنی بائیں بازو پر یزید بن ابی سفیان ؓ کو مقرر فرمایا۔ ان کے علاوہ ہر صف کا بھی ایک افسر تھا اس طرح ۳۶ افسر مقرر کیے...... یہ ۳۶ افسر وہ چنے ہوئے لوگ تھے جو مانے ہوئے جنگجو اور بہادر تھے...... جنگ کی اونچ نیچ کو خوب سمجھتے تھے۔ خطیب حضرات کو پُر جوش تقاریر کرنے پر مامور کیا۔ عمرو بن عاص ؓ بھی خطیبوں میں شامل تھے...... وہ یوں تقریر کر رہے تھے:

"دوستو! نگاہیں نیچی رکھو، برچھیاں تان لو، اپنی جگہ پر جمے رہو...... پھر جب دشمن حملہ آور ہو تو انہیں نزدیک آنے دو، جب وہ برچھیوں کی زد پر آ جائیں، تب ان پر حملہ کرو...... شیر کی طرح ان پر ٹوٹ پڑو۔"

اسلامی لشکر کی تعداد دشمن کے مقابلے میں اگرچہ بہت کم تھی، لیکن ان میں چنے ہوئے حضرات تھے۔ ایسے بزرگ بھی خاص طور پر موجود تھے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کا جمالِ مبارک دیکھا تھا۔ یہ بزرگ ایک ہزار کے قریب تھے۔ ان میں سے بھی ایک سو وہ بزرگ صحابہ تھے جنہوں نے بدر کی لڑائی میں حصہ لیا تھا۔ بدری صحابہ کا تو اپنا مقام ہے۔ پھر عرب کے مشہور قبیلوں میں سے دس ہزار سے زیادہ صرف ازد قبیلے کے تھے...... اسی طرح قبیلہ حمیر کی ایک بڑی جماعت لشکر میں شامل تھی۔ قبیلہ ہمدان، خولان، لخم، جزام وغیرہ کے مشہور بہادر بھی شامل تھے۔ ایک خاص بات یہ تھی کہ اسلامی لشکر میں خواتین بھی شامل تھیں جو مجاہدین کی مختلف خدمات اور

مرہم پٹی وغیرہ پر مامور تھیں۔

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی آواز بہت دل کش تھی۔ وہ فوج کے آگے سورہ انفال پڑھتے جاتے تھے، اس سورۃ میں جہاد کی ترغیب دی گئی ہے۔

دوسری طرف رومیوں کا جوش بھی دیکھنے کے قابل تھا۔ ان کا حال یہ تھا کہ تیس ہزار جنگ جوؤں نے اپنے پیروں میں بیڑیاں ڈال لی تھیں تاکہ پیچھے ہٹنے یا بھاگ نکلنے کا خیال تک دل میں نہ آئے۔

آخر جنگ شروع ہوئی۔ ابتدا رومیوں کی طرف سے ہوئی۔ دو لاکھ کا ٹڈی دل لشکر ایک ساتھ آگے بڑھا...... ہزار ہا پادری ہاتھوں میں صلیبیں لیے آگے بڑھے...... وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نعرے لگا رہے تھے...... یہ ساز و سامان دیکھ کر ایک مسلمان کے منہ سے نکل گیا:

"کتنا بڑا لشکر ہے!"

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے یہ جملہ سن لیا، چنانچہ جھلا کر بولے:

"چپ رہو!...... عیسائی اتنی ہی فوج اور لے آئیں، تو بھی پروا نہیں۔"

غرض عیسائیوں نے نہایت پر جوش انداز میں حملہ کیا...... انہوں نے تیروں کی بارش کر دی...... مسلمان ان کے تیروں کو اپنی ڈھالوں پر روکتے رہے...... لیکن تیروں کی بارش اس قدر زبردست تھی کہ آخر اسلامی لشکر کے میمنہ کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ نہایت بے ترتیبی کے عالم میں پیچھے ہٹنے لگے...... یہاں تک پیچھے ہٹے کہ عورتوں کے خیموں تک پہنچ گئے۔

خواتین نے جب مسلمانوں کو اس طرح پیچھے ہٹتے دیکھا تو وہ طیش میں آگئیں۔ خیموں سے باہر نکل آئیں...... انہوں نے خیموں کی چوبیں اکھاڑ لیں اور پکاریں:

"اگر تم لوگ ہمارے نزدیک آئے تو ہم تمہارے سر ان چوبوں سے توڑ دیں گی...... میدانِ جہاد سے پیچھے ہٹتے ہو!"

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے اشعار پڑھ کر انہیں غیرت دلائی۔ ان خواتین میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ہند رضی اللہ عنہا اور ان کی بہن حضرت جویریہ بھی تھیں۔

ان حالات میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ گھوڑے سے کود پڑے۔ یہ میمنہ پر سپہ سالار تھے...... تلوار ہاتھ میں لی اور بولے:

"میں تو اب پیدل لڑتا ہوں، کوئی اس گھوڑے کا حق ادا کر سکے تو اس کے لیے یہ حاضر

ہے۔"

ان کے بیٹے فوراً بولے:

"ہاں! میں اس کا حق ادا کروں گا، کیونکہ میں سوار ہو کر بہتر لڑتا ہوں۔"

غرض دونوں باپ بیٹے اس قدر بہادری سے لڑے کہ انہیں اس طرح لڑتے دیکھ کر باقی مسلمانوں نے بھی اپنے قدم روک لیے اور جم کر لڑنے لگے۔

قبیلہ زبیدہ کے سردار حجاج اپنے پانچ سو ساتھیوں کو لے کر آگے بڑھے اور ان عیسائیوں کے مقابلے میں دیوار بن گئے جو بڑھتے چلے آ رہے تھے۔

میمنہ میں قبیلہ ازد شروع سے ہی ثابت قدم رہا۔ عیسائیوں نے بہت زور لگایا، لیکن انہیں پیچھے نہ ہٹا سکے ...... وہ پہاڑ کی طرح جمے رہے۔ جنگ کی شدت کا حال یہ تھا کہ بازو اور سر کٹ کٹ کر گر رہے تھے...... لیکن پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لے رہے تھے...... اس قبیلے کے ایک سردار عمرو بن طفیل تھے۔ وہ جنگ کرتے جاتے تھے اور پکارتے جاتے تھے:

"اے قبیلہ ازد...... دیکھنا! تمہاری وجہ سے مسلمانوں پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔"

نو بڑے بڑے رومی سورما جوان ان کے ہاتھ سے مارے گئے، آخر خود بھی شہادت کا جام نوش کیا...... حضرت خالد ؓ نے اس موقعے پر اس شدت کی جنگ کی کہ رومیوں کی صفیں درہم برہم کر دیں۔

حضرت عکرمہ ؓ اسلام لانے سے پہلے کفار کے لشکروں میں شامل رہ کر مسلمانوں کے خلاف لڑ چکے تھے۔ یہ ابوجہل کے بیٹے تھے۔ انہوں نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا اور پکارے:

"عیسائیو! میں کسی زمانے میں مسلمانوں سے لڑتا رہا ہوں، آج تمہارے مقابلے میں بھلا کس طرح پیچھے ہٹ سکتا ہوں۔"

یہ کہا اور اپنی فوج کی طرف رخ کر کے بولے:

"آؤ...... آج موت پر کون بیعت کرتا ہے؟"

چار سو مجاہدین نے موت پر ان سے بیعت کی اور ثابت قدمی سے لڑے۔ یہاں تک کہ سب کے سب شہید ہو گئے۔ ان میں ضرار بن ازد بھی تھے۔ یہ بہت بڑے جنگجو اور بلا کے بہادر تھے...... اسلامی جنگوں میں پہلے ہی بہت معرکے مار چکے تھے۔

یہ حضرات اگرچہ شہید ہو گئے، لیکن انہوں نے رومیوں کے ہزاروں آدمی کاٹ کر رکھ

دیئے تھے...... اس پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے حملوں نے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ انہیں دباتے چلے گئے۔

ادھر میمنہ میں تو جنگ کا یہ حال تھا، دوسری طرف یعنی میسرہ پر ابن قناطیر نے حملہ کیا۔ یہ رومی لشکر کے میمنہ کا سالار تھا۔ اس طرف اسلامی لشکر میں زیادہ لوگ قبیلہ لخم اور غسان کے تھے۔ یہ لوگ شام کے اطراف میں رہنے والے تھے، ایک مدت سے رومیوں کے ماتحت تھے، انہیں جزیہ دیتے تھے، نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور رومیوں کا رعب ان کے دلوں پر طاری تھا، چنانچہ رومیوں کے پہلے ہی حملے میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے...... اس موقعے پر اگر اسلامی فوج کے افسر بہادری نہ دکھاتے تو ان لوگوں کی وجہ سے شکست ہو گئی تھی...... رومی فوج دباؤ ڈالتے ہوئے عورتوں کے خیموں تک پہنچ گئی۔ یہ حالت دیکھ کر عورتیں باہر نکل پڑیں...... اور رومیوں کے مقابلے میں ڈٹ گئیں۔

فتح یرموک

خواتین کچھ اس طرح رومیوں کے مقابلے میں آئیں کہ ان کے بڑھتے قدم رک گئے اور مسلمانوں کے اکھڑتے قدم جم گئے...... اب ان کے خیموں کے پاس جنگ ہونے لگی۔ فوج اگرچہ بے ترتیب ہو گئی تھی...... لیکن افسروں میں سے قباث بن اشیم، سعید بن زید، یزید بن ابی سفیان، عمرو بن عاص، شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہم جم کر لڑے۔ قباث بن اشیم کا حال یہ تھا کہ نیزے اور تلواریں ان کے ہاتھوں سے ٹوٹ کر گر رہے تھے مگر ایک قدم پیچھے نہیں ہٹ رہے تھے۔ نیزہ ٹوٹ کر گرتا تو کہتے!

”کوئی ہے جو اس شخص کو ہتھیار دے جس نے اللہ سے اقرار کیا ہے کہ میدانِ جنگ سے ہٹے گا تو مر کر ہٹے گا۔“ لوگ فوراً تلوار یا نیزہ انہیں پکڑا دیتے۔ وہ پھر شیر کی طرح دشمن پر جھپٹ پڑتے۔

ابو الاعور نے تو یہاں تک کیا کہ گھوڑے سے کود پڑے اور اپنے دستے سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا:

”صبر اور استقلال دنیا میں عزت ہے اور عقبیٰ میں رحمت...... دیکھنا یہ دولت ہاتھ سے

جانے نہ پائے۔"

سعید بن زید ؓ گھٹنے ٹیکے کھڑے تھے۔ رومی ان کی طرف بڑھے تو شیر کی طرح جھپٹے اور ایک افسر کو مار ڈالا۔ اسی طرح یزید بن ابی سفیان ؓ بڑی بے جگری اور ثابت قدمی سے لڑ رہے تھے۔ یہ حضرت امیر معاویہ ؓ کے بھائی تھے۔ ایسے میں ان کے والد حضرت ابو سفیان ؓ ان کی طرف نکل آئے۔ یہ مسلمانوں کو جوش دلاتے پھر رہے تھے۔ بیٹے پر نظر پڑی تو کہنے لگے:

"بیٹا! اس وقت میدان جہاد میں ایک ایک مجاہد بہادری کے جوہر دکھا رہا ہے۔ تو تو سپہ سالار ہے...... تجھے شجاعت دکھانے کا زیادہ حق ہے۔ تیری فوج کا ایک سپاہی بھی اگر تجھ سے بازی لے گیا تو یہ تیرے لیے شرم کی بات ہوگی۔"

حضرت شرحبیل بن حسنہ ؓ کا یہ حال تھا کہ رومیوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ یہ ان کے درمیان پہاڑ کی طرح جمے کھڑے تھے۔ لڑ رہے تھے اور قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کرتے جاتے تھے:

ترجمہ: "اللہ کے ساتھ سودا کرنے والے اور اللہ کے ہمسائے بننے والے کہاں ہیں؟"

یہ آواز جس جس کے کان میں پڑی، وہ لڑائی کے میدان میں پوری طرح جم گیا۔ اس طرح اکھڑی ہوئی اور بے ترتیب فوج پھر سے سنبھل گئی۔ شرحبیل بن حسنہ ؓ انہیں ساتھ لے کر آگے بڑھے اور رومیوں کی پیش قدمی کو روک کر رکھ دیا۔

عورتوں نے بھی اس موقعے پر کمال کی بہادری دکھائی...... وہ بھی رومیوں کے مقابلے پر ڈٹ گئیں۔ ان سے بھی مسلمانوں کو بہت ڈھارس ملی...... عورتوں نے چلا چلا کر ان سے یہ الفاظ کہے:

"میدان سے قدم ہٹایا تو پھر ہمارا منہ نہ دیکھنا۔"

اب تک جنگ برابر کی جاری تھی...... دونوں لشکر پوری طرح ڈٹے ہوئے تھے...... بلکہ رومیوں کا پلہ قدرے بھاری تھا۔ ایسے میں اچانک حضرت قیس بن ہبیرہ لشکر کے پیچھے سے نکل کر سامنے آئے...... انہیں حضرت خالد بن ولید ؓ نے فوج کے ایک حصے پر افسر مقرر کر رکھا تھا۔ انہیں اس حصے کے لشکر کے پچھلی طرف رہنے کا حکم تھا...... یہ اس موقعے پر آگے آئے اور اس طرح رومیوں پر ٹوٹے کہ رومی سردار خود کو سنبھال نہ سکے...... انہوں نے اپنے قدم جمانے

کی پوری کوشش کر ڈالی۔ ایڑی سے لے کر چوٹی تک کا زور لگا ڈالا...... مگر قیس بن ہبیرہ کے حملے سے ان کے اکھڑے قدم رک نہ سکے۔ یہاں تک کہ ان کی صفیں درہم برہم ہو گئیں...... ان کے ساتھ ہی حضرت سعید بن زید ؓ نے لشکر کے قلب سے نکل کر حملہ کیا۔ رومی پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ ان کی پشت پر ایک نالہ تھا۔ وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے اس نالے کے کنارے تک پہنچ گئے ......اب جنگ اس نالے کے پاس ہونے لگی...... رومیوں کی لاشیں اس میں گرنے لگیں۔ اس قدر لاشیں گریں کہ وہ نالہ ان سے بھر گیا۔

ایسے میں ایک خاص واقعہ بھی ہوا۔ گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ حباش بن قیس بڑی بہادری سے لڑ رہے تھے...... اس دوران کسی نے ان کے پاؤں پر تلوار کا وار کیا۔ ان کا پاؤں کٹ کر الگ ہو گیا۔ انہیں پتا تک نہ چلا...... کہ پاؤں کٹ کر جسم سے الگ ہو گیا...... کچھ دیر بعد جب پتا چلا تو میدان جنگ میں تلاش کرنے لگے کہ میرا پاؤں کہاں گیا۔ ان کے قبیلے کے لوگ اس واقعے پر فخر کیا کرتے تھے۔

قیس بن ہبیرہ کے حملے کے بعد رومیوں کے جو پاؤں اکھڑے تو پھر وہ جم نہ سکے...... بھاگتے چلے گئے...... رہی سہی کسر اس نالے نے پوری کر دی...... مورخین نے لکھا ہے کہ ایک لاکھ کے قریب رومی مارے گئے...... بعض مورخین نے تعداد اس سے کم یا زیادہ بھی لکھی ہے۔ مسلمان تین ہزار کے قریب شہید ہوئے۔

روم کا بادشاہ قیصر اس وقت انطاکیہ میں تھا...... اسے اپنے لشکر کی شکست کی خبر وہیں ملی۔

اس نے اسی وقت وہاں سے چلنے کی ٹھانی اور چلتے وقت یہ الفاظ کہے:

”الوداع اے شام۔“

حضرت ابو عبیدہ ؓ نے فتح کی خبر حضرت عمر ؓ کو بھیج دی۔ حضرت عمر ؓ یرموک کی خبر کے انتظار میں مسلسل جاگ رہے تھے۔ سو نہیں سکے تھے۔ فتح کی خبر ملی تو انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ فوراً سجدے میں گر پڑے۔

حضرت ابو عبیدہ ؓ یرموک سے واپس حمص آ گئے۔ انہوں نے حضرت خالد بن ولید ؓ کو قنسرین کی طرف روانہ کیا...... پہلے پہل تو شہر کے لوگوں نے مقابلہ کیا...... پھر قلعے میں بند ہو کر بیٹھ گئے۔ آخر جزیے کی شرط پر صلح کر لی، اس قلعے میں بہت سے عرب قبائل بھی آ کر آباد ہو گئے تھے...... وہ وہاں خانہ بدوشوں کی طرح رہتے تھے، لیکن پھر انہوں نے وہاں

مستقل رہائش بنالی تھی۔ حضرت ابو عبیدہ ؓ نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہو گئے۔ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو مسلمان نہیں ہوئے تھے...... لیکن چند دن بعد وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ یہاں قبیلہ "طے" کے بعد بہت سے لوگ آباد تھے، انہوں نے اپنی خوشی سے اسلام قبول کر لیا۔

قنسرین کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہ ؓ نے حلب کا رخ کیا۔ اس شہر حلب سے باہر میدان میں بہت سے قبائل آباد تھے۔ انہوں نے جزیے کی شرط پر صلح کر لی...... کچھ مدت بعد یہ بھی مسلمان ہو گئے...... قلعے کے لوگوں نے اسلامی لشکر کی آمد کی خبر سن کر قلعے کے دروازے بند کر لیے تھے...... آخر انہوں نے صلح کرنے خواہش ظاہر کی...... اس لشکر کے سالار عیاض بن غنم ؓ تھے، آخر رومیوں نے صلح کی درخواست کی۔ عیاض بن غنم ؓ نے ان کی حفاظت کا معاہدہ لکھ دیا۔

حلب کے بعد انطاکیہ کی باری آئی۔ یہ قیصر کا خاص دارالحکومت تھا۔ رومیوں اور عیسائیوں نے بڑی تعداد میں آ کر یہاں پناہ لی تھی۔ حضرت ابو عبیدہ ؓ نے ہر طرف سے انطاکیہ کا محاصرہ کر لیا۔ چند روز بعد عیسائیوں نے مجبور ہو کر صلح کر لی۔ ان مقامات کی فتح نے مسلمانوں کا رعب قائم کر دیا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ کوئی مسلمان مجاہد تھوڑی سی تعداد میں مسلمانوں کو ساتھ لے کر کسی طرف نکل جاتا تو عیسائی خود آ کر صلح کی درخواست کرتے تھے۔

انطاکیہ کے بعد حضرت ابو عبیدہ ؓ نے چاروں طرف فوجیں پھیلا دیں۔ اس طرح چھوٹے چھوٹے علاقے آسانی سے فتح ہوتے چلے گئے...... خون کا ایک قطرہ بھی نہ بہانا پڑا۔

انطاکیہ کے پاس ایک مقام بغراس تھا۔ اس جگہ سے عرب کے بہت سے قبائل مثلاً غسان، تنوخ اور ریاد وغیرہ رومیوں کے ساتھ مل کر ہرقل کے پاس جانے کی تیاری کر رہے تھے...... حضرت حبیب بن مسلمہ ؓ نے ان پر حملہ کر دیا۔ زبردست جنگ ہوئی...... ہزاروں رومی اور قبائلی عرب قتل ہوئے...... اسی طرح حضرت خالد بن ولید ؓ نے مرعش پر حملہ کیا...... عیسائیوں نے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ شہر چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے اپنے زمانے میں شام پر چڑھائی کی تھی تو ہر صوبے کی طرف الگ الگ سالار روانہ فرمائے تھے۔ ان میں حضرت عمرو بن عاص ؓ بھی تھے۔ انہیں فلسطین کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ حضرت عمرو بن عاص ؓ نے حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے

زمانے ہی میں کئی مقامات فتح کر لیے تھے۔ پھر حضرت عمر ؓ کے عہد میں نابلس اور عمواس پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ کوئی ضرورت پیش آتی تو حضرت عمرو بن عاص ؓ فلسطین کے علاقے کو چھوڑ کر حضرت ابو عبیدہ ؓ کی مدد کو پہنچ جاتے اور فارغ ہونے پر پھر لوٹ جاتے، یہاں تک کہ فلسطین کے آس پاس کے تمام شہر مسلمانوں نے فتح کر لیے...... اب وہ فلسطین کی طرف متوجہ ہوئے...... عیسائی قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے...... اس وقت تک حضرت ابو عبیدہ ؓ شام کے قریب قریب تمام ضلعے فتح کر چکے تھے۔ چنانچہ ادھر سے فارغ ہو کر انہوں نے فلسطین کا رُخ کیا۔

اب عیسائی ہمت ہار گئے۔ انہوں نے صلح کی پیش کش کی...... اور شرط یہ عاید کر دی کہ مسلمانوں کے خلیفہ خود آ کر ان سے صلح کریں...... صلح نامہ ان کے ہاتھ سے لکھا جائے۔

حضرت ابو عبیدہ ؓ نے اس پیش کش کے بارے میں حضرت عمر ؓ کو خط لکھا۔ اس کے الفاظ یہ تھے:

”اگر آپ خود تشریف لے آئیں تو بیت المقدس جنگ کے بغیر فتح ہو سکتا ہے...... عیسائیوں نے پیش کش کی ہے کہ آپ خود آ کر صلح کریں اور صلح کی شرائط آپ خود لکھیں“۔

بیت المقدس کی فتح

حضرت عمر ؓ کو یہ پیغام ملا تو آپ نے بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع فرما لیا۔ ان سے مشورہ کیا کہ اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے۔ حضرت علی ؓ نے یہ مشورہ دیا۔

”انہوں نے بلایا ہے تو آپ کو جانا چاہیے۔“

آخر حضرت عمر ؓ نے حضرت علی ؓ کے مشورے کو پسند فرمایا اور سفر کے لیے تیار ہو گئے۔ حضرت علی ؓ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ آپ رجب ۱۶ ہجری میں مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ اور اس انداز سے روانہ ہوئے کہ نہ تو کوئی فوجی دستہ ساتھ لیا، نہ باڈی گارڈ...... نہ خدمت گزاروں کی فوج ساتھ لی...... نہ کسی اور قسم کا ساز و سامان ساتھ لیا...... یہاں تک کہ خیمہ بھی ساتھ نہ لیا...... سواری کے لیے اونٹ تھا اور صرف چند مہاجرین اور انصار ساتھ تھے......

آپ نے فوج کے سالاروں کو پیغام بھیجا کہ جابیہ کے مقام پر ان سے آملیں۔ چنانچہ حضرت یزید بن ابی سفیان ؓ اور حضرت خالد بن ولید ؓ نے اسی مقام پر آپ کا استقبال کیا۔

آپ شہر کے قریب پہنچے تو ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نظر دوڑائی۔ دمشق کے بلند و بالا اور دلکش مکانات آپ کے سامنے تھے۔

جابیہ میں کچھ دن قیام فرمایا...... عیسائیوں کو آپ کی آمد کی خبر مل چکی تھی...... چنانچہ وہ بھی اسی مقام پر پہنچ گئے...... یہ لوگ شہر کے رئیس تھے...... جب یہ لوگ پہنچے، اس وقت حضرت عمر ؓ فوج کے حلقے میں بیٹھے تھے...... مسلمانوں نے ان لوگوں کو آتے دیکھا تو خیال کیا کہ یہ لوگ حملہ کرنے کی نیت سے آگے بڑھے چلے آرہے ہیں، چنانچہ انہوں نے فوراً ہتھیار سنبھال لیے۔ حضرت عمر ؓ نے پوچھا۔

"کیا بات ہے تم نے ہتھیار کیوں سنبھال لیے؟"

انہوں نے آنے والوں کی طرف اشارہ کیا...... ان کے کندھوں سے تلواریں لٹک رہی تھیں۔ ان کی طرف دیکھ کر حضرت عمر ؓ نے فرمایا:

"گھبراؤ نہیں...... یہ لوگ تو امان طلب کرنے کے لیے آئے ہیں۔"

اس طرح عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان معاہدہ ہوا...... اس پر دستخط کیے گئے۔ معاہدہ ہو چکا تو حضرت عمر ؓ فلسطین میں داخل ہونے کے ارادے سے اٹھے۔ ان کے لیے گھوڑا لایا گیا...... گھوڑے کے سموں میں کچھ خرابی تھی، چنانچہ آپ کے لیے ایک عمدہ ترکی نسل کا گھوڑا لایا گیا۔ آپ اس پر سوار ہونے لگے تو وہ شوخی دکھانے لگا...... آپ اس پر بھی سوار نہ ہوئے اور پیدل بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ بیت المقدس نزدیک آیا تو حضرت ابوعبیدہ ؓ اور دوسرے سالار استقبال کے لیے آئے۔ اس وقت حضرت عمر کا لباس بہت معمولی تھا۔ اس لباس کو دیکھ کر ان حضرات نے سوچا، آپ کا لباس قیمتی ہونا چاہیے...... تاکہ بیت المقدس کے لوگوں پر اثر پڑے۔ چنانچہ ترکی گھوڑے کے ساتھ ایک قیمتی پوشاک بھی پیش کی، اس کو دیکھ کر حضرت عمر ؓ نے فرمایا:

"اللہ نے ہمیں جو عزت دی ہے، وہ اسلام کی عزت ہے...... اور ہمارے لیے یہی کافی ہے۔"

غرض اسی حالت میں بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے مسجد میں گئے۔

محراب داؤد کے پاس جا کر سورۂ ص کی آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ کیا۔ پھر عیسائیوں کے گرجے میں آئے...... ادھر اُدھر گھوم پھر کر اس کو دیکھا...... بیت المقدس میں آپ نے کئی دن تک قیام کیا...... ضروری احکامات جاری کیے۔ ایک دن حضرت بلال ؓ نے آ کر یہ شکایت کی:

"اے امیر المومنین! ہمارے افسر پرندوں کا گوشت اور میدے کی روٹیاں کھاتے ہیں...... لیکن عام مسلمانوں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے افسران کی طرف دیکھا تو انہوں نے کہا:

"امیر المومنین! اس ملک میں تمام چیزیں مل سکتی ہیں...... جتنی قیمت پر حجاز میں روٹی اور کھجور ملتی ہے، یہاں اسی قیمت پر پرندے کا گوشت اور میدہ ملتا ہے۔"

یہ سن کر آپ نے حکم فرمایا:

"مالِ غنیمت اور تنخواہ کے علاوہ ہر سپاہی کا کھانا بھی مقرر کیا جائے۔"

ایک دن نماز کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے درخواست کی۔

"اے بلال! آج آپ اذان دیں۔"

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا:

"میں عزم کر چکا ہوں کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد کسی کے لیے اذان نہیں دوں گا...... تاہم آپ کی فرمائش کو بھی ٹال نہیں سکتا...... چنانچہ صرف آج اذان دے دیتا ہوں۔"

جب انہوں نے اذان شروع کی تو تمام صحابہ کو حضرت ﷺ کا عہد مبارک یاد آ گیا۔ سب پر رقت طاری ہو گئی۔ حضرت ابو عبیدہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما تو روتے روتے بے تاب ہو گئے۔ حضرت عمر ؓ کی بھی ہچکی بندھ گئی۔ دیر تک یہ اثر باقی رہا۔ اس طرح کا واقعہ ایک بار مدینہ منورہ میں پیش آیا۔

ایک دن مسجد اقصیٰ گئے۔ وہاں کعب احبار رحمہ اللہ کو بلایا اور ان سے پوچھا:

"نماز کہاں پڑھی جائے۔"

یہ پہلے یہودی تھے...... اس بنیاد پر ان سے یہ پوچھا...... کیونکہ انہیں مسجد اقصیٰ کے بارے میں زیادہ معلوم تھا۔ انہوں نے عرض کیا:

"صخرہ کے پاس پڑھیں۔"

مسجد اقصیٰ میں بھی حجر اسود کی طرح ایک پتھر ہے۔ یہ پتھر انبیاء علیہم السلام کی یادگار ہے۔

اس پتھر کو صخرہ کہتے ہیں۔

اسلامی فتوحات کا دائرہ روز بروز بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اس لیے ہمسایہ سلطنتوں کو خوف محسوس ہوا کہ اب ہماری باری بھی آئے گی۔ چنانچہ جزیرہ کے لوگوں نے قیصر کو لکھا:

”نئے سرے سے ہمت کریں، ہم ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں......“

ان کا پیغام سن کر قیصر نے ایک بڑی فوج حمص کی طرف روانہ کی۔ جزیرے والے ۳۰ ہزار کی فوج کے ساتھ حمص کی طرف بڑھے۔

حضرت ابوعبیدہ ؓ نے بھی ان کے مقابلے کے لیے تیاریاں شروع کر دیں۔ اور حضرت عمر ؓ کو تمام حالات کی اطلاع دی...... حضرت عمر ؓ آٹھ بڑے شہروں میں فوجی چھاؤنیاں قائم کر رکھی تھیں۔ ہر مقام پر چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت تیار رہتے تھے، تاکہ کوئی فوری ضرورت پیش آ جائے تو ہر جگہ سے فوجیں روانہ ہو کر موقعے پر پہنچ سکیں۔ حضرت ابوعبیدہ ؓ کا خط ملتے ہی آپ نے ہر طرف گھوڑے دوڑا دیے۔

قعقاع بن عمرو ؓ اس وقت کوفہ میں تھے۔ آپ نے انہیں لکھا:

”فوراً چار ہزار فوج لے کر حمص پہنچ جائیں۔“

سہل بن عدی کو لکھا:

”آپ جزیرہ پہنچ کر جزیرہ والوں کو حمص کی طرف بڑھنے سے روک دیں۔“

اسی طرح ولید بن عقبہ کو روانہ فرمایا کہ جزیرہ پہنچ کر عرب کے ان قبائل کو روکیں جو جزیرے میں آباد تھے۔

جزیرے والوں نے جب سنا کہ خود ان کے ملک میں مسلمانوں کے قدم آ گئے ہیں تو حمص کی فوج کا ساتھ چھوڑ کر جزیرے کی طرف چل پڑے۔ عرب کے جو قبائل عیسائیوں کی مدد کے لیے آئے تھے، وہ بھی ڈر گئے...... انہوں نے حضرت خالد ؓ کو خفیہ پیغام بھیجا کہ آپ پسند کریں تو ہم اسی وقت، ورنہ عین لڑائی کے وقت عیسائیوں سے الگ ہو جائیں۔

حضرت ابوعبیدہ ؓ کی وفات

حضرت خالد بن ولید ؓ نے انہیں پیغام بھیجا:

''ہمیں تمہارے ٹھہرنے اور چلے جانے کی بالکل پروا نہیں ...... تاہم اگر تم سچے ہو تو محاصرہ چھوڑ کر کسی طرف نکل جاؤ......''

اب حضرت ابو عبیدہ ؓ نے اسلامی لشکر کے سامنے پُر جوش تقریر کی...... انہوں نے فرمایا:

''مسلمانو! آج جو ثابت قدم رہ گیا، وہ زندہ بچا تو ملک اور مال ہاتھ آئے گا اور مارا گیا تو شہادت کی دولت ملے گی، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اس حالت میں مرے کہ اس نے شرک نہ کیا ہو تو وہ ضرور جنت میں جائے گا۔''

ان کی تقریر نے مسلمانوں میں اور جوش بھر دیا...... حملہ کرنے کے لیے تو وہ پہلے ہی تیار تھے۔ سب نے ہتھیار سنبھال لیے......۔

حضرت خالد بن ولید ؓ لشکر کے دائیں طرف اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ لشکر کے بائیں طرف تھے...... درمیان میں حضرت ابو عبیدہ ؓ تھے۔ یہ سب حضرات اسلامی لشکر کو ساتھ لے کر آگے بڑھے۔

حضرت قعقاع ؓ اس لشکر کی مدد کے لیے کوفہ سے چار ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے، وہ ابھی راستے میں تھے کہ جنگ چھڑنے کی خبر سنی...... فوراً سو گھوڑ سواروں کے ساتھ تیزی سے آگے لپکے...... اس لیے کہ پورے لشکر کو ساتھ لے کر وہاں پہنچنے میں دیر ہو سکتی تھی...... لہٰذا لشکر سے الگ ہو کر آگے بڑھ گئے...... اور اسلامی لشکر تک پہنچ گئے۔ اسلامی لشکر اس وقت تک جنگ شروع کر چکا تھا...... یہ بھی ''اللہ اکبر'' کا نعرہ لگا کر میدانِ جنگ میں کود گئے......

مسلمانوں کے پہلے ہی حملے میں عرب قبائل پسپا ہو گئے، جیسا کہ انہوں نے پہلے ہی طے کر لیا تھا۔ بس ان کے پسپا ہوتے ہی عیسائیوں کے بھی چھکے چھوٹ گئے۔ اس کے بعد تو بس وہ بہت تھوڑی دیر میدان میں ٹھہر سکے...... پھر بدحواس ہو کر بھاگے...... شام کے عیسائیوں کے ساتھ یہ صحابہ کرام کی آخری جنگ تھی...... اس کے بعد عیسائیوں کو مزید لڑنے کی ہمت نہ ہوئی۔

ان فتوحات کے دوران ایک خاص واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ حضرت عمر ؓ نے حضرت خالد بن ولید ؓ کو سپہ سالاری سے ہٹا دیا تھا اور حضرت ابو عبیدہ ؓ کو سپہ سالاری سونپ دی تھی...... حضرت خالد ؓ پھر بھی ایک افسر کی حیثیت سے اسلامی لشکر میں شامل رہے تھے...... یہ بات نہیں کہ انہیں بالکل ہی اسلامی لشکر سے الگ کر دیا تھا، جیسا کہ بعض لوگ بیان کرتے ہیں۔ اس

سلسلے میں بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے خلیفہ بنتے ہی پہلا حکم حضرت خالد بن ولیدؓ کی معزولی کا دیا تھا...... جب کہ یہ بات بالکل غلط ہے...... حضرت عمرؓ ۱۳ ہجری میں خلیفہ بنے تھے...... جب کہ حضرت خالد بن ولیدؓ کو ۱۷ ہجری میں سپہ سالاری سے ہٹایا گیا...... اگرچہ ان کی ایک تجربہ کار افسر کی حیثیت باقی رہی تھی۔ اس بارے میں بہت سی مختلف روایات تاریخ کی کتابوں میں درج ہیں...... اس سلسلے میں خود حضرت عمرؓ کے الفاظ آپ پڑھ لیں...... حضرت خالد بن ولیدؓ جنگوں سے فارغ ہونے کے بعد جب مدینہ منورہ آئے تو حضرت عمرؓ نے انہیں دیکھ کر فرمایا:

"خالد! اللہ کی قسم! تم مجھے محبوب ہو، میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔"

اس کے بعد آپ نے تمام گورنروں کو یہ پیغام ارسال فرمایا:

"میں نے خالد کو کسی ناراضی یا خیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں دیکھتا تھا، لوگ اس خیال پر پختہ ہوتے جا رہے ہیں کہ مسلمانوں کو فتح خالد کی سپہ سالاری کی وجہ سے ہو رہی ہے...... جب کہ ایسا نہیں ہے۔ فتوحات تو ہمیں اللہ تعالیٰ عطا کر رہے ہیں...... بس میں لوگوں کا بتانا چاہتا تھا کہ جو کچھ کرتا ہے، اللہ کرتا ہے......"

معلوم ہوا کہ اصل مصلحت یہ تھی، لہٰذا ہمیں اختلافی روایات میں پڑ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے دل میں کسی بدگمانی کو جگہ نہیں دینا چاہیے۔

۱۸ ہجری میں شام، مصر اور عراق میں طاعون کی وبا پھیلی، حضرت عمرؓ کو جب اس وبا کے پھیلنے اور بڑی تعداد میں لوگوں کے ہلاک ہونے کی خبر ملیں تو انتظامات کے لیے خود روانہ ہوئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا:

"بیماری کا زور بڑھتا ہی جا رہا ہے۔"

اس پر آپ نے مہاجرین اور انصار کو بلایا اور ان سے مشورہ کیا۔ لوگوں نے مختلف مشورے دیے۔ ایک صاحب نے کہا:

"آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔"

حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا:

"ہم کل یہاں سے روانہ ہوں گے۔"

ان کی یہ بات سن کر حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا:

''اے عمر! اللہ کی تقدیر سے بھاگتے ہو؟''

جواب میں حضرت عمر ؓ نے فرمایا:

''ہاں! تقدیر الٰہی سے بھاگتا ہوں ..... مگر بھاگتا بھی تو تقدیر الٰہی کی طرف ہوں۔''

اس کے بعد حضرت عمر ؓ مدینہ منورہ چلے آئے اور حضرت ابوعبیدہ ؓ کو لکھا:

''مجھے آپ سے کچھ کام ہے ..... آپ کچھ دن کے لیے مدینہ منورہ چلے آئیں۔''

حضرت ابوعبیدہ ؓ سمجھ گئے کہ حضرت عمر ؓ انہیں اس وبا کے خوف سے مدینہ منورہ میں بلا رہے ہیں، چنانچہ جواب میں لکھ بھیجا:

''میں مسلمانوں کو یہاں چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لیے یہاں سے نہیں آؤں گا۔''

حضرت عمر ؓ یہ خط پڑھ کر رو پڑے اور پھر انہیں لکھا:

''اس وقت فوج جہاں موجود ہے..... وہ جگہ نشیب میں ہے، اور مرطوب ہے، آپ لشکر کو لے کر کسی اور جگہ چلے جائیں۔''

حضرت ابوعبیدہ ؓ نے حکم کی تعمیل کی اور جابیہ میں چلے گئے..... وہاں پہنچ کر حضرت ابوعبیدہ ؓ اس بیماری کی زد میں آ گئے۔ آپ نے لوگوں کو جمع کیا۔ انہیں نصیحتیں فرمائیں، آپ نے حضرت معاذ بن جبل ؓ کو اپنی جگہ سپہ سالار مقرر فرمایا..... اس وقت نماز کا وقت ہو چکا تھا، چنانچہ ان سے کہا:

''آپ نماز پڑھائیں۔''

حضرت معاذ بن جبل ؓ نے نماز پڑھائی..... ادھر سلام پھیرا، اُدھر حضرت ابوعبیدہ ؓ انتقال کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت ابوعبیدہ ؓ کا نام عامر بن عبداللہ بن جراح تھا۔ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، یعنی وہ ان دس صحابہ کرام میں شامل ہیں جنہیں دنیا میں جنتی ہونے کی بشارت ملی۔ اسلام لانے میں آپ کا نواں نمبر ہے۔ یعنی اسلام لانے میں بھی سب سے پہلوں میں شامل ہیں۔ آپ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں بھی شامل تھے..... پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ تمام غزوات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ آپ کا والد ایمان نہیں لایا تھا۔ آپ نے غزوہ بدر میں اس سے بھی جنگ کی، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی:

ترجمہ: ''اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے والوں کو تم کبھی نہیں دیکھو گے کہ وہ خدا

اور رسول کے دشمنوں سے محبت رکھتے ہیں، اگرچہ وہ ان کے ماں باپ ہوں یا
اولاد یا بھائی یا رشتہ دار ہوں"۔ (سورۃ المجادلہ)

غزوہ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک میں خود کی دو کڑیاں گڑ گئی تھیں تو حضرت ابو عبیدہؓ نے ان کڑیوں کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر کھینچا تھا اور اس کوشش میں ان کے سامنے کے دو دانت نکل گئے تھے...... اللہ کی قدرت کہ یہ دو دانت نکلنے کے باوجود ان کا چہرہ پہلے کی نسبت زیادہ خوبصورت ہو گیا تھا۔ آپ کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے، اس امت کے امین ابو عبیدہ بن جراح ہیں۔"

(بخاری مسلم، مشکوٰۃ)

حضرت عمرؓ جب ملک شام تشریف لے گئے تو اس وقت حضرت ابو عبیدہؓ اسلامی لشکر کے سپہ سالار تھے...... حضرت عمرؓ ان کے خیمے میں داخل ہوئے تو آپ کو وہاں سوائے تلوار اور ڈھال کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ اس پر آپ نے فرمایا:

"کاش آپ اپنے پاس کچھ تو سامان رکھ لیتے۔"

وفات کے وقت آپ کی عمر ۵۸ سال تھی...... آپ کا قد لمبا، جسم دبلا پتلا تھا۔ آپ کی داڑھی ہلکی تھی...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے بہت محبت کرتے تھے...... اسی محبت کی نسبت سے ہمیں بھی حضرت ابو عبیدہؓ سے محبت ہے...... اللہ ان پر کروڑوں رحمتیں نازل کرے۔ آمین۔

طاعون کی وبا کی وجہ سے اسلامی فتوحات کا سلسلہ رک گیا...... ہزاروں افراد اس وبا کی نذر ہو گئے...... ان حالات میں حضرت عمرؓ نے شام کا رخ کیا، مدینہ منورہ کی ذمے داری حضرت علیؓ کو سونپی۔ آپ کا غلام یرفا آپ کے ساتھ تھا۔

خوزستان کا معرکہ

حضرت عمر فاروقؓ کے غلام یرفا کے علاوہ ان کے ساتھ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ ایک مقام ایلہ کے قریب پہنچے تو اپنی سواری سے اتر گئے، اس پر غلام کو بٹھا دیا، خود اونٹ پر

سوار ہو گئے۔ راستے میں کوئی پوچھتا:

"امیر المومنین کہاں ہیں؟"

تو جواب میں فرماتے:

"تمہارے آگے ہیں۔"

اسی طرح ایلہ میں داخل ہوئے، یہاں دو دن ٹھہرے۔ آپ کا کرتہ سفر کے دوران سواری کے کجاوے سے رگڑ کھا کھا کر پھٹ گیا تھا۔ اسے مرمت کے لیے ایلہ کے پادری کو دیا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے پیوند لگا دیا، ساتھ میں ایک نیا کرتہ آپ کو پیش کیا۔ آپ نے اپنا کرتہ پہنا اور فرمایا:

"اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔"

آپ ایلہ سے دمشق آئے۔ اس کے ضلعوں میں دو دو چار چار دن قیام فرماتے رہے۔ مناسب انتظام فرماتے رہے۔ جو لوگ وبا میں ہلاک ہو گئے تھے۔ ان کے وارثوں کو بلا کر ان کی جائیداد وغیرہ ان کے حوالے کیں...... وبا کی وجہ سے جو جگہیں خالی ہو گئی تھیں، ان جگہوں پر نئے آدمی مقرر کیے۔

اس سال سخت قحط پڑا۔ آپ نے قحط کے دنوں میں اس قدر زبردست انتظامات کیے کہ لاکھوں لوگوں کو بھوک سے بچا لیا گیا...... اسی سال آپ نے مہاجرین، انصار اور دوسرے قبائل کی تنخواہیں مقرر کیں۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح ؓ کی وفات کے بعد آپ نے اسلامی لشکر کی ذمے داری حضرت یزید بن ابی سفیان ؓ کو سونپی...... انھیں قیساریہ کی مہم پر روانہ فرمایا۔ یہ شہر فلسطین کے ضلعوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس زمانے میں بڑا شہر تھا۔ اس میں تین سو بازار تھے۔

اس شہر پر سب سے پہلے ۱۳ ہجری میں حضرت عمرو بن عاص ؓ نے چڑھائی کی تھی۔ کافی عرصے تک شہر کا محاصرہ جاری رہا، لیکن فتح نہ ہو سکا۔ حضرت ابوعبیدہ ؓ کی وفات کے بعد جب یزید بن ابی سفیان ؓ سالار مقرر ہوئے تو انہیں اس شہر پر حملے کا حکم ہوا۔

اسلامی لشکر ۱۷ ہزار مجاہدین پر مشتمل تھا، یہاں پہنچ کر یزید بن ابی سفیان ؓ بیمار ہو گئے۔ انہوں نے لشکر پر حضرت امیر معاویہ ؓ کو مقرر فرمایا۔

حضرت امیر معاویہ ؓ نے ساز و سامان کے ساتھ قیساریہ کا محاصرہ کیا...... شہر کے لوگ

شہر سے نکل کر حملے کرتے رہے...... جب انہیں شکست ہونے لگتی تو فوراً شہر میں چلے جاتے اور دروازے بند کر لیتے...... اس طرح شہر فتح ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ ایک دن ایک یہودی حضرت امیر معاویہ ؓ کے پاس آیا...... اس کا نام یوسف تھا...... اس نے ایک سرنگ کے بارے میں بتایا۔ وہ شہر کے اندر تک جاتی تھی۔ حضرت امیر معاویہ ؓ نے چند بہادروں کو اس سرنگ کے ذریعے قلعے کے اندر جانے کا حکم دیا۔ انہوں نے اندر پہنچ کر دروازہ کھول دیا، دروازہ کھلتے ہی اسلامی لشکر اندر داخل ہو گیا اور عیسائیوں پر ٹوٹ پڑا۔ قلعے میں عیسائیوں کی فوج تقریباً ۸۰ ہزار تھی۔ ان میں سے بہت کم زندہ بچے۔ قیساریہ ایک خاص علاقہ تھا۔ اس کی فتح سے عیسائیوں کے دم خم نکل گئے۔

مسلمانوں کی پے در پے فتوحات نے عراق اور آس پاس کے علاقوں کو پریشان کر دیا...... اب یہ لوگ بھی مسلمان سے جنگ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ سب سے پہلے جزیرہ نے ہتھیار سنبھالے۔ جزیرے کی سرحد عراق سے بالکل ملی ہوئی ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے ان حالات کی اطلاع حضرت عمر ؓ کو دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً ایک لشکر ترتیب دیا، اس کی کمان عبداللہ بن معتم کو سونپی۔ لشکر کی تعداد پانچ ہزار تھی۔ یہ لشکر تکریت کی طرف بڑھا۔ تکریت الجزیرہ کا سب سے پہلا شہر ہے۔ عبد اللہ بن معتم نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ ایک ماہ تک جاری رہا۔ ۲۴ مرتبہ حملے ہوئے۔ ایرانیوں کے ساتھ عرب قبائل بھی شریک تھے۔ عبداللہ بن معتم نے انہیں خفیہ پیغام بھیجا۔ انہیں شرم دلائی کہ تم عرب ہو کر عجمیوں کی غلامی کر رہے ہو......

اس پیغام کا اثر یہ ہوا کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور پیغام بھیجا کہ تم شہر پر حملہ کرو، ہم عین موقعے پر ایرانیوں سے ٹوٹ کر تم سے آملیں گے۔ اس طرح حملے کی تاریخ طے ہو گئی۔ عبداللہ بن معتم نے حملہ کیا۔ ایرانی مقابلے کے لیے نکلے۔ ان کے ساتھ عربوں نے عقب سے ان پر حملہ کر دیا۔ اب ایرانی دونوں طرف سے گھر گئے۔ اس طرح ان کی بڑی تعداد ماری گئی۔ شہر فتح ہو گیا، جزیرے کے باقی علاقے بھی فتح ہو گئے اور پورا جزیرہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

۱۵ ہجری میں حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ کو بصرہ کا حاکم مقرر کیا گیا۔ بصرہ کی سرحد کے ساتھ ایرانی شہر خوزستان کی سرحد ملی ہوئی تھی۔ اس بنیاد پر حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ نے سوچا،

جب تک خوزستان کو فتح نہیں کر لیا جاتا، یہاں امن قائم نہیں ہو سکتا، انہوں نے خوزستان کی طرف چڑھائی کی، راستے میں اہواز تھا، پہلے اہواز کی باری آئی...... اہواز کے گورنر نے جلد ہی ہار مان لی اور صلح کر لی...... انہی دنوں مغیرہ بن شعبہ ؓ کو معزول کر دیا گیا۔ ان کی جگہ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کو حاکم مقرر کیا گیا۔ اس تبدیلی کی وجہ سے اہواز کے حاکم نے جزیے کی سالانہ رقم بند کر دی اور اعلانیہ بغاوت کر دی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے اہواز کا محاصرہ کر لیا...... جنگ ہوئی اور ایرانیوں نے ایک بار پھر شکست کھائی...... شہر فتح ہو گیا۔ بہت مال غنیمت ہاتھ آیا۔ ہزاروں لونڈیاں اور غلام آپس میں تقسیم کیے گئے۔ حضرت عمر ؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے ان سب غلاموں کو رہا کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ سب کو رہا کر دیا گیا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے اہواز کی فتح کے بعد مناذر شہر کا رخ کیا۔ یہ ایک مضبوط شہر تھا۔ اسلامی لشکر نے شہر پر حملہ کیا...... شہر والوں نے زبردست مقابلہ کیا۔ اس مقابلے میں ایک مجاہد مہاجر بن زیاد شہید ہو گئے۔ یہ فوج کے ایک حصے کے بڑے افسر تھے...... شہر کے لوگوں نے ان کا سر کاٹ کر ایک برج کے اوپر لٹکا دیا۔ اس پر حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے مہاجر بن زیاد کے بھائی ربیع بن زیادہ کو بھیجا۔ انہوں نے شہر کو فتح کیا۔

ابو موسیٰ اشعری ؓ نے ربیع بن زیاد کو وہیں چھوڑ اور خود سوس کی طرف بڑھے۔ آپ نے سوس کا محاصرہ کر لیا اور قلعے کے اندر سامان لے جانے کے راستے بند کر دیے...... جب قلعے میں کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا تو حاکم شہر نے درخواست کی:

"ہم قلعہ آپ کے حوالے کرنے پر تیار ہیں...... شرط یہ ہے کہ ہمارے ایک سو آدمی زندہ چھوڑ دیے جائیں۔"

حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے یہ شرط مان لی...... حاکم شہر نے سو آدمیوں کے نام دے دیے...... لیکن بد قسمتی سے ان سو ناموں میں اپنا نام شامل کرنا بھول گیا۔ اس طرح باقی لوگوں کے ساتھ وہ بھی قتل ہوا۔

سوس کے بعد شہر رامہرز کا محاصرہ کیا گیا۔ اس کے حاکم نے سالانہ آٹھ لاکھ پر صلح کر لی۔

ایران کا بادشاہ اس وقت قم میں تھا۔ شاہی خاندان کے تمام افراد اس کے ساتھ تھے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کی فتوحات کی خبر برابر اس تک پہنچ رہی تھیں...... ان حالات میں اس کا سپہ سالار ہرمزان اس کے سامنے پیش ہوا۔ اس نے تجویز پیش کی۔

"اہواز اور فارس میری حکومت میں دے دیئے جائیں تو میں عرب کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک سکتا ہوں۔"

یزدگرد نے اس کی بات مان لی...... ان شہروں کی حکمرانی کا حکم نامہ اسے لکھ کر دے دیا...... ایک بڑی فوج بھی اس کے ساتھ کر دی...... ہرمزان اس لشکر کے ساتھ شوستر پہنچا۔ شوستر خوزستان کا صدر مقام تھا...... شاہی عمارات اور فوجی چھاؤنیاں یہیں تھیں۔ اس نے وہاں پہنچ کر قلعے کی مرمت کرائی۔ خندقوں اور برجوں کو مضبوط کیا۔ ساتھ ہی ہر طرف پیغام بھجوا دیا کہ لوگوں کو جوش دلا کر جنگ کے لیے تیار کیا جائے۔ اس طرح ان لوگوں میں پھر سے جوش پیدا ہو گیا...... جلد ہی ایک بڑا لشکر تیار ہو گیا۔ ان حالات میں حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے حضرت عمر ؓ کو خط لکھا اور مدد کی درخواست کی۔

حضرت عمر ؓ نے فوراً کوفہ کے گورنر حضرت عمار بن یاسر ؓ کو پیغام بھیجا۔ انہوں نے حضرت نعمان بن مقرن ؓ کو ایک ہزار مجاہدین دے کر روانہ فرمایا۔ لیکن دشمن کی بڑی تعداد کے مقابلے میں یہ مدد بہت کم تھی...... چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے پھر دربارِ خلافت کو لکھا۔

ایک بار پھر حضرت عمر ؓ نے حضرت عمار بن یاسر ؓ کو لکھا:

"حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کو اپنا قائم مقام مقرر کرو، آدھی فوج ان کے پاس چھوڑ دو اور باقی فوج کو لے کر ابو موسیٰ کی مدد کو پہنچو۔"

چنانچہ یہ وہاں پہنچے...... جریر بن عبداللہ بجلی ؓ بھی آ ملے۔ اس کے بعد حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے شوستر کا رخ کیا۔ شہر کے قریب پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔

ہرمزان اپنی کثیر فوج کے ساتھ اسلامی لشکر پر حملہ آور ہوا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے بڑی ترتیب سے فوج کی صف آرائی کی۔ میمنہ پر براء بن مالک ؓ کو مقرر کیا۔ یہ حضرت انس بن مالک ؓ کے بھائی تھے۔ میسرہ پر براء بن عازب انصاری ؓ کو مقرر فرمایا۔ سواروں کا دستہ حضرت انس ؓ کی رکاب میں رکھا۔

آخر مقابلہ شروع ہوا۔ دونوں فوجیں جان توڑ کر لڑیں۔ براء بن مالک ؓ مار کاٹ کرتے شہر کی فصیل کے دروازے تک پہنچ گئے...... ادھر ہرمزان نہایت بہادری سے فوج کو لڑا رہا تھا...... عین دروازے کے سامنے دونوں کا آمنا سامنا ہو گیا۔ حضرت براء بن مالک ؓ

شہید ہو گئے...... انہیں گرتے دیکھ کر مخراۃ بن ثور نے ہرمزان پر وار کیا، لیکن وہ اس وار کو روکنے میں کامیاب ہو گیا اور اس کے وار سے مخراۃ بن ثور بھی شہید ہو گئے۔ یہ میمنہ پر مقرر تھے...... اس کے بعد پورے گھمسان کی جنگ ہوتی رہی...... آخر کار ایرانی بھاگ کھڑے ہوئے۔ قلعے میں پہنچتے ہی انہوں نے دروازہ بند کر لیا۔

* * * * *

ہرمزان کی گرفتاری

اس وقت تک ایک ہزار کے قریب ایرانی مارے جا چکے تھے اور چھ سو کو گرفتار کر لیا گیا تھا...... شہر کا محاصرہ جاری تھا کہ شہر کا ایک آدمی خفیہ طور پر حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کے پاس آیا، اس نے کہا:

”اگر میرے بال بچوں اور گھر بار کو امن دیا جائے تو میں شہر پر قبضہ کرنے میں مدد دے سکتا ہوں۔“

حضرت ابوموسیٰ ؓ نے فرمایا:

”ٹھیک ہے...... تمہیں امان دی جائے گی۔“

اس پر اس نے کہا:

”آپ میرے ساتھ اپنے ایک آدمی کو بھیج دیں، میں اندر داخل ہونے کا راستہ بھی اسے دکھا دوں گا اور شہر کی سیر بھی کرا دوں گا...... تاکہ وہ تمام مقامات کو اچھی طرح دیکھ لے۔“

حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ نے ایک مجاہد کو اس کے ساتھ بھیج دیا، مجاہد کا نام اشرس تھا۔ وہ اسے ساتھ لیے ایک نہر کی طرف آیا۔ وہ نہر دریائے دجلہ کی ایک شاخ تھی۔ نہر شہر کے اندر جا رہی تھی۔ اس کے ذریعے وہ ایک تہہ خانے میں داخل ہوئے، یہاں تک کہ ہرمزان کے محل تک آ گئے۔ اس نے انہیں تمام عمارات وغیرہ دکھا دیں...... پھر ساتھ لیے واپس حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کے پاس آیا...... اور بولا:

”میں نے اسے سارے راستے دکھا دیے ہیں...... اب بات آپ کی ہمت کی ہے۔“

اشرس نے بھی کہا:

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے...... اگر آپ دو سو جانباز مجھے دے دیں تو شہر فوراً فتح ہو سکتا ہے۔"

یہ سن کر حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے فوج کی طرف دیکھا...... فوراً دو سو مجاہد آگے آ گئے۔ انہوں نے کہا۔

"ہم اللہ کے راستے میں جان دینے کے لیے تیار ہیں۔"

اشرس انہیں ساتھ لے کر اسی راستے سے شہر میں داخل ہو گیا۔ ان دو سو مجاہدوں نے پہرہ داروں کو قتل کر کے دروازے کھول دیے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ فوج کے ساتھ پہلے ہی دروازوں پر پہنچ چکے تھے۔ جونہی دروازہ کھلا، اسلامی لشکر اندر داخل ہو گیا...... ایرانیوں پر اچانک حملہ ہوا تو پورے شہر میں ہل چل مچ گئی۔ ہرمزان نے بھاگ کر قلعے میں پناہ لی۔ مسلمان بھی قلعے کے نیچے پہنچ گئے...... ہرمزان نے انہیں دیکھ کر کہا:

"میرے ترکش میں اب بھی ایک سو تیر ہیں، میں اس شرط پر نیچے اترنے کے لیے تیار ہوں کہ تم مجھے بحفاظت مدینہ منورہ پہنچا دو۔ میں تمہارے خلیفہ سے اپنا معاملہ خود طے کر لوں گا...... اگر میری بات منظور نہیں تو پھر میں یہ سو تیر تم پر چلائے بغیر تمہارے ہاتھ نہیں آؤں گا......"

حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے اس کی شرط مان لی۔ آپ نے حضرت انس بن مالک ؓ کو اس کام پر مقرر کیا...... وہ اسے لے کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے...... وہ بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوا...... اس کے سر پر تاج تھا۔ بدن پر ریشم کا لباس تھا۔ کمر سے جڑاؤ تلوار لٹک رہی تھی...... اس طرح دھوم دھام سے مدینہ منورہ میں داخل ہوا...... لوگوں سے پوچھنے لگا:

"تمہارا بادشاہ کہاں ہے؟"

اس کا خیال تھا جس شخص کے دبدبے نے دنیا کو ہلا ڈالا ہے، اس کے دربار کے بھی بہت ٹھاٹھ باٹھ ہوں گے...... لوگوں نے مسجد نبوی کی طرف اشارہ کیا تو وہ اندر داخل ہو گیا۔ مدینہ منورہ کے لوگ اس کے شاہانہ لباس کو دیکھ کر ساتھ چلے آئے تھے۔ حضرت عمر ؓ اس وقت مسجد کے کسی کونے میں لیٹے تھے اور نیند میں تھے...... شور سے آنکھ کھل گئی...... دیکھا تو عجمی حاکم شان و شوکت سے کھڑا تھا...... آپ نے ایک نظر اس پر ڈالی اور دوسری لوگوں پر...... پھر ان سے مخاطب ہو کر بولے:

"یہ سب اس دنیا کی دل فریبیاں ہیں۔"

اب آپ نے اس سے بات کی...... اس وقت تک وہاں مترجم نہیں آیا تھا...... حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو کچھ فارسی آتی تھی۔ ان کی مدد سے بات ہوئی...... آپ نے اس کے وطن کے بارے میں پوچھا۔ اس طرح آپ کو معلوم ہوا کہ وہ ہرمزان ہے۔

اس کے ہاتھوں مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچا تھا۔ دو مسلمان افسر بھی اس کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان وجوہات کی بنا پر بہت رنج تھا۔ آپ نے اس کے قتل کا ارادہ کرلیا...... تاہم اسے بات کرنے کی اجازت دی۔ اس پر اس نے کہا:

"جب تک خدا ہمارے ساتھ تھا، تم ہمارے غلام تھے...... اب خدا تمہارے ساتھ ہے تو ہم تمہارے غلام ہیں۔"

یہ کہہ اس نے پانی مانگا، حضرت عمرؓ نے اس کے لیے پانی منگوایا۔ پانی کا پیالہ اس کے ہاتھ میں دیا گیا تو اس نے کہا:

"مجھے ڈر ہے...... ابھی میں یہ پانی پی بھی نہیں پاؤں گا کہ آپ میرے قتل کا حکم دے دیں گے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"جب تک تم پانی نہیں پی لیتے، تمہیں قتل نہیں کیا جائے گا۔"

یہ سنتے ہی اس نے پانی گرا دیا اور کہا:

"اب آپ مجھے قتل نہیں کرا سکتے...... اس لیے کہ میں نے یہ پانی نہیں پیا۔"

حضرت عمرؓ اس کی بات سن کر حیرت زدہ رہ گئے...... واقعی اب وہ اسے قتل نہیں کرا سکتے تھے۔ اب اس نے کہا:

"میں اسلام قبول کرچکا ہوں...... یہ تدبیر میں نے اس لیے کی کہ لوگ یہ نہ کہیں...... میں نے موت کے ڈر سے اسلام قبول کیا ہے۔"

اب اس کی بات سن کر حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے...... اسے مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت دی...... دو ہزار روپے سالانہ اس کا وظیفہ مقرر کیا۔ حضرت عمرؓ اس سے فارس وغیرہ کی مہمات کے سلسلے میں مشورے کیا کرتے تھے۔

شوستر کے بعد اسلامی لشکر نے جندی سابور پر حملہ کیا۔ یہ شوستر سے ۲۴ میل دور ہے۔ کئی دن تک شہر کا محاصرہ جاری رہا...... پھر ایک دن خود شہریوں نے دروازے کھول دیے اور نہایت

اطمینان کے ساتھ اپنے کام کاج میں مشغول ہو گئے...... مسلمان بہت حیران ہوئے۔ پوچھنے پر پتا چلا کہ ایک غلام نے پوشیدہ طور پر امن کا معاہدہ لکھ کر انہیں دے دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا:

"ایک غلام کا لکھا ہوا امن معاہدہ قبول نہیں کیا جا سکتا۔"

اس کے جواب میں شہر والوں نے کہا:

"ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے۔"

اب یہ معاہدہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش ہوا...... آپ نے فرمایا:

"مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے...... جسے اس نے امان دی...... وہ تمام مسلمانوں کی طرف سے امان ہو گئی۔"

اس طرح یہ شہر بھی فتح ہوا...... اس فتح کے ساتھ ہی پورے خوزستان پر اسلام کا سکہ بیٹھ گیا

جلولا میں شکست کھانے کے بعد شاہِ ایران یزدگرد "رے" کے مقام پر چلا گیا تھا، لیکن "رے" میں اس کا ساتھ نہ دیا گیا تو وہ وہاں سے "اصفہان" اور پھر "کرمان" گیا۔ آخر "خراسان" میں اپنے پاؤں پھر سے جمانے میں کامیاب ہو گیا۔ یہاں اسے اطلاع ملی کہ عربوں نے عراق کے ساتھ خوزستان کو بھی فتح کر لیا ہے۔ ہرمزان کی گرفتاری کی خبر بھی اسے ملی۔ اب تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ ادھر ایرانیوں کا خیال پہلے یہ تھا کہ عربوں کی فتوحات کا سلسلہ سرحدی مقامات تک آ کر رک جائے گا۔ اس لیے انہیں اطمینان تھا کہ وہ ان تک نہیں آئیں گے، لیکن خوزستان کی فتح نے ان کے خیالات کو غلط ثابت کر دیا۔ ادھر یزدگرد کے پیغامات انہیں ملے...... اس طرح طبرستان، جرجان، نہاوند، رے، اصفہان اور ہمدان تک میں افراتفری مچ گئی...... اور یزدگرد ڈیڑھ لاکھ فوج کے ساتھ "قم" میں آ گیا۔

اس وقت کوفہ کے گورنر حضرت عمار بن یاسرؓ تھے۔ انہوں نے ان حالات کی اطلاع حضرت عمرؓ کو دی۔ حضرت عمرؓ حضرت عمارؓ کا خط لیے مسجد نبوی میں آئے، مسلمانوں کو وہ خط سنایا اور فرمایا:

"مسلمانو! اس مرتبہ سارا ایران اٹھ کھڑا ہوا ہے تاکہ تمہیں مٹا دے...... اب تم لوگ کیا کہتے ہو؟"

اس پر حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے کہا:

"امیر المومنین! واقعات نے آپ کو تجربہ کار بنا دیا ہے...... آپ جو حکم دیں گے، ہم اس پر عمل کریں گے۔"

حضرت عثمان ؓ نے کہا:

"امیر المومنین! میری رائے یہ ہے کہ شام، یمن اور بصرہ کے افسروں کو لکھا جائے کہ اپنی اپنی فوجیں لے کر عراق کی طرف روانہ ہو جائیں اور آپ خود مدینہ سے مسلمانوں کو لے کر روانہ ہوں...... کوفہ میں تمام فوجیں آپ کے علم کے نیچے جمع ہوں...... اس کے بعد ایرانی لشکر کی طرف رخ کیا جائے۔"

سب ہی نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کو پسند کیا...... حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش رہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا اور پوچھا:

"آپ کیا کہتے ہیں؟"

حضرت علی ؓ نے فرمایا:

"اگر شام اور بصرہ سے فوجیں ہٹائی گئیں تو ان مقامات پر سرحد کے دشمنوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو خود اپنے ملک کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ یہاں سے نہ ہٹیں...... شام یمن اور بصرہ وغیرہ میں حکم بھیج دیا جائے کہ جہاں جہاں جتنی فوج ہے، اس کا تیسرا حصہ ادھر روانہ کر دیا جائے۔"

اس پر حضرت عمر ؓ نے فرمایا:

"میری بھی یہی رائے تھی...... لیکن میں اکیلا اپنی رائے سب پر ٹھونسنا نہیں چاہتا تھا۔"

فتح الفتوح

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اس بڑے معرکے کے لیے اسلامی لشکر کا سپہ سالار کسے مقرر کیا جائے...... سب طرف نظر دوڑائی گئی، اس درجے کا کوئی شخص نظر نہ آیا۔ جو لوگ اس منصب کے قابل تھے، وہ دوسری مہمات میں مصروف تھے۔ آخر سب نے حضرت عمر ؓ سے عرض کیا:

"اس بارے میں آپ سے بڑھ کر کون فیصلہ کر سکتا ہے۔"

اب حضرت عمر ؓ نے حضرت نعمان بن مقرن ؓ کو یہ ذمے داری سونپی...... سب ہی

نے ان کی تائید کی۔

حضرت نعمان ؓ ۳۰ ہزار کا لشکر لے کر کوفہ سے روانہ ہوئے۔ اس فوج میں بڑے بڑے صحابہ شامل تھے۔ ان میں حضرت حذیفہ بن الیمان، عبداللہ بن عمر، جریر بجلی، مغیرہ بن شعبہ، عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہم کے نام مشہور ہیں۔ حضرت نعمان ؓ نے پہلے جاسوسوں کو آگے روانہ کیا۔ انہوں نے اطلاع دی:

”نہاوند تک راستہ صاف ہے۔“

حضرت نعمان ؓ اس اطلاع پر نہاوند تک بڑھتے چلے گئے۔ یہاں حضرت عمر ؓ نے ایک اور حکمت عملی اپنائی۔ آپ نے ان اطراف میں جو اسلامی فوجیں موجود تھیں، ان کے سالاروں کو لکھا کہ ایرانی اس طرف سے نہاوند کی طرف بڑھنے نہ پائیں...... اس طرح دشمن ایک بہت بڑی مدد سے محروم رہ گیا۔ ایرانیوں کی طرف سے حضرت نعمان مقرن ؓ کو پیغام ملا:

”آپ بات چیت کے لیے کسی کو بھیجیں۔“

حضرت نعمان ؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ کو بھیج دیا۔ یہ پہلے بھی ایسے کام انجام دے چکے تھے۔ عجمیوں نے ان سے ملاقات کے لیے اپنے دربار کو خوب سجایا۔ اپنے بادشاہ مردان شاہ کو تاج پہنا کر تخت پر بٹھایا۔ تخت کے دائیں بائیں شہزادے کھڑے ہوئے۔ ان کے جسموں پر ریشم کے لباس تھے۔ سر پر تاج...... ہاتھوں میں سونے کے کنگن، ان کے پیچھے دور دور تک فوجیوں کی صفیں قائم کی گئیں...... ان کے ہاتھوں میں چمکتی دمکتی ننگی تلواریں تھیں۔ مترجم کے ذریعے بات چیت شروع ہوئی۔ بادشاہ نے کہا:

”اے اہلِ عرب! سب سے زیادہ بدبخت، فاقہ مست اور سب سے زیادہ ناپاک قوم جو ہو سکتی ہے، وہ تم ہو...... یہ جنگ جو...... جو میرے دائیں بائیں کھڑے ہیں، یہ ابھی تمہارا فیصلہ کر دیتے، لیکن میں نہیں چاہتا کہ ان کے تیر تمہارے ناپاک خون سے آلودہ ہوں...... اب بھی اگر تم چلے جاؤ تو میں تمہیں معاف کر سکتا ہوں۔“

اس کے جواب میں حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ نے کہا:

”ہاں! ہم ایسے ہی تھے جیسا کہ تم نے کہا...... ذلیل و حقیر تھے...... لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا۔“

بات چیت ہوئی، لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا، آخر حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ واپس آ گئے۔

اب دونوں طرف جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے میمنہ پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اور میسرہ پر حضرت سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ کو اور قلب میں حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔

ایرانی لشکر میں میمنہ پر زردک اور میسرہ پر بہمن تھا۔ ایرانیوں نے جنگ سے پہلے میدان جنگ میں گوکھرو بچھا دیے۔ یہ کانٹوں والی لوہے کی گیندوں کو کہتے ہیں...... یعنی لوہے کہ گیند پر کئی لمبے لمبے کانٹے ابھرے ہوتے ہیں...... اب اگر یہ میدان میں بچھے ہوں تو فوج کے لیے مشکل پیش آتی ہے۔ گھوڑوں اور اونٹوں اور پیدل فوجیوں کے پیروں میں یہ چبھ جاتے ہیں اور پیروں کو بری طرح زخمی کر دیتے ہیں...... ادھر عجمی جب حملہ کرنا چاہتے، شہر کے دروازے کھول کر مسلمانوں پر حملہ کر دیتے اور جب چاہتے واپس شہر میں جا کر دروازے بند کر لیتے۔ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے یہ صورتِ حال دیکھ کر افسروں کو جمع کیا، سب سے مشورہ کیا...... ان کی رائے لی، آخر طلیحہ بن خالد اسدی کا مشورہ پسند آیا...... ان کے مشورے کے مطابق اسلامی فوج شہر سے چھ سات میل دور چلی گئی...... پھر حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کو تھوڑی سی فوج دے کر شہر پر حملے کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ ایرانیوں نے جب مقابلے میں بہت تھوڑی سی فوج کو دیکھا تو بڑے جوش سے جنگ کے لیے نکلے۔ ادھر حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ ان سے لڑتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگے۔ یہ پیچھے ہٹتے چلے گئے، عجمی آگے بڑھتے چلے گئے...... آخر حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے جس جگہ اپنی فوج کو جمع کر رکھا تھا، یہ اس مقام تک پہنچ گئے...... اب حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ "اللہ اکبر" کا نعرہ بلند کیا...... یہ اسلامی فوج کے لیے اس بات کا اشارہ ہوتا تھا کہ اب حملہ کر دو...... اس سے پہلے جنگ چھیڑنے کی کسی کو اجازت نہیں ہوتی تھی۔

مسلمانوں نے اس قدر زوردار حملہ کیا کہ ایرانیوں کی صفیں کی صفیں بچھ گئیں...... اس قدر خون بہا کہ فوجیوں کے گھوڑے پھسلنے لگے...... یہاں تک کہ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کا گھوڑا بھی پھسل کر گرا، حضرت نعمان رضی اللہ عنہ بھی گرے...... اور زخمی ہو گئے ان کے سر پر کلاہ تھا اور بدن پر قبا تھی...... مجاہدین ان دونوں چیزوں سے اپنے سپہ سالار کو پہچانتے تھے...... اب جونہی وہ گرے، ان کے بھائی نعیم بن مقرن ان کی قبا پہن کر گھوڑے پر سوار ہو گئے...... اس طرح کسی کو اس تبدیلی کا پتا تک نہ چلا...... جنگ بدستور جاری رہی۔

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی اپنی فوج میں یہ اعلان کر دیا تھا:

”میں شہید ہو جاؤں تو بھی کوئی لڑائی چھوڑ کر میری طرف متوجہ نہ ہو۔“

اتفاق سے ایک مجاہد ان کے پاس سے گزرا۔ ان میں ابھی کچھ سانس باقی تھا...... دم توڑ رہے تھے۔ مجاہد نے گھوڑے سے اتر کر ان کے پاس بیٹھنا چاہا، لیکن اسی وقت ان کا حکم یاد آ گیا، چنانچہ گھوڑے سے اترنے کا ارادہ ترک کر دیا اور آگے بڑھ گیا......

رات ہونے کے قریب عجمیوں کے پاؤں اکھڑ گئے ...... اور وہ بھاگ نکلے ...... مسلمانوں نے ہمدان تک ان کا تعاقب کیا۔ فتح کے بعد ایک مجاہد حضرت نعمان بن مقرن ؓ کے پاس گئے...... ان میں ابھی جان تھی...... فوراً پوچھا: ”جنگ کا کیا بنا؟“

انہوں نے بتایا، مسلمانوں کو فتح ہوئی...... یہ سن کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور شہید ہو گئے۔

حضرت نعمان ؓ کے بعد حضرت حذیفہ بن یمان ؓ سالار مقرر ہوئے تھے۔ انہوں نے نہاوند پہنچ کر قیام کیا۔

اس مقام پر ایک بہت بڑا آتش کدہ تھا...... یعنی جس مقام پر آگ جلتی رہتی ہے اور عجمی وہاں جا کر اس کی پوجا کرتے ہیں...... یہ لوگ آگ کو اپنا معبود سمجھتے تھے۔

اس آتش کدے کا پجاری حضرت حذیفہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا:

”اگر مجھے امان دی جائے تو میں آپ کو ایک بہت بڑا خزانے کا پتا دے سکتا ہوں۔“

حضرت حذیفہ ؓ نے اس کی بات مان لی۔ وہ کسریٰ کے بیش بہا ہیرے جواہرات ان کی خدمت میں لے آیا۔ کسریٰ نے اس خزانے کو کسی مشکل وقت کے لیے محفوظ کر رکھا تھا۔

اس شہر کی فتح کے بعد حضرت حذیفہ بن یمان ؓ نے مال غنیمت تقسیم کیا اور اس کا پانچواں حصہ جواہرات سمیت حضرت عمر ؓ کی خدمت میں روانہ کیا۔

حضرت عمر ؓ کو کئی ہفتوں سے جنگ کی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ قاصد نے فتح کی خوشخبری سنائی تو بے انتہا خوش ہوئے...... حضرت نعمان بن مقرن ؓ کی شہادت کی خبر سنی تو بے اختیار رونے لگے۔ سر پر ہاتھ رکھ کر دیر تک روتے رہے۔ اس پر قاصد نے اور بہت سے شہداء کے نام گنوائے اور یہ بھی کہا:

”ان کے علاوہ اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے ہیں...... میں ان کے نام نہیں جانتا۔“

یہ سن کر حضرت عمر ؓ پھر رونے لگے...... اور فرمایا:

”کوئی انہیں جانے یا نہ جانے...... اللہ تو جانتا ہے۔“

جواہرات پر نظر پڑی تو غصے میں آگئے اور فرمایا:

"یہ لے جاؤ...... اور حذیفہ سے کہو...... ان کو بیچ کر رقم فوج میں تقسیم کر دیں۔"

اس طرح یہ جواہرات چار کروڑ میں فروخت ہوئے۔ اس جنگ میں تقریباً تین ہزار ایرانی مارے گئے۔ ایرانیوں کی اس شکست کے بعد انہوں نے پھر کبھی زور نہیں پکڑا...... چنانچہ عربوں نے اس فتح کا نام "فتح الفتوح" رکھ دیا...... اسی جنگ میں فیروز لولوء گرفتار ہوا...... یہ وہی بدبخت مجوسی تھا...... جس نے بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔

نہاوند کی فتح کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ان سے پوچھا:

"یہ کیا بات ہے کہ فتح کیے ہوئے علاقوں میں بار بار بغاوت ہو جاتی ہے۔"

اس سوال کے جواب میں بعض صحابہ نے کہا:

"جب تک یزدگرد ایران کی حدود سے نکل نہیں جاتا...... یہ فتنہ اسی طرح رہے گا...... کیونکہ جب تک ایرانیوں کو یہ معلوم ہے کہ ان کے تخت کا وارث موجود ہے...... وہ کوئی نہ کوئی سازش کرتے رہیں گے۔"

اس بنیاد پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عام لشکر کشی کا ارادہ فرمایا۔ اپنے ہاتھ سے بہت سے علم تیار کیے...... ہر ملک کے افسر کو الگ الگ وہ علم دیے، یہ افسر اپنا اپنا علم لے کر اپنے اپنے ملک کی طرف روانہ ہوئے۔

۲۱ ہجری میں حضرت عبداللہ بن عبداللہ نے صوبہ اصفہان پر چڑھائی کی۔ یہاں کے حکمران کا نام "رستن دار" تھا۔ اس نے ایک بڑی فوج تیار کر رکھی تھی...... اس فوج کے سالار کا نام جادو یہ تھا...... وہ اپنی فوج کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے نکلا۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں تو سب سے پہلے وہ خود ہی میدان میں نکلا اور للکارا:

"جو مجھ سے مقابلہ کرنا چاہتا ہو...... وہ اکیلا میرے مقابلے پر آئے۔"

ادھر سے بھی فوج کے سالار عبداللہ بن عبداللہ میدان میں آئے...... دونوں میں مقابلہ ہوا...... جادو یہ مارا گیا...... مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا...... اس کے جلد ہی بعد لڑائی ختم ہو گئی...... ایرانیوں نے شکست مان لی۔ رستن دار نے معمولی شرائط پر صلح کر لی۔ عبداللہ بن عبداللہ اب خاص اصفہان شہر کی طرف بڑھے۔

یہاں کے حکمران کا نام فاذوسفیان تھا...... اس نے مسلمانوں کے سپہ سالار کو پیغام بھیجا:

"ہم اپنے سپاہیوں کی جانیں کیوں ضائع کریں...... آؤ میں اور تم لڑ کر جنگ کا فیصلہ کر لیں۔"

عبداللہ بن عبداللہ نے اس کی پیش کش قبول کرلیا...... اب دونوں بہادر آمنے سامنے آئے۔ فاذوسفیان نے تلوار کا وار عبداللہ پر کیا...... انہوں نے بڑی دلیری سے اس کا وار روکا...... یہ دیکھ کر فاذوسفیان پکار اٹھا:

"واہ...... واہ...... بہت خوب میں تم سے مقابلہ نہیں کرنا چاہتا...... اس شرط پر شہر تم لوگوں کے حوالے کرتا ہوں کہ باشندوں میں سے جو جزیہ دے کر شہر میں رہنا چاہے، اسے رہنے دیا جائے...... جو کہیں اور جانا چاہے...... اسے جانے دیا جائے۔"

عبداللہ بن عبداللہ نے یہ شرط مان لی اور معاہدہ لکھ دیا۔ اسی دوران اطلاع ملی کہ ہمدان میں بغاوت ہوگئی۔

فدا ہوتا ہوں

حضرت عمرؓ نے نعیم بن مقرن کو ادھر روانہ کیا۔ انہوں نے بارہ ہزار کے لشکر سے ہمدان کا محاصرہ کرلیا...... آخر شہر کے لوگوں نے ہمت ہار دی اور صلح کرلی...... اب ایرانی رے اور آذر بائی جان وغیرہ سے جمع ہو کر وادی رود میں آگئے اور مسلمانوں کے مقابلے میں زبردست جنگی تیاریاں کرلیں۔ اس قدر ہولناک جنگ ہوئی کہ معرکہ نہاوند کی یاد تازہ ہوگئی۔ ایرانیوں نے بُری طرح شکست کھائی۔

مدینہ منورہ میں حضرت عمرؓ ایرانیوں کی تیاریوں کی خبر سن کر بہت پریشان تھے...... فتح کی خبر پہنچی تو سکون کا سانس لیا...... بہت خوش ہوئے...... اور حضرت نعیم بن مقرنؓ کو پیغام بھیجا کہ اب وہ رے کا رخ کریں۔

رے کے حاکم کا نام سیاؤش تھا...... یہ بہرام چوبیں کا پوتا تھا۔ اسے مسلمانوں کے اپنے طرف بڑھنے کی اطلاعات ملیں تو اس نے طبرستان، قومس جرجان اور دنیاوند کے رئیسوں سے مدد طلب کی۔ ہر طرف سے امدادی فوجیں آگئیں...... لیکن رے میں ایرانی زیادہ دیر تک نہ ٹک سکے، فوراً شکست کھا گئے۔ رے کے بعد آس پاس کے تمام علاقے بھی

فتح ہو گئے۔

حضرت عمرؓ نے آذربائی جان کا جھنڈا دے کر عتبہ بن فرقد اور بکیر کو بھیجا تھا ان کے آگے بڑھنے کے راستے بھی طے کر دیے تھے۔ بکیر جب میدان میں پہنچے تو ان کا سامنا اسفندیار سے ہوا۔ اسفندیار نے شکست کھائی اور گرفتار ہو گیا۔

دوسری طرف اسفندیار کا بھائی بہرام، عتبہ بن فرقد کے مقابلے پر آیا لیکن وہ بھی شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ آذربائی جان کے بعد طبرستان اور آرمینیہ بھی فتح ہو گئے۔

۲۳ ہجری میں حضرت عمرؓ نے عتبہ بن غزوان کو فارس کی طرف فوج بھیجنے کا حکم دیا۔ وہاں مسلمانوں کا ایک لشکر پہلے ہی حضرت علاء بن حضرمیؓ کی قیادت میں موجود تھا۔ عتبہ بن غزوان نے لشکر بھیجا، اس کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ اس فوج کے سالار ابو سبرہ تھے۔ یہ حضرت علاء بن حضرمی سے آ ملے۔ ادھر مجوسیوں نے ہر طرف پیغامات بھیج دیے۔ اس طرح ایک بہت بڑا لشکر تیار ہو کر مقابلے پر آ گیا۔ اس کا سالار شہرک تھا۔ دونوں فوجیں جان توڑ کر لڑیں...... آخر مجوسیوں نے شکست کھائی۔ انہیں اس جگہ سے آگے بڑھنے کا حکم نہیں تھا، اس لیے واپس بصرہ چلے آئے۔

اس کے بعد مجوسیوں کے علاقے سابور، اردشیر، توج اور اصطخر وغیرہ سب کے سب باری باری فتح ہو گئے......

۲۳ ہجری ہی میں کرمان فتح ہوا۔ کرمان کی طرف سہیل بن عدی کو روانہ کیا گیا۔ کرمان کا حاکم مرزبان تھا۔ اس نے آس پاس سے مدد طلب کی اور پھر میدان میں آیا...... دونوں فوجوں میں جنگ ہوئی۔ اس میں مرزبان مارا گیا...... اور پھر پورا کرمان فتح ہو گیا۔ مسلمانوں کے ہاتھ بے تحاشہ مالِ غنیمت آیا۔

۲۳ ہجری میں سیستان فتح ہوا۔ اس ملک کی طرف عاصم بن عمرو کو روانہ کیا گیا تھا۔ اس ملک کے باشندوں نے بس برائے نام جنگ کی اور بھاگ نکلے۔ سیستان مسلمانوں کے قبضے میں آنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سندھ سے لے کر نہرِ بلخ تک کے تمام علاقے فتح کرنا بہت آسان ہو گیا۔

خراسان کی مہم حضرت عمرؓ نے احنف بن قیس رحمہ اللہ کو سونپی تھی۔ انہوں نے ۲۲ ہجری میں خراسان کا رخ کیا تھا۔ طبسین سے ہو کر ہرات پہنچے، اسے فتح کیا اور مرو شاہ جہان کی

طرف بڑھے۔ ایرانی بادشاہ یزدگرد یہیں ٹھہرا ہوا تھا۔ مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر وہ مرو چلا گیا۔ اس نے چین کے بادشاہ خاقان کو مدد کے لیے لکھا۔ دوسرے بادشاہوں کو بھی پیغامات بھیجے۔ احنف بن قیس رحمہ اللہ نے مرو شاہ جہان میں حارثہ بن نعمان کو چھوڑا اور خود مرو کی طرف بڑھے۔ یزدگرد یہاں سے بھی بھاگ نکلا اور بلخ پہنچ گیا...... اسی دوران کوفے سے امدادی فوجیں آ گئیں۔ احنف رحمہ اللہ نے اس تازہ دم فوج کی مدد سے بلخ پر حملہ کیا۔ یزدگرد نے شکست کھائی اور دریا پار کر کے خاقان کی طرف چلا گیا۔ اس کے فرار کے بعد نیشاپور اور طخارستان بھی آسانی سے فتح ہو گئے۔ احنف بن قیس رحمہ اللہ مرو میں ٹھہر گئے اور حضرت عمر ؓ کو پیغام بھیجا کہ خراسان اسلام کے قبضے میں آ گیا ہے۔ حضرت عمر ؓ نے احنف بن قیس رحمہ اللہ کی تعریف کی اور انہیں لکھا کہ بس اب اور آگے نہ بڑھو۔

یزدگرد خاقان کے پاس پہنچا تو اس نے اس کی بہت عزت کی۔ پھر ایک بڑی فوج لے کر یزدگرد کے ساتھ خراسان کی طرف بڑھا۔ اس وقت احنف بن قیس رحمہ اللہ ۲۰ ہزار کے لشکر کے ساتھ بلخ میں مقیم تھے، خاقان کی آمد کی خبر سن کر مرو کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر قیام کیا۔ ادھر خاقان بلخ سے ہوتا ہوا مرو پہنچا۔ یزدگرد خاقان سے الگ ہو کر مرو شاہ جہان کی طرف بڑھا تاکہ احنف بن قیس پر دو طرف سے حملہ کیا جا سکے۔

احنف بن قیس رحمہ اللہ نے جنگ کے لیے ایسے میدان کو پسند کیا جس کے پیچھے پہاڑ تھا۔ اب اسلامی لشکر کی کمر پر پہاڑ تھا...... اس طرف سے دشمن کے حملے کا امکان نہیں تھا۔ دونوں لشکر بہت مدت تک ایک دوسرے کے سامنے پڑے رہے۔ عجمی ہتھیار سجا کر میدان میں آتے، لیکن مسلمان ان کے مقابلے پر نہ آتے...... لیکن پھر ایک دن احنف بن قیس رحمہ اللہ علیہ ہتھیار سجا کر اکیلے میدان میں آ گئے۔ عجمیوں کی طرف سے بھی ایک جواں مرد باہر نکلا۔ احنف بن قیس رحمہ اللہ نے اس پر نیزے کا وار کیا...... نیزہ اس کے سینے میں اتر گیا۔

احنف بن قیس رحمہ اللہ نے جوش میں آ کر نعرہ لگایا۔ اتنے میں ایک اور بہادر ان کے مقابلے میں نکلا۔ وہ بھی ان کے ہاتھوں مارا گیا تو تیسرا نکلا۔ تیسرا بھی مارا گیا۔ خاقان میدان میں آیا تو اسے اپنے تین بہادروں کی لاشیں پڑی نظر آئیں...... اس نے سوچا...... یہ تو برا شگون ہے، چنانچہ بولا:

"ہم پرائی لڑائی کیوں لڑیں؟"

چنانچہ وہ اپنی فوج کے ساتھ واپس پلٹ گیا۔ جب یزدگرد کو خاقان کے واپس ہونے کی اطلاع ملی تو وہ بھی فتح سے ناامید ہو گیا، اپنا خزانہ ساتھ لیا اور لگا بھاگنے۔ اس کے درباریوں نے جب دیکھا کہ ملک کی دولت ہاتھ سے جا رہی ہے تو اسے روکنے کی کوشش کی...... جب وہ نہ رکا تو اس کے مقابلے پر آ گئے...... گو اس کے درباری اس کے خلاف ڈٹ گئے...... اس طرح سارا مال، اسباب اور خزانہ اس سے چھین لیا...... یزدگرد بے سروسامان ترکستان پہنچا...... اور وہیں خاقان کے پاس رہنے لگا۔ اس طرح مجوسیوں کی پوری سلطنت ختم ہو گئی۔ حضرت عمر ؓ کو جب یہ تمام اطلاعات ملیں تو آپ نے لوگوں کو جمع فرمایا اور یہ خبر سنا کر فرمایا:

"آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو گئی۔ اب وہ اسلام کو کسی طرح نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، لیکن اگر تم بھی کردار کے پکے نہ رہے تو اللہ تعالیٰ تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کو دے دے گا......"

مصر بھی حضرت عمر ؓ کے دور میں فتح ہوا تھا...... حضرت عمر ؓ نے جب شام کا سفر کیا تھا...... تو حضرت عمرو بن عاص ؓ نے آپ سے ملاقات کی تھی...... حضرت عمرو بن عاص ؓ تجارت کے لیے مصر جاتے رہتے تھے...... وہ بہت سرسبز علاقہ تھا۔ حضرت عمرو بن عاص ؓ نے ان سے مصر کے بارے میں بات کی...... پہلے تو حضرت عمر ؓ نے سوچا، آخر مصر کی فتح کے لیے انہیں چار ہزار فوج دے دی۔

حضرت عمرو بن عاص ؓ فرما کے مقام پر آئے۔ یہ بحر روم کے کنارے واقع ہے...... اس زمانے میں بہت آباد تھا...... یہاں مصر کی سرکاری فوج موجود تھی...... اس نے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا۔ ایک ہفتے تک مقابلہ جاری رہا...... آخر رومیوں نے شکست کھائی۔ حضرت عمرو بن عاص ؓ راستے کے علاقوں کو فتح کرتے فسطاط پہنچے۔ فسطاط سرکاری قلعہ تھا اور دریائے نیل پر واقع تھا...... جہاز اور کشتیاں قلعے کے دروازے پر آ کر لگتی تھیں۔ اس لیے سرکاری ضرورتوں کے لیے بہت اہم تھا۔ حضرت عمرو بن عاص ؓ نے پہلے اسی کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور اس کے محاصرے کی تیاریاں شروع کر دیں......

مصر کا حکمران مقوقس تھا...... یہ رومی شہنشاہ قیصر کا باج گزار تھا...... یعنی اسے جزیہ دیتا تھا۔ اس نے جب سنا کہ مسلمان فسطاط کی طرف بڑھ رہے ہیں تو یہ پہلے ہی قلعے میں پہنچ گیا...... اور لگا جنگ کی تیاریاں کرنے۔ قلعہ بہت مضبوط تھا اور حضرت عمرو بن عاص ؓ کے پاس

فوج کم تھی...... ان باتوں کے پیش نظر حضرت عمرو بن عاص ؓ نے حضرت عمر ؓ کو خط لکھا اور مدد کی درخواست کی۔ انہوں نے دس ہزار فوج روانہ فرمائی اور ان کے ساتھ چار سالار بھی روانہ فرمائے۔ ان چاروں حضرات کے بارے میں حضرت عمر ؓ نے لکھا:

"ان میں سے ہر سالار ایک ایک ہزار کے برابر ہے۔"

یہ افسران حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت مقداد بن عمرو، سلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہم تھے۔ حضرت زبیر بن عوام ؓ رتبے میں ان سے بڑھ کر تھے، چنانچہ حضرت عمرو بن عاص ؓ نے انہیں افسر بنالیا اور محاصرے وغیرہ کے انتظامات ان کے حوالے کر دیئے۔

حضرت زبیر بن عوام ؓ نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا...... جہاں مناسب سمجھا، وہاں سوار اور پیدل مجاہد مقرر کر دیئے۔ اس کے ساتھ ہی منجنیقوں سے قلعے پر پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ اس طرح سات ماہ گزر گئے ...... جنگ کا کوئی نتیجہ نہ نکل سکا ...... آخر ایک دن حضرت زبیر بن عوام ؓ نے فرمایا:

"آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں۔"

یہ فرمایا...... ننگی تلوار ہاتھ میں لی اور سیڑھی لگا کر فصیل پر چڑھ گئے۔

چند اور صحابہ نے جب انہیں اس طرح چڑھتے دیکھا تو وہ بھی اوپر چڑھنے لگے اور آخر فصیل پر پہنچ گئے...... اوپر پہنچتے ہی سب نے "اللہ اکبر" کے نعرے بلند کیے...... پیچھے سے پوری فوج نے نعروں کا جواب دیا......

اس نعرے سے قلعے کی زمین دہل گئی...... عیسائی سمجھے، مسلمان قلعے میں داخل ہو گئے، چنانچہ رومی بدحواس ہو گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ ادھر حضرت زبیر ؓ نے نیچے اتر کر قلعے کا دروازہ کھول دیا...... بس پھر کیا تھا...... پوری فوج اندر داخل ہو گئی۔

کبوتر کا گھونسلہ

مقوقس نے جب دیکھا کہ مسلمان اندر داخل ہو گئے ہیں تو ہمت ہار بیٹھا اور صلح کی درخواست کی...... حضرت زبیر بن عوام ؓ ان کی صلح کی درخواست منظور کر لی......

ایک دن عیسائیوں نے افسران کی دعوت کی...... انہوں نے منظور کرلی...... دوسرے دن حضرت عمرو بن عاص ؓ نے ان کی دعوت کی......

قیصر کو جب یہ خبر ملی تو وہ بہت تلملایا...... اسی وقت ایک عظیم الشان لشکر روانہ کیا...... یہ لشکر اسکندریہ پہنچا...... اور مسلمانوں سے مقابلے کی تیاری کرنے لگا......

ادھر حضرت عمرو بن عاص ؓ نے حضرت عمر ؓ کو لکھا:

"فسطاط فتح ہو چکا، اجازت ہو تو اسکندریہ پر چڑھائی کی جائے؟"

مدینہ منورہ سے منظوری آ گئی...... حضرت عمرو بن عاص ؓ نے اسلامی لشکر کو کوچ کا حکم دیا...... اتفاق کی بات کہ حضرت عمرو بن عاص ؓ کے خیمے میں ایک کبوتر نے گھونسلا بنا لیا تھا...... جب خیمہ اکھاڑا جانے لگا تو آپ کی نظر اس گھونسلے پر پڑی...... آپ نے حکم دیا:

"خیمے کو یہیں رہنے دو! ہمارے مہمان کو تکلیف نہ دو۔"

عربی میں خیمے کو "فسطاط" کہتے ہیں...... حضرت عمرو بن عاص ؓ نے واپسی پر اسی خیمے کے قریب ایک شہر بسایا...... وہ شہر بھی "فسطاط" کے نام سے مشہور ہو گیا...... آج بھی اس شہر کا یہی نام ہے...... بہر حال، اس طرح ۲۱ ہجری میں حضرت عمرو بن عاص ؓ اسکندریہ کی طرف بڑھے...... "اسکندریہ" اور "فسطاط" کے درمیان رومیوں کی جو آبادیاں تھیں، وہ مسلمانوں سے جنگ کے لیے تیار ہو گئیں...... ان کا ایک عظیم لشکر تیار ہو گیا...... اس لشکر میں ہزارہا قبطی بھی شامل تھے...... یہ لشکر خود "فسطاط" کی طرف بڑھا تا کہ مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا جائے...... کربون کے مقام پر دونوں لشکر آمنے سامنے آ گئے...... مسلمانوں نے زبردست جنگ کی، بے شمار عیسائی مارے گئے...... اس لشکر کو مکمل طور پر شکست ہوئی...... اس کے بعد "اسکندریہ" تک کسی نے اسلامی لشکر کا راستہ روکنے کی کوشش نہ کی...... یہاں تک کہ حضرت عمرو بن عاص ؓ "اسکندریہ" پہنچ گئے۔

رومی حاکم مقوقس جزیہ دے کر صلح کرنا چاہتا تھا، لیکن رومیوں سے ڈرتا بھی تھا...... پھر بھی اس نے حضرت عمرو بن عاص ؓ کو پیغام بھجوایا کہ ایک مقررہ وقت تک صلح کر لی جائے...... حضرت عمرو بن عاص ؓ نے انکار کیا...... اب مقوقس نے عیسائیوں کا رعب مسلمانوں کے دلوں پر طاری کرنے کے لیے چال چلی...... اس نے اپنے تمام آدمیوں کو حکم دیا:

"ہتھیار لگا کر شہر کی فصیل پر مسلمانوں کے سامنے کھڑے ہو جائیں۔"

اس نے عورتوں تک کو ایسا کرنے کا حکم دیا...... لیکن ان کے منہ شہر کی طرف کروا دیئے تاکہ مسلمان جان نہ سکیں کہ یہ عورتیں ہیں۔

حضرت عمرو بن عاص ؓ نے جب عیسائیوں کو اس طرح فصیل پر کھڑے دیکھا تو مقوقس کو پیغام بھجوایا:

”تمہاری اس حرکت سے ہم نے تمہارا مقصد جان لیا ہے...... لیکن تم جانتے نہیں، ہم نے اب تک جتنے ملک فتح کیے ہیں، وہ فوج کی کثرت کے بل پر نہیں کیے...... تمہارا بادشاہ ہرقل جس ساز و سامان سے ہمارے مقابلے پر آیا، اس کو بھی تم خوب جانتے ہو...... اور جو نتیجہ نکلا وہ بھی تمہیں معلوم ہے۔“

رومی سردار یہ سن کر سخت غضبناک ہوئے...... انہوں نے مقوقس کو بہت بُرا بھلا کہا اور لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں......

مقوقس لڑنا نہیں چاہتا تھا...... اس نے حضرت عمرو بن عاص ؓ سے خفیہ طور پر بات چیت کی...... وہ چاہتا تھا، رومیوں سے الگ ہو جائے اور مسلمان اسے اور اس کے قبطی خاندان کو کچھ نہ کہیں......

حضرت عمرو بن عاص ؓ نے یہ بات مان لی...... اس پر قبطیوں نے مسلمانوں کی مدد بھی کی...... وہ فوج کے آگے پل اور سڑکیں بناتے چلے گئے...... اسلامی لشکر کے لیے اس کا انتظام بھی کیا۔

اب اسلامی لشکر اور رومیوں میں جنگ شروع ہوئی...... شروع میں رومی کبھی کبھی قلعے سے باہر نکل کر حملے کرتے پھر اندر چلے جاتے...... آخر ایک دن سخت معرکہ ہوا...... پہلے ایک رومی نے میدان میں نکل کر مبارزت طلب کی، یعنی مقابلے کے لیے کسی ایک کو للکارا...... اس نے کہا:

”جسے بہادری کا دعویٰ ہو، وہ اکیلا میرے مقابلے پر آئے۔“

مسلمہ بن مخلد ؓ نے اس کے مقابلے پر گھوڑا آگے بڑھایا...... رومی ان کے مقابلے میں بہت زیادہ ڈیل ڈول والا تھا...... جونہی یہ نزدیک پہنچے، اس نے لپک کر انہیں اٹھا لیا اور زمین پر دے پٹخا...... ساتھ ہی اس نے چاہا...... تلوار سے وار کرے، لیکن ایک سوار نے درمیان میں کود کر ان کی جان بچائی...... حضرت عمرو بن عاص ؓ کو ان پر غصہ آ گیا...... غصے میں وہ

انہیں برا بھلا کہہ گئے...... حضرت مسلمہ بن مخلد ؓ نے مصلحت کے تحت جواب میں کچھ نہ کہا، خاموشی اختیار کی۔

لڑائی زور شور سے جاری تھی...... آخر مسلمانوں نے جان توڑ کر حملہ کیا اور رومیوں کو دباتے چلے گئے...... رومیوں کے پاؤں اکھڑنے لگے...... وہ پیچھے ہٹتے چلے گئے...... یہاں تک کہ قلعے میں داخل ہو گئے...... اب لڑائی قلعے کے صحن میں ہونے لگی...... آخر رومیوں نے بھاری تعداد میں جمع ہو کر مسلمانوں پر حملہ کیا...... اور مسلمانوں کو قلعے سے باہر نکالنے میں کامیاب ہو گئے، ساتھ ہی انہوں نے قلعے کا دروازہ بند کر لیا۔ اب یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ مسلمانوں میں سے صرف حضرت عمرو بن عاص ؓ اور حضرت مسلمہ بن مخلد ؓ ہی اندر رہ گئے...... رومیوں نے انہیں گرفتار کرنے کی کوشش شروع کر دی...... لیکن یہ دونوں مردانہ وار مقابلے پر تل گئے...... جب انہوں نے دیکھا کہ وہ مرنے مارنے پر تل گئے ہیں تو کہا:

"ہمارا ایک آدمی تم میں سے ایک کا مقابلہ کر لیتا ہے...... اگر ہمارا آدمی مارا گیا تو ہم تمہیں قلعے سے باہر جانے دیں گے اور اگر تمہارا ساتھی مارا گیا تو دوسرا ہتھیار ڈال دے گا۔"

حضرت عمرو بن عاص ؓ نے یہ بات خوشی سے منظور کر لی اور خود رومی سپاہی کے مقابلے میں جانے لگے...... اس وقت حضرت مسلمہ بن مخلد ؓ نے دبی آواز میں کہا:

"آپ نہ جائیں...... مجھے مقابلے پر جانے دیں......"

یہ کہہ کر گھوڑا آگے بڑھایا...... رومی پہلے ہی تلوار سنبھال چکا تھا...... وہ تھا بھی بہت ماہر اور طاقت ور، دیر تک دونوں ایک دوسرے پر وار کرتے رہے...... آخر حضرت مسلمہ بن مخلد ؓ نے ایک بھرپور وار کیا...... رومی وہیں ڈھیر ہو گیا۔

اب رومیوں کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ ان دونوں میں سے ایک اسلامی لشکر کا سپہ سالار ہے وعدے کے مطابق انہوں نے ان دونوں کو قلعے سے نکلنے دیا، دونوں باہر آ گئے...... اب حضرت عمرو بن عاص ؓ کو شرمندگی محسوس ہوئی...... انہوں نے کچھ دیر پہلے انہیں سخت سست کہا تھا...... چنانچہ ان سے اپنے الفاظ کی معافی مانگی اور ان کی بہادری کی تعریف کی...... حضرت مسلمہ بن مخلد ؓ نے انہیں معاف کر دیا۔

قلعے کا محاصرہ طول پکڑ گیا...... یہ اطلاعات حضرت عمر ؓ تک پہنچیں، چنانچہ حضرت عمرو ؓ کو خط لکھا...... خط کے الفاظ یہ تھے:

"شاید تم لوگ وہاں رہ کر عیسائیوں کی طرح عیش پسند ہو گئے ہو...... ورنہ قلعہ فتح کرنے میں اتنی دیر نہ لگتی...... میرا خط ملتے پر پوری فوج کو جمع کرو اور جہاد پر خطبہ دو...... پھر اس طرح حملہ کرو کہ جن لوگوں کو میں نے سالار مقرر کیا تھا، وہ فوج کے آگے ہوں...... اور پوری فوج ایک ہی بار دشمن پر ٹوٹ پڑے۔"

اس ہدایت کے مطابق حضرت عمرو بن عاص ؓ نے فوج کے سامنے جہاد کے موضوع پر زوردار خطبہ دیا اور ایک پر اثر تقریر کی...... مسلمان جوش میں بھر گئے...... حضرت عمرو بن عاص ؓ نے حضرت عبادہ بن صامت ؓ کو بلایا...... اپنا عمامہ سر سے اتار کر نیزے پر رکھا اور انہیں دیتے ہوئے بولے:

"یہ آپ کا علم ہے اور آج سے آپ سالار ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی انہوں نے حضرت زبیر بن عوام ؓ اور مسلمہ بن مخلد ؓ کو فوج کے ہر اول دستے پر مقرر کیا...... اس طرح قلعے پر زبردست حملہ کیا اور اللہ کی مہربانی سے پہلے ہی حملے میں قلعہ فتح ہو گیا۔

حضرت عمرو بن عاص ؓ نے اسی وقت حضرت معاویہ بن خدیج ؓ کو فتح کی خوشخبری سنانے کے لیے مدینہ منورہ روانہ فرمایا...... ان سے فرمایا:

"جس قدر تیز جا سکتے ہیں، جائیں...... اور امیر المومنین کو فتح کی خوشخبری سنائیں۔"

حضرت معاویہ بن خدیج ؓ اونٹنی پر سوار ہوئے اور تیز رفتاری سے منزلیں طے کرتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے...... جس وقت یہ وہاں پہنچے وہ دوپہر کا وقت تھا...... انہوں نے سوچا: دوپہر کا وقت ہے، امیر المومنین آرام کر رہے ہوں گے، لہٰذا ان کی طرف جانے نے پہلے مسجد نبوی کا رخ کیا... اتفاق سے حضرت عمر ؓ کی لونڈی ادھر آ نکلی...... انہیں مسافر جان کر ان سے پوچھا:

"کون ہو... اور کہاں سے آئے ہو؟"

انہوں نے جواب دیا:

"اسکندریہ سے آ رہا ہوں۔"

لونڈی نے اسی وقت جا کر حضرت عمر ؓ کو اطلاع دی... انہوں نے فوراً لونڈی کو ان کی طرف بھیجا... وہ واپس آئی اور انہیں بلا کر لے آئی... لیکن ادھر حضرت عمر ؓ ان کے

آنے کا انتظار نہ کر سکے...... خود بھی اٹھے اور چادر سنبھال کر باہر نکل رہے تھے کہ حضرت معاویہ بن خدیج ؓ پہنچ گئے۔

فتح کی خوشخبری سن کر حضرت عمر ؓ زمین پر گر گئے اور سجدۂ شکر ادا کیا...... سجدے سے اٹھتے ہی مسجد نبوی میں آئے اور منادی کرا دی کہ تمام مسلمان نماز کے لئے آ جائیں...... یہ اعلان سن کر سارا شہر اُمڈ آیا...... اب آپ نے حضرت معاویہ بن خدیج ؓ کو حکم دیا:

"جنگ کے تمام حالات ان سب کو سناؤ۔"

انہوں نے فتح کی کہانی تفصیل سے سنائی پھر حضرت عمر ؓ انہیں اپنے گھر لائے اور لونڈی سے پوچھا:

"گھر میں کھانے کو کچھ ہے؟"

"جی ہاں! روٹی اور زیتون کا تیل ہے۔"

یہ چیزیں مہمان کے آگے رکھی گئیں...... انہوں نے کھانا شروع کیا تو حضرت عمر ؓ نے پوچھا:

"تم سیدھے میرے پاس کیوں نہیں آئے تھے؟"

حضرت معاویہ بن خدیج ؓ نے جواب دیا:

"میں نے سوچا...... آرام کا وقت ہے...... آپ سو رہے ہوں گے۔"

حضرت عمر ؓ نے یہ سن کر فرمایا:

"افسوس! میرے بارے میں تمہارا یہ گمان ہے کہ میں دن میں سوؤں گا..... اگر میں دن میں سوؤں گا تو پھر خلافت کا بار کون سنبھالے گا؟"

شہادت

حضرت عمرو بن عاص ؓ اسکندریہ کی فتح کے بعد فسطاط واپس آ گئے۔ آپ نے پھر وہاں شہر آباد کیا...... اسکندریہ اور فسطاط کے بعد اب اگرچہ کوئی بڑا علاقہ فتح کے قابل نہیں رہ گیا تھا، لیکن مصر کے تمام ضلعوں میں رومی پھیلے ہوئے تھے...... آپ نے ہر طرف تھوڑی تھوڑی فوجیں روانہ کیں تاکہ آئندہ ان کے حملوں کا خطرہ نہ رہ جائے۔ ان فوجوں کے روانہ کرنے کا

ایک فائدہ یہ ہوا کہ آس پاس کے تمام اضلاع کے لوگوں نے خوشی سے جزیہ دینا منظور کر لیا۔ اس طرح مصر کے تمام علاقے فتح ہو گئے......

ان جنگوں میں بے شمار رومی اور قبطی گرفتار ہوئے تھے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے ان کے بارے میں دربارِ خلافت سے پوچھا:

"ان قیدیوں کا کیا کیا جائے؟"

ادھر سے جواب آیا:

"ان سب کو بلا کر ان سے کہہ دیں...... انہیں اختیار ہے، مسلمان ہو جائیں یا اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ اگر مسلمان ہو جائیں گے تو انہیں وہ سب حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمان کو حاصل ہیں...... ورنہ انہیں جزیہ دینا ہوگا۔"

یہ ہدایت ملنے پر حضرت عمرو بن عاصؓ نے تمام قیدیوں کو جمع کیا...... یہ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ ان میں سے ان کے سرداروں کو آگے بلایا گیا۔ حضرت عمرؓ کا فرمان پڑھ کر سنایا گیا۔

اس پر بہت سے قیدیوں نے خوشی سے اسلام قبول کر لیا...... بہت سے اپنے مذہب پر قائم رہے۔ جب کوئی عیسائی اسلام قبول کرنے کا اعلان کرتا تو مسلمان "اللہ اکبر" کا نعرہ بلند کرتے...... ان کے چہروں پر خوشی پھیل جاتی۔

فتوحات کا یہ سلسلہ یہاں تک پہنچا تھا کہ ۲۶ ذوالحجہ ۲۳ ہجری کو حضرت عمرؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ اس کی تفصیل یوں ہے۔

مدینہ منورہ میں فیروز نامی ایک پارسی غلام تھا۔ حضرت عمرؓ کے دور میں ہی جب نہاوند فتح ہوا تو یہ قیدیوں میں شامل تھا اور دوسرے قیدیوں کے ساتھ مدینہ منورہ بھیجا گیا تھا۔ ایک روز یہ شخص امیر المومنین حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے آپ سے عرض کیا:

"میرے آقا مغیرہ بن شعبہ (ؓ) نے مجھ پر بہت بھاری محصول مقرر رکھا ہے۔ آپ کم کرا دیجئے۔"

حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا:

"تمہیں کتنا محصول دینا پڑتا ہے؟"

اس نے بتایا:

"مجھے روزانہ دو درہم (۴۳ پیسے) دینا پڑتے ہیں۔"

اب آپ نے اس سے پوچھا:

"تم کیا کام کرتے ہو؟"

اس نے کہا:

"میں نقاشی اور آہن گری کا کام کرتا ہوں۔"

حضرت عمرؓ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا:

"اس کام کے مقابلے میں تو یہ رقم زیادہ نہیں ہے؟"

فیروز آپ کا جواب سن کر ناراض ہو گیا...... ایسے میں حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا:

"تم میرے لیے بھی ایک چکی بنا دو۔"

جواب میں اس نے کہا:

"آپ کے لیے تو میں ایسی چکی بناؤں گا کہ آپ یاد کریں گے۔"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا...... آپ نے آس پاس موجود لوگوں سے فرمایا:

"یہ شخص مجھے قتل کی دھمکی دے کر گیا ہے۔"

دوسرے دن حضرت عمرؓ صبح کی نماز کے لیے نکلے۔ فیروز ان سے پہلے ہی مسجد میں آ چکا تھا۔ اس کے پاس ایک خنجر تھا۔ وہ اس نے اپنی آستین میں چھپا رکھا تھا...... وہ مسجد کے ایک کونے میں دبکا ہوا تھا۔ ایسے میں حضرت عمرؓ امامت کرانے کے لیے آگے آئے...... اس وقت تک صفیں درست ہو چکی تھیں...... حضرت عمرؓ نے صفیں درست کرانے کے لیے کچھ لوگ مقرر کر رکھے تھے۔

جونہی آپ نے نماز شروع کی...... فیروز اچانک گھات سے نکلا اور آپ پر خنجر کے چھ وار کیے۔ ان میں سے ایک وار ناف کے نیچے لگا۔ حضرت عمرؓ نے فوراً حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود گر پڑے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اس حالت میں نماز پڑھائی کہ حضرت عمرؓ پاس ہی پڑے تڑپ رہے تھے۔ فیروز وار کر کے بھاگا...... کچھ لوگوں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی تو اس نے ان پر بھی وار کیے...... کچھ لوگ زخمی ہوئے...... فیروز نے جب دیکھا کہ اسے گھیر لیا گیا ہے تو اس نے وہی خنجر اپنے پیٹ میں گھونپ کر خودکشی کر لی۔

لوگ حضرت عمر ؓ کو اٹھا کر گھر لائے۔ اس وقت تک ان کا خیال تھا کہ زخم معمولی ہیں..... چنانچہ ایک طبیب کو بلایا گیا۔ اس نے شہد اور دودھ منگوایا۔ آپ کو پلایا گیا تو دونوں چیزیں زخموں کے راستے باہر نکل آئیں۔ اس وقت لوگوں کو احساس ہوا کہ یہ بچ نہیں پائیں گے۔

حضرت عمر ؓ نے ہوش میں آنے کے بعد پوچھا:

"میرا قاتل کون ہے؟"

لوگوں نے بتایا:

"فیروز پارسی"

آپ نے کہا۔

"اللہ کا شکر ہے..... میں کسی مسلمان کے ہاتھوں نہیں مارا گیا۔"

اب آپ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بلایا اور ان سے کہا:

"عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ، ان سے کہو..... عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دفن ہونے کی اجازت چاہتا ہے"۔

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو وہ بری طرح رو رہی تھیں۔ انہوں نے حضرت عمر ؓ کا پیغام پہنچایا۔ آپ نے فرمایا:

"اس جگہ کو میں اپنے لیے محفوظ رکھنا چاہتی تھی، لیکن آج میں عمر کو اپنے آپ پر ترجیح دیتی ہوں۔"

فتوحات عمر رضی اللہ عنہ پر ایک نظر

حضرت عمر ؓ کے زمانے میں شام، عراق، جزیرہ، خوزستان، عجم، آرمینیہ آزربائی جان، فارس، کرمان، خراسان اور مکران فتح ہوئے۔ بلوچستان کا کچھ حصہ بھی فتح ہوا۔

حضرت عمر ؓ کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ جو ان کی رائے ہوتی تھی۔ اکثر وہی بات پیش آ جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ان کی بہت سی آراء مذہب کے احکام بن گئیں..... کئی موقعوں پر خود اللہ تعالیٰ نے ان کی رائے کی تائید فرمائی..... اس کی مثالیں بھی پڑھ لیں۔

نماز کے اعلان کے لیے جب ایک طریقہ طے کرنے کا مسئلہ سامنے آیا تو لوگوں نے مختلف مشورے دیے، کسی نے کہا، ناقوس بجالیا جائے، کسی نے نقارہ بجانے کی رائے دی، کسی نے آگ جلانے کی بات کہی، لیکن اس وقت حضرت عمرؓ نے یہ رائے دی:

"کیوں کہ نہ ایک آدمی مقرر کیا جائے جو نماز کی منادی کیا کرے؟"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اذان دیں، چنانچہ یہ پہلا دن تھا، جب اذان کا طریقہ شروع ہوا...... اور درحقیقت اذان سے بہتر کوئی اور طریقہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

بدر کے قیدیوں کا معاملہ پیش آیا تو جو رائے حضرت عمرؓ نے دی، وحی بھی اسی کے مطابق نازل ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پہلے شرعی پردہ نہیں کرتی تھیں کیونکہ پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا...... حضرت عمرؓ کو بار بار اس بات کا خیال آیا۔ آخر انہوں نے عرض کر ہی دیا کہ اے اللہ کے رسول! پردہ کرایا کریں...... دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں وحی کا انتظار تھا۔ آخر پردے کی آیت نازل ہوئی اور تمام مسلمان عورتوں پر پردہ فرض ہو گیا۔

عبداللہ بن ابی منافقوں کا سردار تھا۔ جب وہ مرا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی نماز جنازہ پڑھنے کی درخواست کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی چاہا کہ نماز جنازہ پڑھا دیں لیکن اس موقعے پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔

"اے اللہ کے رسول! آپ منافق کے جنازے کی نماز پڑھیں گے؟"

مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی۔

اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیت نازل ہوئی۔ اس میں منافقوں کی نماز جنازہ پڑھنے سے روک دیا گیا۔

حضرت عمرؓ ایک روز حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے یہ رائے دی:

"اے امیر المومنین! میری رائے ہے کہ قرآن کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے؟"

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:

"میں وہ کام کس طرح کر سکتا ہوں...... جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟"

حضرت عمر ؓ نے کئی بار حضرت ابو بکر صدیق ؓ سے یہی کہا...... آخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ حضرت عمر کی رائے درست ہے...... تب حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے حضرت زید بن ثابت ؓ سے فرمایا:

"قرآن کو ایک جگہ جمع کرو۔"

حضرت زید بن ثابت کاتب وحی تھے۔ یہ سن کر انہوں نے کہا:

"میں وہ کام کیسے کر سکتا ہوں جس کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں دیا؟"

اب حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے بار بار ان سے یہ بات فرمائی...... آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت زید بن ثابت ؓ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ ایسا کیا جائے...... اس طرح قرآن ایک جگہ جمع کیا گیا...... ورنہ پہلے یہ مختلف جگہوں پر مختلف لوگوں کے پاس تھا...... اور ایسا حضرت عمر ؓ کی رائے سے ہوا۔

اس قسم کے کئی اور بھی واقعات پیش آئے جب حضرت عمر ؓ کی رائے ہی درست ثابت ہوئی۔ آپ ؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔ جب صحابہ وغیرہ کے روزینے مقرر کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کا مشورہ یہ تھا کہ حضرت عمر ؓ کا روزینہ سب سے پہلے مقرر کیا جائے۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا:

"نہیں! سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقین کے مقرر کیے جائیں گے۔"

چنانچہ سب سے پہلے بنو ہاشم سے شروع کیے گئے۔ ان میں بھی حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم سے ابتدا کی گئی۔ بنو ہاشم کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت میں قریب بنو امیہ تھے...... پھر بنو عبدالشمس اور بنو نوفل پھر عبدالعزیٰ یہاں تک کہ حضرت عمر ؓ کا قبیلہ بنو عدی پانچویں نمبر پر تھا...... اسی درجے میں اسے رکھا گیا...... اسی ترتیب سے سب کے نام لکھے گئے...... تنخواہوں کی مقدار میں بھی اسی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا۔ سب سے زیادہ تنخواہیں اصحاب بدر کی تھیں۔ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما اگرچہ اصحاب بدر میں شامل نہیں تھے، یہ بدر کی لڑائی کے وقت بہت چھوٹے تھے، لیکن ان کی تنخواہیں اسی حساب سے مقرر کیں اور یہ سب سے زیادہ مقدار تھی۔ اسامہ بن زید ؓ کی تنخواہ اپنے بیٹے حضرت عبداللہ ؓ

سے زیادہ مقرر کی۔ اس پر حضرت ابن عمرؓ نے اعتراض کیا اور کہا:

''آپ نے میری تنخواہ اسامہ بن زید سے کم مقرر کی ہے......؟''

جواب میں آپ نے فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ کو تجھ سے اور اسامہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔''

حضرت عمرؓ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے کے بغیر خلافت کے کام انجام نہیں دیتے تھے۔ حضرت علی بھی نہایت دوستانہ انداز میں پورے خلوص سے مشورے دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو جب بیت المقدس جانا پڑا تو آپ حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام مقرر کر گئے۔ حضرت علیؓ بھی حضرت عمرؓ کا حد درجہ پاس اور لحاظ کرتے تھے...... یہاں تک کہ آپ نے اپنی پیاری بیٹی حضرت ام کلثومؓ کو حضرت عمرؓ کے نکاح میں دے دیا۔ یہ ام کلثوم حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی بیٹی تھیں۔

اپنی پوری خلافت کے دوران ان کا حال ایک طرف تو کچھ اس طرح تھا! ...... روم اور شام کی طرف فوجیں بھیج رہے ہیں...... قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے بات چیت کر رہے تھے اسلامی لشکر کے سپہ سالاروں سے پوچھ گچھ کر رہے ہیں...... گورنروں کے نام احکامات لکھ رہے ہیں...... دوسری طرف حال یہ تھا کہ بدن پر جو لباس ہے، اس میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے، صحرا کی ریت پر کوڑے کا تکیہ بنائے سو رہے ہیں اور پسینہ ریت پر بہہ رہا ہے...... سر پر پھٹا ہوا عمامہ ہے، پاؤں میں پھٹی ہوئی جوتیاں ہیں...... اور کاندھے پر پانی کی مشک اٹھائے جا رہے ہیں کہ بیوہ عورتوں کے گھروں کا پانی بھرنا ہے...... راتوں کو شہر کا گشت لگایا جا رہا ہے...... کسی بدو کی بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہونے والا ہے تو اپنی زوجہ محترمہ کو اس کے گھر پہنچانے جا رہے ہیں ...... رات کو کسی بیوہ کے بچے بھوک سے روتے سنائی دے گئے تو گھر سے کھانے پینے کی چیزیں بوری میں ڈال کر اپنی کمر پر لاد کر اس کے گھر پہنچانے جا رہے ہیں، خادم خود اٹھانے کی کوشش کرتا ہے تو اسے نہیں اٹھانے دیتے...... خلافت کے کام کرتے کرتے تھک گئے تو مسجد کے فرش پر ہی لیٹ گئے۔ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کا سفر کرنا پڑ گیا تو کوئی خیمہ یا شامیانہ ساتھ نہیں لے جا رہے...... کسی درخت کے نیچے چادر بچھائی اور لیٹ گئے۔ طبقات ابن سعد کی ایک روایت کے مطابق روزانہ کا خرچ دو درہم تھا...... یعنی آج کل کے حساب سے ۱۰۰ روپے۔

احنف بن قیس اور عرب کے رئیسوں نے ایک بار آپ سے ملاقات کا پروگرام طے کیا۔ وہاں گئے تو دیکھا، آستینیں چڑھا رکھی ہیں اور اِدھر اُدھر دوڑ رہے ہیں...... احنف بن قیس پر نظر پڑی تو بولے:

"آؤ...... تم بھی میری مدد کرو، بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے...... اور تم جانتے ہی ہو، ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حصہ ہوتا ہے۔"

ایسے میں ایک شخص نے کہہ دیا:

"امیر المومنین! آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں...... کسی غلام سے کہہ دیں، وہ ڈھونڈ لائے گا۔"

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

"مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے؟"

شام کے سفر میں قضاء حاجت کے لیے سفر سے اترے۔ آپ کے غلام اسلم ساتھ تھے۔ واپس لوٹے تو ان کے اونٹ پر سوار ہو گئے۔ اِدھر اہل شام استقبال کے لیے آ رہے تھے، جو آتا، پہلے اسلم کی طرف متوجہ ہوتا، وہ حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ کرتے...... لوگوں کو حیرت ہوتی تھی...... آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے کہ یہ کیسے امیر المومنین ہیں...... اس پر آپ نے فرمایا:

"ان لوگوں کی نظریں دراصل عجمی شان و شوکت کو تلاش کر رہی ہیں...... لیکن وہ یہاں انہیں کہاں نظر آئے گی؟"

ایک مرتبہ خطبہ دے رہے تھے...... اس میں فرمایا:

"لوگو! میں ایک زمانے میں اس قدر غریب تھا کہ لوگوں کو پانی بھر کر دیا کرتا تھا۔ وہ اس کے بدلے میں مجھے چھوہارے دے دیتے تھے۔ وہی کھا کر اپنا پیٹ بھرتا تھا۔"

یہ کہا اور منبر سے اترے...... لوگوں کو بہت حیرت ہوئی کہ یہ بھی کوئی جتانے کی بات تھی...... اس پر وضاحت کرنے کے لیے فرمایا:

"بات دراصل یہ ہے کہ میری طبیعت میں غرور آ گیا تھا...... یہ میں نے اس کا علاج کیا ہے۔"

آپ نے کئی نکاح کیے۔ آپ کے ہاں اولاد بھی کثرت سے ہوئی۔ ان میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اس لیے ممتاز ہیں کہ وہ ازواج مطہرات میں شامل ہوئیں۔ نرینہ اولاد میں

سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ بہت مشہور ہوئے۔ یہ بہت بڑے فقیہ تھے۔ آگے چل کر ان کے بیٹے سالم بن عبداللہ فقیہ ہوئے۔ وہ مدینہ منورہ کے سات بڑے فقیہوں میں سے ایک تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ آپ کے بیٹے عاصمؓ بھی بہت بڑے عالم فاضل ہوئے۔

آپ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ دنیا میں اگر ایک عمر اور پیدا ہو جاتا تو ساری دنیا میں اسلام عام ہوتا...... غرض آپ کی خوبیوں کو شمار کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں...... اللہ تعالیٰ اُن پر کروڑوں بار رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔

فتوحاتِ عثمان کا آغاز

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زخمی ہونے کے بعد چھ صحابہ کرام کے نام تجویز فرمائے تھے اور ارشاد فرمایا تھا:

”ان چھ میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنالینا۔“

وہ چھ نام یہ ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مجلسِ شوریٰ کا اجلاس ہوا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز پیش کی۔

”ہم میں سے شخص ایک کے نام کی سفارش کرے۔“

یہ تجویز سب نے منظور کی۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام تجویز کیا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔

اس لئے خلافت کے لیے تین نام رہ گئے۔ ان میں سے بھی حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”میں اپنا نام واپس لیتا ہوں... آپ دونوں اپنا معاملہ مجھ پر چھوڑیں جسے میں خلافت

کے لیے منتخب کروں... دوسرے حضرات اسے خوشی سے قبول کرلیں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے الگ الگ تنہائی میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے اس کا اقرار کرلیا۔ اب حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے خلافت کی بیعت کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ ان کے بیعت کرتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً بیعت کی۔ اس کے بعد وہاں موجود سب نے بیعت کرلی... اس کے بعد عام مسلمانوں کی باری آئی... لوگ حضرت عثمان سے بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ منتخب ہوگئے۔

خلافت کا اعلان ہونے کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"ہم نے اس شخص کو خلیفہ بنایا ہے جو اب زندہ لوگوں میں سب سے بہتر ہے... اور ہم نے اس میں کوئی غلطی نہیں کی۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں فرمایا:

"جو لوگ باقی رہ گئے ہیں.... ہم نے ان میں سب سے بہتر شخص کو اپنا امیر بنایا ہے اور ہم نے اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔"

یہ الفاظ انہوں نے اپنے خطبوں میں کئی بار دہرائے... یہاں تک کہ مدینہ منورہ سے کوفہ گئے تو وہاں کے لوگوں کو بھی ان ہی الفاظ میں خطبہ دیا... اور فرمایا:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ ہم سب اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بہت سخت تھا۔ اس کے بعد ہم سب لوگ ایک جگہ جمع ہوئے... مذہبی خلافت کا بوجھ اٹھانے کے لیے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی شخص نظر نہ آیا... تلاش اور جستجو میں ہم نے کوئی کوتاہی نہیں کی... اس لیے ہم نے ان سے بیعت کرلی۔"

یہ بیعت ۲۳ ہجری کی آخری شب میں ہوئی۔ یعنی یکم محرم ۲۴ ہجری آپ کی خلافت کا پہلا دن تھا۔ خلافت کے ملنے پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے سامنے یہ خطبہ دیا:

"اے لوگو! تم سب حاضر ہو۔ عمر کا جو حصہ باقی ہے، بس اسے پورا کرنے والے ہو، اس لئے تم جو زیادہ سے زیادہ نیکی کر سکتے ہو، کرلو، بس یہ سمجھو کہ موت اب آئی کہ اب آئی۔ بہرحال اسے آنا ضرور ہے۔ خوب سن لو... دنیا کا سارا تار و پود ہی مکر و فریب سے تیار ہوا ہے۔ اس لیے محتاط رہو، دنیا کی زندگی تمہیں دھوکا نہ دے جائے اور اللہ تعالیٰ سے تمہیں غافل نہ کردے... لوگو!

جو لوگ گزر گئے، ان سے عبرت حاصل کرو... کوشش کرتے رہو، غفلت نہ برتو، کیونکہ تم سے غفلت نہیں برتی جائے گی... آج کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے آخرت پر دنیا کو ترجیح دی تھی... انہوں نے دنیا کو آباد رکھا تھا اور ایک مدت تک اس سے لطف اندوز ہوتے رہے تھے... کیا دنیا نے انہیں اپنے اندر سے نکال باہر نہیں کیا۔ تم دنیا کو اسی مقام پر رکھو، جس پر اللہ تعالیٰ نے اسے رکھا ہے اور آخرت کی طلب کرو... اللہ تعالیٰ نے دنیا کی اور جو چیز بہتر ہے اس کی مثال یوں بیان فرمائی ہے۔

ترجمہ: ''اے پیغمبر! آپ لوگوں کو بتا دیجیے کہ دنیا کی زندگی کی مثال اس پانی جیسی ہے جسے ہم آسمان سے نازل کرتے ہیں۔'' (سورۂ کہف)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جو فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تھا... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے کو جاری رکھا... اس طرح ان کے دور میں مزید فتوحات ہوئیں... جو فتوحات نامکمل رہ گئی تھیں... وہ مکمل ہوئیں...

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں کوئی بحری جنگ نہیں ہوئی تھی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے سمندر میں بھی جنگ کا آغاز کیا۔

اسکندریہ اس دور میں مصر کا دارالحکومت تھا۔ رومی بادشاہ کی طرف سے اسکندریہ میں گورنر مقرر تھا۔ اس کا نام مقوقس تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر فتح کیا تو اس وقت مقوقس صلح کرنا چاہتا تھا... لیکن شرائط طے نہ ہو سکیں، اس لیے جنگ ہوئی اور اسکندریہ فتح ہو گیا۔ مصر کا دوسرا شہر فسطاط پہلے ہی فتح ہو چکا تھا... (آج کل اس شہر کا نام قاہرہ ہے) قیصرِ روم ان فتوحات کی وجہ سے بہت غصے میں تھا، لیکن موقعے کی تلاش میں تھا... اب ہوا یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصر سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو واپس بلا لیا۔ ان کی جگہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو گورنر مقرر کر دیا۔ اس تبدیلی کی وجہ سے رومی بادشاہ نے سوچا، اب موقع اچھا ہے اس نے تین سو جہازوں کا بحری بیڑا روانہ کیا۔ اس نے لشکر کا سالار مینول کو مقرر کیا تھا... مسلمان اس اچانک حملے کے لیے تیار نہیں تھے۔ مقابلہ تو ہوا لیکن شکست کھا گئے... اور بڑی تعداد میں قتل بھی ہوئے۔ اس طرح اسکندریہ پر رومیوں کا قبضہ ہو گیا... یہ واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوسرے سال ۲۵ ہجری میں ہوا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو پھر سے ان کے عہدے پر مقرر کر دیا اور انہیں حکم دیا:"

"اسکندریہ کی طرف پیش قدمی کریں۔"

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلامی لشکر کو لیے اسکندریہ کی طرف بڑھے۔ نکوئی کے مقام پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زبردست حملہ کیا۔ دشمن اس حملے کی تاب نہ لا کر پسپا ہونے پر مجبور ہو گیا۔ اسے زبردست جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ اس طرح مسلمان پھر اسکندریہ پر قابض ہو گئے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسکندریہ کی فتح کے بعد برقہ اور طرابلس کی طرف بڑھے اور انہیں بھی فتح کر لیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبداللہ بن ابی سرح کو حکم بھیجا کہ تیونس کی طرف پیش قدمی کریں۔ انہوں نے تیونس پر حملہ کیا، لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ اب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عمرو بن عاص، حضرت عبداللہ بن جعفر اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنھم جیسے بڑے بڑے صحابہ کو عبداللہ بن ابی سرح کی مدد کے لیے بھیجا۔ اب عبداللہ بن ابی سرح ان سب حضرات کو لے کر آگے بڑھے۔

رومیوں کا ایک عظیم لشکر مقابلے پر سامنے آیا، لیکن اس نے شکست کھائی۔ اسلامی لشکر آگے بڑھا تو رومیوں کے ایک لاکھ بیس ہزار کے لشکر نے تیونس کے مقام پر مقابلہ کیا، آخر رومیوں کو شکست فاش ہوئی اور تیونس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

رومی فوجوں کا کمانڈر "گرے گوری" اسی لڑائی میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا...... بے تحاشہ مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ ایک ایک سوار کے حصے میں تین تین ہزار دینار اور پیدل فوج میں ایک ہزار فی مجاہد کے حصے میں آئے۔

تیونس کی اس عظیم الشان فتح کے بعد عبداللہ بن ابی سرح شمالی افریقہ کی طرف بڑھے۔ انہوں نے مشرق سے مغرب کی طرف پیش قدمی جاری رکھی...... راستے میں جو شہر یا قلعے ملتے چلے گئے، وہ انہیں فتح کرتے چلے گئے۔ اس طرح الجزائر فتح ہو گیا یہاں تک کہ جبل طارق پہنچ گئے۔ اس طرح مصر سے لے کر مراکش تک خلافتِ عثمانی کا پرچم لہرانے لگا...... رومی فوجوں کا یہاں سے مکمل طور پر صفایا ہو گیا۔

مراکش کی فتح کے بعد اسپین کی طرف پیش قدمی آسان ہو گئی۔ ۲۷ ہجری میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبداللہ بن نافع بن حصین اور عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس کو لکھا کہ:

''تم دونوں اُندلس کی طرف پیش قدمی کرو۔''

اس معرکے میں بھی مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی...... اور یہ کامیابی بہت بڑی تھی اس سے مسلمانوں کی شان و شوکت اور طاقت میں بہت اضافہ ہوا۔

جزیرہ قبرص ان دنوں مسلمانوں کے لیے ایک بڑا خطرہ تھا اس میں رومی حکومت کا ایک بہت بڑا بحری مرکز تھا یہ شام کے ساحل کے قریب تھا...... اور اسی وجہ سے مسلمانوں کے لیے خطرناک تھا...... اس بنیاد پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس پر حملہ کرنے کی اجازت طلب کی تھی...... حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کے گورنر تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحری جنگ کو پسند نہیں کرتے تھے اس لیے انہوں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

اب پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بارے میں لکھا اپنے خط میں انہوں نے قبرص کے جزیرے کی اہمیت واضح کی...... اور لکھا کہ اگر قبرص پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جاتا ہے تو مسلمانوں کو اس سے بہت فائدہ ہوگا...... حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں اجازت دے دی۔

اجازت ملتے ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبرص پر حملہ کر دیا۔

جزیرہ روڈس صقلیہ

قبرص کے باشندوں نے سات ہزار سالانہ پر صلح کر لی۔ شرائط یہ تھیں:

''مسلمان اور مقامی لوگ دونوں قبرص کی حفاظت کریں گے اور یہ لوگ رومیوں سے مقابلے کے لئے مسلمانوں کو اپنے جزیرے سے گزرنے دیں گے اس کے علاوہ مسلمانوں کو رومیوں کے بارے میں خبریں دیتے رہیں گے۔''

یہ صلح کئی سال تک جاری رہی، لیکن ۳۲ ہجری میں قبرص والوں نے رومیوں کی مدد کر کے معاہدے کی خلاف ورزی کر ڈالی۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان پر حملہ کیا

اور قبرص کو فتح کر کے اسے نئی آبادی بنادیا۔

یہ بحری جنگوں میں مسلمانوں کی پہلی فتح تھی اور یہ پہلا جزیرہ تھا جو اسلامی حکومت میں شامل ہوا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن ابی سرح دونوں تاریخ اسلام میں پہلے امیر البحر ہیں...... بحری بیڑے کی شاندار قیادت ان کا عظیم کارنامہ ہے۔

قبرص کی فتح کے دوسرے سال جزیرہ ارداد فتح ہوا یہ قسطنطنیہ کے قریب سمندر میں ایک جزیرہ ہے اس کے علاوہ جزیرہ روڈس بھی فتح ہوا۔ جغرافیائی اعتبار سے یہ اہم جزیرہ تھا اس کے بارے میں خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان الفاظ میں خط لکھا تھا:

”سمندر (بحیرۂ روم) میں ایک اور جزیرہ ہے اس کا نام روڈس ہے اسے بھی فتح کرنے کی اجازت دی جائے۔“

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجلسِ شوریٰ سے مشورہ کیا تو اس میں بھی یہی کہا گیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اجازت دے دی جائے، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا:

”جس چیز کی تم نے اجازت مانگی تھی میں تمہیں اس کی اجازت دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، دور اندیشی کو ہاتھ سے مت جانے دو، اور اگر تمہیں سمندر کا ذرا سا بھی ڈر ہو تو ہرگز اس پر سوار مت ہونا، کیونکہ سمندر کا ہول بہت ہوتا ہے۔“

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے اجازت ملنے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحری بیڑہ لے کر روانہ ہوئے۔ جزیرہ روڈس کے لوگوں نے سمندر ہی میں مسلمانوں کا مقابلہ کیا...... نہایت سخت جنگ ہوئی۔ یہاں انہیں مال غنیمت تو بہت ملا، لیکن آبادی نہیں ملی۔ روڈس کے جو لوگ جنگ سے بچ گئے تھے انہوں نے بھی خودکشی کر لی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ کے حالات حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھ بھیجے...... حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حالات سن کر بہت خوشی کا اظہار فرمایا...... جزیرہ اگرچہ فتح ہو گیا تھا لیکن ویران تھا...... آخر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور میں اس جزیرے کو آباد کیا...... مسلمانوں کو وہاں بسایا...... ان کے لئے مسجد تعمیر کرائی......

اس طرح یہ جزیرہ مسلمانوں کے لیے ایک مضبوط چھاؤنی بن گیا۔ بحیرۂ روم کے درمیان

میں ایک جزیرہ صقلیہ ہے۔ اسلام سے پہلے دنیا کی بڑی حکومتیں اس جزیرے کے لیے لڑتی رہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بحری جنگ میں اس جزیرے کی بہت اہمیت تھی۔ یہ اہمیت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظروں سے کس طرح چھپی رہ سکتی تھی...... چنانچہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھ کر اجازت طلب کی، جب اجازت آگئی تو آپ نے تین سو کشتیوں کا بیڑا تیار کروایا، یہ بیڑا ہر طرح کے اسلحے سے آراستہ تھا۔

صقلیہ کے بادشاہ کو مسلمانوں کے بحری بیڑے کی پیش قدمی کی اطلاعات ملیں.... اس نے بات چیت شروع.... کی ترجمان کے ذریعے بات ہوئی...... لیکن کوئی بات طے نہ ہو سکی...... آخر دونوں فوجیں جنگ کے لیے آمنے سامنے آگئیں...... سب سے پہلے ایک رومی مقابلے کے لیے اپنی صفوں سے باہر آیا اس کے مقابلے میں ایک بربری مسلمان نکلا۔ اس نے رومی کا مقابلہ بڑی دلیری سے کیا اور اس کا کام تمام کر دیا۔

اس کے بعد عام جنگ شروع ہوئی۔ صقلیہ کا حکمران خود اپنی فوج کو لے کر آگے بڑھا ...... مسلمان بھی صف بندی کر چکے تھے۔ رومی فوج نے مسلمانوں کے میسرہ پر اس قدر شدید حملہ کیا کہ مسلمان پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ البتہ فوج کا میمنہ اور قلب ثابت قدم رہے...... جنگ تمام دن جاری رہی...... رات ہوئی تو فوجیں الگ ہو گئیں......۔

بعض خوفناک اطلاعات کے پیش نظر اسلامی بحری بیڑے کو صقلیہ کو فتح کیے بغیر ہی پیچھے آجانا پڑا......۔

رومی سلطنت کے بحری مرکز بھی جب ان کے ہاتھوں سے نکلنے لگے تو قیصر روم ہرقل ۳۴ ہجری میں ایک عظیم بحری بیڑے کے ساتھ مسلمانوں پر حملے کی نیت سے روانہ ہوا۔ اس کا بحری بیڑا ایک ہزار کشتیوں پر مشتمل تھا۔ یہ تمام جہاز اسلحے اور جنگی ساز و سامان سے لدے ہوئے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یہ اطلاعات ملی تو انہوں نے فوراً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا:

"تمہارے پاس جو شامی لشکر ہے، اسے لے کر رومیوں کے مقابلے کے لئے روانہ ہو جاؤ۔"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت پورے شام کے گورنر تھے۔ ان کے علاوہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصر کے گورنر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو حکم بھیجا:

''تم مصر کا لشکر لے کر سمندر میں اترو۔''

ایک تیسرا خط حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی لکھا:

''تم ان دونوں لشکروں کی مدد کرو۔''

ان احکامات کے مطابق مصر اور شام کی فوجیں بڑے ساز و سامان اور اسلحے کے ساتھ پہلے ''عکا'' پہنچیں۔ وہاں سے اسلامی بحریہ کے یہ دونوں نامور کمانڈر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح پانچ سو جہازوں کا بیڑا لے کر سمندر میں اترے۔ ان جہازوں پر گھوڑے اور ہر قسم کا اسلحہ موجود تھا۔

اسلامی فوج سمندر میں اتری ہی تھی کہ قیصر روم کا جنگی بیڑہ سامنے آ گیا۔ اس وقت ہوا بہت تیز چل رہی تھی...... اسلامی فوج نے سامنے دیکھا تو قیصر روم کا عظیم الشان لشکر کالی گھٹا کی طرح کھڑا نظر آیا...... سمندر بھی پُرسکون نہیں تھا...... موجیں اٹھتی نظر آ رہی تھیں۔

مسلمان یہ دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑانے لگے...... دعائیں کرنے لگے۔ اس پوری رات مسلمان قرآن کی تلاوت کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہے...... جب کہ دوسری طرف رومی لشکر تمام رات شراب نوشی اور گانے بجانے میں مصروف رہا۔

صبح ہوئی تو دونوں فوجیں جنگ کی تیاری کرنے لگیں...... اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن سعد نے رومی بادشاہ کو یہ پیغام بھیجا:

''اگر آپ مناسب سمجھیں تو ساحل پر چل کر طاقت آزمالیں۔ ہم میں جو کمزور ہوگا مارا جائے گا؟''

رومی فوج نے اس پیش کش کو رد کر دیا...... اس نے جواب بھیجا:

''اب جو کچھ ہوگا سمندر میں ہوگا۔''

اب دونوں لشکر آمنے سامنے آ کر صف بندی کرنے لگے...... نیزے، تیر، کمان اور تلواروں کی فصل سمندر پر اُگی محسوس ہو رہی تھی۔ آخر جنگ شروع ہوئی۔ یہ اس قدر غضب کی اور گھمسان کی جنگ تھی کہ کہا گیا:

''ایسی تو نہ کبھی دیکھی، نہ سنی گئی۔''

نیزہ بازی اور تیر اندازی کی تو نوبت ہی نہیں آئی۔ تلواروں اور خنجروں سے جنگ ہو رہی

تھی۔ اس قدر خون بہا کہ سمندر کا پانی سرخ ہو گیا...... لاشوں کے انبار لگ گئے...... ایسے میں قدرت نے مدد فرمائی۔ رومی بادشاہ شدید زخمی ہو گیا۔ اس نے اپنے بیڑے کا لنگر اٹھا دیا...... بادشاہ کا بیڑہ واپس بھاگتا ہوا نظر آیا تو رومی فوج حوصلہ ہار بیٹھی...... ان کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اس قدر بدحواس ہو کر بھاگے کہ کسی کو کسی کی خبر نہ رہی۔ مسلمانوں کا بحری بیڑا فتح اور کامرانی کے پرچم اڑاتا "عکا" کے ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتح کی خوشخبری کا خط لکھا...... حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خط ملا تو بہت خوش ہوئے...... مسلمانوں کو خط سنایا گیا تو سبھی مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

بحری جنگ کے لحاظ سے یہ فتح بہت اہم تھی۔ عربی میں یہ جنگ "مستولوں کی جنگ" کے نام سے مشہور ہے۔ اس فتح سے پہلے رومیوں کو سمندر میں برتری حاصل تھی، مسلمانوں کی فتح کے بعد ان کی یہ برتری ختم ہو گئی۔

اس جنگ کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ تنگنائے قسطنطنیہ تک پہنچ گئے۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح بھی نوبیہ تک پہنچ گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ایران کے دوسرے شہروں کے ساتھ ایک شہر اصطخر بھی فتح ہوا تھا...... اسے فتح کرنے میں مسلمانوں کو کافی مشکلات پیش آئی تھیں...... حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد یہاں کے لوگوں نے بغاوت کر دی...... پھر اس بغاوت میں اضافہ ہوتا چلا گیا...... یہاں تک کہ خراسان تک پہنچ گئی۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ کے گورنر عبداللہ بن عامر کو لکھا:

"جو علاقے ہم فتح کر چکے ہیں ان کو مسلمانوں کے قبضے سے نکالنے کے لئے ایرانی سالار ماہک بن شاہک تیس ہزار فوج کے ساتھ روانہ ہوا ہے۔ تم فوراً روانہ ہو جاؤ اور فارس سے لے کر خراسان تک کے تمام شہر فتح کرو۔"

بلنجر کے شہید

عبداللہ بن عامر ایک لشکر جرار لے کر بصرہ سے روانہ ہوئے۔ فارس کے قریب پہنچے تھے کہ صحرائے اصطخر میں دشمن سے مقابلہ ہوا۔ صبح سے ظہر تک سخت جنگ ہوئی۔ آخر ماہک شکست

کھا کر بھاگ نکلا...... مسلمانوں نے اس کا تعاقب کیا۔ یزید بن حکم ماہک کے سر پر پہنچ گئے ...... تلوار کا وار گردن پر کرنے لگے تو وہ پکار اٹھا:

"مجھے امان دی جائے۔"

یہ کہتے ہی اس نے اپنا سونے کا تاج اتار کر یزید بن حکم کی طرف پھینک دیا۔ یزید اسے گرفتار کر کے عبداللہ بن عامر کے سامنے لے آئے۔ عبداللہ بن عامر نے جزیہ ادا کرتے رہنے کی شرط پر اسے اصطخر میں رہنے کی اجازت دے دی۔

اصطخر فارس کا سب سے بڑا اور مرکزی شہر تھا...... اس کے فتح ہونے کی دیر تھی کہ پورے فارس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اب حضرت عبداللہ بن عامر کو خراسان کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ عبداللہ بن عامر اسلامی لشکر کے ساتھ خراسان کی طرف بڑھے۔ انہوں نے لشکر کے ہراول دستے پر احنف بن قیس کو سالار مقرر کیا۔ یہ لشکر جب نیشاپور پہنچا تو وہاں کے لوگ مقابلے پر آ گئے۔ عبداللہ بن عامر نے ان کا زبردست مقابلہ کیا۔ جنگ جاری تھی کہ طوس کے حاکم نے عبداللہ بن عامر کو پیغام بھیجا:

"اگر آپ مجھے امان دے دیں تو میں نیشاپور کو فتح کرنے میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔"

عبداللہ بن عامر نے اس کی بات منظور کر لی۔ طوس کا حاکم ایک لشکر لے کر عبداللہ بن عامر کی خدمت میں پہنچا اس طرح دونوں لشکر نیشاپور کی طرف بڑھے۔

نیشاپور کا بادشاہ "اسوار" ایک بڑی فوج کے ساتھ آگے بڑھا۔ کئی روز تک جنگ ہوتی رہی...... آخر "اسوار" نے جان کی امان طلب کر کے شہر کے دروازے کھول دیئے۔ چنانچہ مسلمانوں کا نیشاپور پر بھی قبضہ ہو گیا۔ طوس کے حاکم نے چونکہ مسلمانوں کی مدد کی تھی لہٰذا اس وفاداری کے بدلے میں اسے نیشاپور کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔

اس کے بعد شہر "مرو" کی باری تھی...... اس کے لوگوں نے جب نیشاپور اور طوس کی فتح کی خبریں سنی تو پہلے ہی ہمت ہار بیٹھے...... انہوں نے صلح کی پیش کش کی اور پیغام بھیجا:

"ہم ایک بہت بڑی رقم اسی وقت پیش کریں گے اور تین لاکھ سالانہ جزیہ ادا کریں گے۔"

عبداللہ بن عامر نے یہ شرط منظور کر لی۔ عبداللہ بن عامر ابھی "مرو" کی مہم سے فارغ

ہوئے ہی تھے کہ ہرات کا بادشاہ کشموران کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے بھی صلح کی پیش کش کی اور کہا:

"ہرات میرے قبضے میں رہنے دیا جائے، میں ہر سال ایک لاکھ درہم سالانہ جزیہ ادا کرتا رہوں گا۔"

عبداللہ بن عامر نے منظور کرلیا اور ہرات کی حکمرانی اس کے نام لکھ دی۔ اسی طرح سرخس کا حکمران حاضر ہوا۔ اس نے بھی اسی قسم کی پیش کش کی۔ غرض یہ کہ نسا، اور ابیورد، فاریاب، اور طالقان وغیرہ بھی اسی صورت میں فتح ہوگئے کہ ان کے حاکم آتے رہے اور جزیے کی شرط پر امان طلب کرتے رہے۔ اس طرح عبداللہ بن عامر نے ان تمام علاقوں پر جنگ کے بغیر فتح حاصل کرلی۔

ان تمام مہمات سے فارغ ہوکر عبداللہ بن عامر سیستان کی طرف متوجہ ہوئے...... یہ ایران کا ایک بڑا صوبہ تھا۔ یہ شہر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آخری دور میں حضرت عاصم بن عمر کے ہاتھ پر فتح ہو چکا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بغاوت کی لہر ابھری تو سیستان بھی اس بغاوت میں شامل ہوگیا۔ اسی لیے ان فتوحات سے فارغ ہوکر عبداللہ بن عامر نے ایک لشکر سیستان کی طرف روانہ کیا، اس کا سالار اپنے چچازاد بھائی عبدالرحمٰن بن سمرہ بن جندب کو مقرر کیا۔ وہ سیستان کے شہر زرنج کے قریب پہنچے تو شہر کے لوگ جنگ پر تل گئے۔ دونوں لشکروں میں سخت جنگ ہوئی۔ آخر مسلمانوں کو فتح ہوئی اور شہر پر ان کا قبضہ ہوگیا۔

اب عبداللہ بن عامر نے لشکر سے مشورہ کیا...... چنانچہ آگے بڑھنے کا فیصلہ ہوا... اسلامی لشکر کابل کے قریب پہنچ گیا...... اور شہر کے سامنے خیمہ زن ہوا۔

کابل کا بادشاہ ایک عظیم لشکر لے کر باہر نکلا.... دونوں لشکر آمنے سامنے ہوگئے۔ زبردست مقابلہ ہوا.... سورج غروب ہونے تک دونوں فوجیں برابر ڈٹی رہیں...... اور جنگ کا کوئی فیصلہ نہ ہوسکا۔ آخر تاریکی پھیلنے پر جنگ روک دی گئی۔ شاہ کابل واپس شہر میں داخل ہوگیا۔ دروازے بند کرلیے گئے۔

اب اس نے یہی طریقہ پکڑ لیا...... اسلامی لشکر سخت مشکل میں رہا، لیکن آخرکار مسلمانوں کو فتح ہوگئی اور شاہ کابل کو گرفتار کرکے عبدالرحمٰن بن سمرہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہوگیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ایرانی بادشاہ یزدگرد مدائن کی جنگ میں شکست کھا کر بھاگ نکلا تھا۔ وہ شہر شہر پھرتا رہا...... مدائن سے حلوان گیا، پھر اصفہان گیا، اصفہان فتح ہوا تو وہاں سے اصطخر گیا...... اصطخر پر اسلامی پرچم لہرانے لگا تو وہاں سے نکل کر کرمان چلا گیا......

کرمان میں بھی اسے ٹھکانہ نہ ملا تو سیستان چلا آیا۔ سیستان سے خراسان پہنچا، خراسان کے شہر ''مرو'' میں ۳۰ ہجری میں اس کی موت آگئی۔ اس سلسلے میں یہ واقعہ تاریخ کی کتابوں میں درج ہے کہ اس نے ''مرو'' میں ایک شخص کے گھر میں پناہ لی تھی...... اس شخص کی نظر اس کے تاج پر پڑ گئی...... بس اس نے اس تاج کے لالچ میں اسے قتل کر دیا۔

اس طرح ایران کی جو بادشاہت بارہ سو سال تک شان و شوکت سے جاری رہی، اس کا انجام یہ ہوا۔

آذربائیجان اور آرمینیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں فتح کر لیے گئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر یہ علاقے باغی ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم بھیجا:

''ان کا بندوبست کریں۔''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حکم ملتے ہی قریش کے نامور سالار حبیب بن مسلمہ فہری کو چار ہزار سوار اور دو ہزار پیادہ فوج دے کر آذربائی جان کی طرف روانگی کا حکم فرمایا حبیب بن مسلمہ نے حکم کی تعمیل کی اور شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ فوج شمشاط کے قریب پہنچی ہو گی کہ اطلاع ملی، علاقے کا حاکم مرزبان تیس ہزار فوج کے ساتھ شمشاد میں ڈیرے ڈالے پڑا ہے۔

حبیب بن مسلمہ نے اس صورت حال کی خبر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفے کے گورنر عقبہ بن ابی معیط کو حکم بھیجا کہ کوفے سے دس ہزار مجاہدین کی فوج حبیب بن مسلمہ کی قیادت میں روانہ کیا جائے۔ ولید بن عقبہ نے تعمیل کی۔

ادھر یہ ہوا کہ ولید بن عقبہ کا لشکر ابھی وہاں پہنچا بھی نہیں تھا کہ حبیب بن مسلمہ نے اپنے لشکر کے ساتھ ایرانیوں پر حملہ کر دیا۔ حملہ اس قدر اچانک کیا گیا کہ دشمن کو پسپا ہونا پڑا۔ کچھ روایات میں یہ ہے کہ ولید بن عقبہ وہاں پہنچ گئے تھے۔

آذر بائی جان کے لوگوں نے ۸ لاکھ درہم سالانہ پر صلح کر لی۔ آذر بائی جان فتح ہو گیا تو سلمان بن ربیعہ باہلی کے نام حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم پہنچا کہ آرمینیا کی طرف پیش قدمی کی جائے۔

سلمان بن ربیعہ اپنی عراقی فوج کے ساتھ آگے بڑھے۔ آرمینیا کے راستے میں جتنے چھوٹے موٹے قلعے یا شہر آتے گئے، یہ ان سب کو فتح کرتے گئے... یا صلح کے ذریعے زیر کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ بلنجر نامی شہر تک پہنچ گئے۔ ان علاقوں کا بادشاہ ''خاقان'' نامی شخص تھا۔ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں تین لاکھ فوج لے آیا۔ اب مسلمان دس ہزار تھے جب کہ کافر تین لاکھ... تین لاکھ کا دس ہزار سے کوئی مقابلہ نہیں تھا... تاہم مسلمانوں نے زندگی پر شہادت کو ترجیح دی... سب کے سب بڑی بے جگری سے لڑے... اس قدر ثابت قدمی دکھائی کہ لڑتے لڑتے سب کے سب شہید ہو گئے۔ ان سب کے سب کی قبریں آج بھی بلنجر میں موجود ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اس واقعے کا علم ہوا تو آپ بہت غمگین ہوئے...... بے چین ہو گئے...... آپ کی نیند اُڑ گئی۔ انہوں نے حبیب بن مسلمہ کو پیغام بھیجا کہ آرمینیا کا رُخ کریں۔

حبیب بن مسلمہ نے حکم کی تعمیل کی...... ان کے پاس اس وقت چھ ہزار کا لشکر تھا...... اس میں کچھ سوار بھی تھے۔ راستے میں جو چھوٹے بڑے شہر ملتے گئے...... انہیں صلح کے ذریعے فتح کرتے گئے یہاں تک کہ سراج کے مقام تک پہنچ گئے...... یہ آرمینیا کا ایک حصہ تھا۔

سازش کی ابتدا

سراج کے لوگوں نے ۸۰ ہزار درہم سالانہ پر صلح کر لی۔ اب حبیب بن مسلمہ نے اسی شہر کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا اور یہیں سے رفتہ رفتہ آرمینیا کے مختلف علاقوں میں فوجی دستے بھیجتے رہے۔ اس طرح پورا آرمینیا ہی فتح ہو گیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارہ سالوں میں مراکش سے لے کر کابل تک اسلامی حکومت قائم ہو گئی۔ اب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عامر کو حکم بھیجا کہ ہندوستان کی سرحد کی طرف کسی ایسے شخص کو روانہ کریں جو اس ملک کے حالات سے باخبر ہو۔ جب وہ واپس

آئے تو اسے دربار خلافت میں بھیج دیا جائے۔

عبداللہ بن عامر نے یہ حکم ملنے پر حکیم بن جبلہ عبدی کو ہندوستان بھیجا۔ جب یہ واپس لوٹے تو انہیں مدینہ منورہ بھیج دیا گیا۔ حضرت عثمان ؓ نے ان سے ہندوستان کے حالات پوچھے۔ انہوں نے بتایا:

”امیر المومنین! اس ملک میں پانی کم ہے۔ اس کے پھل خراب ہیں۔ یہاں کے چور دلیر ہیں۔ اگر آپ نے تھوڑا لشکر بھیجا تو وہ ضائع ہو جائے گا اور بڑا لشکر بھیجا تو بھوکوں مر جائے گا۔“

یہ سن کر آپ نے ہندوستان پر فوج کشی کا ارادہ ترک کر دیا آپ کی خلافت کی مدت بارہ سال ہے۔ اس مدت کے نصف سے زیادہ حصے میں بے شمار فتوحات ہوئیں۔ اسلامی مملکت کو زبردست وسعت حاصل ہوئی۔ دولت بھی بے تحاشہ آئی۔ لیکن آپ کی خلافت کے آخری چند سال زبردست پریشانیوں میں گزرے، سازشیں کرنے والوں نے فتنے کا بازار گرم کر دیا۔ آیئے۔ ہم آپ کو ان دردناک حالات کے بارے میں بتاتے ہیں۔

مسلمانوں میں منافقوں کا ایک گروہ شروع سے چلا آ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان لوگوں سے خبردار فرمایا ہے...... یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی سازشیں کرتے رہتے تھے، لیکن اس وقت ان کی دال نہیں گلتی تھی...... حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے زمانے میں یہ لوگ اچانک اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ تین طرح کے لوگ تھے۔ نبوت کا دعویٰ کرنے والے، مرتد یعنی اسلام سے نکل جانے والے اور زکوٰۃ کا انکار کرنے والے۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فوراً ان کے خلاف لشکر کشی کی اور کامیابی سے ان کا خاتمہ کیا...... اس طرح اسلام کی سالمیت برقرار رہی...... آپ کی اس زبردست کامیابی پر حضرت ابو ہریرہ ؓ نے یہ جملہ کہا:

”اگر ابوبکر نہ ہوتے تو زمین پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔“

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس قسم کا جملہ فرمایا...... حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے بعد حضرت عمر ؓ کا دور آیا...... سازشی گروہ موقعے کی تلاش میں رہا اور آخر اس گروہ کی سازش سے حضرت عمر ؓ کو شہید کر دیا گیا۔ شہادت سے پہلے خود حضرت عمر ؓ نے یہ خیال ظاہر فرما دیا تھا کہ ان پر حملہ ایک سازش کے تحت ہوا ہے۔

ان واقعات سے صاف ظاہر ہے...... سازشی عناصر پہلے سے کام کر رہے تھے...... اب حضرت عثمان ؓ کے زمانے میں انہوں نے اور زور پکڑ لیا۔

تینوں خلفاء کے دور میں جو فتوحات ہوئیں...... ان فتوحات کے نتیجے میں بے شمار غیر مسلم تو مسلمان ہو گئے...... اور پکے سچے مسلمان ہوئے تھے، لیکن ان لوگوں کی بڑی تعداد ابھی تک غیر مسلم ہی تھی...... یہ لوگ جزیہ دینے والے تھے یا پھر غلام تھے...... بہت سے صرف ظاہری طور پر مسلمان ہوئے تھے...... ایسے غیر مسلموں اور ظاہری مسلمانوں میں اب تک اسلام کے خلاف جذبات دوسروں تک پہنچاتے رہتے تھے۔ لوگوں کو بھڑکانا ان کا کام تھا۔

حضرت عثمان ؓ کے خلاف سازش کرنے والوں میں سب سے اہم نام عبداللہ بن سباء کا ہے۔ یہ اصل سازشی پرزہ تھا۔ یہ شخص یہودی تھا۔ یمن کا باشندہ تھا۔ اس نے حضرت عثمان ؓ کے دور ہی میں مسلمان ہونے کا اعلان کیا تھا۔ اس کا یہ اعلان دراصل اس ساز کا آغاز تھا۔

مسلمان ہونے کا اعلان کرنے کے بعد یہ مسلمانوں میں اپنے عجیب و غریب خیالات پھیلانے لگا۔ وہ کہتا تھا:

''ایک وقت آئے گا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پھر دنیا میں ظہور ہوگا۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر دنیا میں آئیں گے، کیونکہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ تو دوبارہ دنیا میں آئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ آئیں؟''

اس کا یہ بھی کہنا تھا:

''حضرت علی ؓ کی ذات میں اللہ تعالیٰ موجود ہیں۔'' (نعوذ باللہ)

اس کے علاوہ اس نے حضرت عثمان ؓ کی خلافت کے خلاف بھی باتیں شروع کر دیں۔ وہ کہتا پھرتا تھا:

''خلافت کے حق دار تو حضرت علی ؓ تھے...... ان کے ہوتے ہوئے حضرت عثمان ؓ کو خلافت کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔''

حضرت عثمان ؓ کی خلافت پر اور بھی کئی طرح کے اعتراضات کرتا تھا...... لیکن یہ سارا کام وہ خفیہ طور پر کرتا تھا...... اعلانیہ طور پر نہیں کرتا تھا۔ اس سلسلے میں یہ سب سے پہلے حجاز گیا...... پھر کوفہ اور بصرہ گیا۔ اس کے بعد دمشق پہنچا۔ دمشق کے لوگوں نے اس کا خیالات سنے تو اسے دمشق سے نکال دیا۔ اب اس نے مصر کا رخ کیا۔ مصر میں اسے کامیابی ہونے لگی...... اس

نے اپنے ہم خیال لوگوں کو اپنے گرد جمع کرنا شروع کیا۔ اس گروہ نے حضرت عثمان ؓ کے خلاف باقاعدہ سازش شروع کی۔ حضرت عثمان ؓ کے خلاف سازش کرنے والوں میں سے ایک گروہ خارجی بھی تھا۔ یہ خارجی لوگ بھی عبداللہ بن سباء کی قسم کے لوگ تھے۔ حضرت عثمان ؓ اور حضرت علی ؓ دونوں کے خلاف تھے...... ان کا کام بھی سازشیں کرنا تھا۔

سازش کرنے والے باغیوں میں کچھ وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت عثمان ؓ سے اپنے لیے کوئی عہدہ طلب کیا، لیکن آپ نے انہیں عہدہ نہ دیا تو ایسے لوگ بھی سازشیوں کا ساتھ دینے لگے تھے...... کچھ وہ لوگ تھے جنہیں حضرت عثمان ؓ نے کسی جرم پر کوئی سزا دی تھی...... اس قسم کے لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ ان جیسے لوگ مصر میں جمع ہو رہے ہیں تو وہ بھی وہاں پہنچ گئے۔ اس طرح مصر ان لوگوں کی سازشوں کا مرکز بن گیا۔

سازش کرنے والوں میں نمایاں نام یہ تھے۔ جندب بن کعب، صعصعہ بن حنابی اور عمیر بن حنابی۔ یہ لوگ کوفے کے رہنے والے تھے۔ یہ لوگ کوفے میں نت نئی شرارتیں کرتے رہتے تھے۔ شر اور فتنہ پھیلانا ان کا کام تھا...... ذرا کوئی بہانا ہاتھ آجاتا تو فتنہ اٹھا دیتے۔

کوفے کے لوگ ان سے بہت تنگ تھے۔ لوگوں نے ان کی شکایت حضرت عثمان ؓ سے کی اور درخواست کی کہ انہیں کوفے سے نکال دیا جائے۔ حضرت عثمان ؓ نے انہیں کوفہ سے نکال کر شام بھجوا دیا۔ وہاں حضرت امیر معاویہ ؓ گورنر تھے۔

اب چونکہ انہیں کوفہ سے نکالا گیا تھا، اس لیے یہ حضرت عثمان ؓ کے خلاف ہو گئے۔ اس قسم کے سب لوگوں نے مل کر پہلے افواہیں پھیلائیں ...... پھر دبی زبان میں اعتراضات شروع کیے۔ جب ان کا گروہ بڑا ہو گیا تو اس سازش نے باقاعدہ سازش کی شکل اختیار کر لی ...... اب یہ لوگ کھلم کھلا اعتراضات کرنے لگے۔ ان اعتراضات کا چرچہ کرنے لگے۔ ان لوگوں کے بڑے بڑے اعتراضات یہ تھے:

(۱) حضرت عثمان ؓ نے اکابر صحابہ کو معزول کر کے اپنے عزیزوں اور رشتے داروں کو عہدوں پر مقرر کر دیا ہے۔

(۲) اپنے عہدے داروں کی بدعنوانیوں پر انہیں کچھ نہیں کہتے۔

(۳) حکم بن عاص ؓ حضرت عثمان ؓ کے چچا تھے۔ ان سے کوئی راز ظاہر کرنے کا جرم سرزد ہو گیا تھا۔ اس جرم کی سزا کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ منورہ

سے جلاوطن کر کے طائف بھیج دیا تھا، لیکن حضرت عثمان ؓ نے انہیں واپس مدینہ بلالیا اور ان پر انعام و اکرام کی بارش کر دی۔

(۴) عبداللہ بن سعد بن ابی سرح حضرت عثمان ؓ کے دودھ شریک بھائی تھے۔ یہ فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وحی کی کتابت سپرد فرمائی، لیکن یہ قرآن میں تحریف کرنے لگا اور مرتد ہو گیا۔ فتح مکہ کے موقعے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل کرنے کا حکم فرمایا، لیکن حضرت عثمان ؓ نے سفارش کر کے اس کی جان بخشی کرائی۔ بعد میں یہ دوبارہ اسلام لے آیا اور حضرت عثمان ؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو اسے مصر کا گورنر بنا دیا۔

(۵) حضرت عثمان ؓ بیت المال سے اپنے خاندان بنی امیہ کے لوگوں کو بڑی بڑی رقمیں بغیر کسی شرعی حق کے انعام میں دے دیتے ہیں۔

ان بڑے الزامات کے علاوہ کئی الزامات اور ہیں: لیکن وہ اعتراضات فقہی قسم کے تھے، مثلاً حضرت عثمان ؓ منیٰ میں قصر نماز کے بجائے چار رکعت پڑھتے ہیں...... وغیرہ......

حضرت عثمان ؓ تک جب ان کے یہ اعتراضات پہنچے تو آپ نے تمام اعتراضات کے واضح جوابات ارشاد فرمائے۔

حضرت عثمان ؓ پر اعتراضات

پہلا اعتراض یہ تھا کہ آپ نے بڑے بڑے صحابہ کو معزول کر کے اپنے عزیزوں کو اور رشتہ داروں کو ان عہدوں پر فائز کیا۔ حضرت عمرو بن عاص مصر کے گورنر تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان سے یہ شکایت رہی کہ مصر بہت سرسبز و شاداب علاقہ ہے، زرخیز ملک ہے اس کا خراج جتنا ہونا چاہیے، اتنا نہیں آ رہا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو آپ کو بھی یہ شکایت پیدا ہوئی آپ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس طرف توجہ دلائی... لیکن خراج پھر بھی زیادہ نہ ہوا اس پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مصر سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مقرر

کر دیا۔

اس سلسلے میں دو اعتراض کیے گئے... ایک یہ کہ عبداللہ بن ابی سرح مرتد تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے اس کے قتل کا حکم فرمایا تھا یہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دودھ شریک بھائی تھا۔ اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی سفارش کر کے اس کی جان بخشی کرائی تھی... اب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے مصر کا گورنر مقرر کیا تو اعتراض کرنے والوں کو اعتراض کرنے کا موقع مل گیا ان کا کہنا تھا کہ ایسے شخص کو گورنر کیوں مقرر کیا گیا ہے۔

دوسرا اعتراض یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقے سے ہٹ کر شمالی افریقہ کے مال غنیمت کے خمس کا خمس حصہ عبداللہ بن سعد کو بطور انعام دے دیا جس کا انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا۔ یعنی مال غنیمت کی یہ تقسیم قرآن، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حکم کے خلاف ہے۔

اس اعتراض کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح فتح مکہ سے پہلے اسلام لایا تھا۔ وحی کی کتابت کرتا تھا، لیکن پھر یہ مرتد ہو گیا، فتح مکہ کے موقعے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چار افراد کے قتل کا حکم صادر فرمایا تھا ان میں سے ایک یہ بھی تھا... لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس نے توبہ کی، نئے سرے سے اسلام قبول کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سفارش پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قدر تامل کے بعد عبداللہ بن سعد کا اسلام قبول فرما لیا۔ اس طرح ان کی جان بخشی ہو گئی... اس شخص کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے مصر کا گورنر مقرر نہیں کیا تھا بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بھی یہ مصر کے بالائی حصے کا گورنر تھا۔ اس وقت مصر کے دو حصے تھے... بالائی حصے کا گورنر یہ تھا اور زیریں حصے کے گورنر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ جب کم خراج کا مسئلہ پیدا ہوا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص کو معزول کیا تو اسے مصر کے باقی حصے کی گورنری بھی سونپ دی... اب اس پورے معاملے میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اسی اعتراض کی بھلا کیا گنجائش ہے... حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور اس نے اسلام قبول کر لیا... یہ تو بہت

بڑا نیکی کا کام ہے کہ ایک مرتد کو اسلام کی طرف لے آیا جائے۔ توبہ کرنے سے اسلام سابقہ گناہ معاف کر دیتا ہے یا نہیں......؟

اسلام کی تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں... بے شمار لوگوں نے اسلام دشمنی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی... مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے لیکن جب وہ لوگ اسلام لے آئے، مسلمان ہو گئے تو ان کے سب گناہ معاف ہو گئے... اس کی مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ملاحظہ فرمائیں۔

اشعث بن قیس نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مرتدوں کے خلاف جنگ شروع کی تو یہ گرفتار ہوا۔ اسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا آپ نے نہ صرف اسے معاف کر دیا، بلکہ اپنی بہن ام فروہ کا نکاح بھی اس کے ساتھ کر دیا۔

اسی طرح عبداللہ بن سعد کو معافی ملی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اسے مصر کے ایک حصے کا گورنر مقرر کیا گیا یعنی گورنری کے عہدے پر تو وہ پہلے ہی تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو صرف اتنا کیا تھا کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معزولی کے بعد اسے سارے مصر کا گورنر مقرر کر دیا تھا کہ اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ اس میں صلاحیتیں موجود تھیں... اس نے بحری جنگیں لڑیں۔

اب اگر یہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رشتے دار تھا تو کیا اس بنیاد پر اس کی صلاحیتوں سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا تھا۔

دوسرا اعتراض یہ تھا کہ مال غنیمت کے پانچویں حصے کا پانچواں حصہ بطور انعام حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے دے دیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ افریقہ کو فتح کرنا اس وقت مشکل ترین مہم تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حوصلہ افزائی کے لئے عبداللہ بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وعدہ کیا تھا کہ افریقہ فتح ہو گیا تو میں مال غنیمت کے خمس کا خمس تمہیں دوں گا، چنانچہ افریقہ کی فتح کے بعد عبداللہ بن سعد نے یہ حصہ مال غنیمت میں سے اپنے پاس رکھ لیا اور باقی مدینہ منورہ بھیج دیا۔ جب لوگوں نے اس پر چہ میگوئیاں کیں اور ان کی چہ میگوئیاں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچیں تو آپ نے جواب میں فرمایا:

”حضرت عبداللہ بن سعد نے جو کچھ کیا ہے میرے حکم سے کیا ہے، لیکن اگر آپ لوگوں کو اس پر اعتراض ہے تو میں یہ مال واپس لے لوں گا۔“

چنانچہ آپ نے عبداللہ بن سعد کو اس بارے میں لکھا... اس نے مال غنیمت کا وہ حصہ واپس کر دیا۔ (دیکھئے تاریخ طبری: ۲/۲۵۳)

اب غور کیجئے! اس واقعے میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض والی کوئی بات ہے......؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مثال ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ ان کی زوجہ محترمہ شدید بیمار تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مال غنیمت سے ایک مجاہد کا پورا حصہ عطا فرمایا۔ اس مثال کے ہوتے ہوئے کیا ان لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اس اعتراض کا کوئی حق تھا......؟ ہرگز نہیں۔ اس کے باوجود جب لوگوں نے اعتراض کیا تو آپ نے وہ رقم واپس لے لی اور بیت المال میں جمع کرا دی۔

دوسرا الزام یہ لگایا گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے بڑے صحابہ کو معزول کر کے اپنے رشتہ داروں کو ان عہدوں پر مقرر کر دیا اب اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

۲۴ ہجری میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مغیرہ بن شعبہ کو کوفے کی گورنری سے معزول کر کے وہاں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا، لیکن دو سال بعد ہی حالات کچھ ایسے پیدا ہو گئے کہ آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو بھی عہدے سے ہٹا دیا اور ان کی جگہ بنو امیہ کے ایک نوجوان ولید بن عقبہ کو کوفے کا گورنر مقرر کر دیا۔ اعتراض کرنے والوں نے اس پر دو طرح کے اعتراض کیے۔ ایک یہ کہ جلدی جلدی گورنروں کو معزول کرنا انتظامی معاملات میں ناکامی کی دلیل ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک جلیل القدر صحابی کو معزول کر کے ان کی جگہ اپنے خاندان کے ایک نوجوان کو مقرر کیا۔

ان دونوں اعتراضات کے جوابات ملاحظہ فرمایئے:

کوفہ اور بصرہ ان دونوں شہروں کے لوگ عجیب مزاج کے لوگ تھے۔ شکایات پر شکایات کرتے رہنا ان کی عادت تھی ان دونوں شہروں کے حالات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور سے ہی خراب چلے آ رہے تھے۔ جو شخص بھی یہاں گورنر بن کر آتا یہ کچھ دن تو اس کی

اطاعت کرتے، پھر کسی نہ کسی بہانے سے اس کے خلاف اعتراضات شروع کر دیتے۔ یہ گویا ان لوگوں کا شوق تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک ان سے تنگ آ گئے تھے۔ ایک مرتبہ تو آپ نے نہایت غصے میں آ کر فرمایا تھا:

''اللہ کی پناہ! کوفے کے لوگ بھی عجیب و غریب لوگ ہیں اگر میں ان پر کوئی مضبوط حاکم مقرر کرتا ہوں تو یہ لوگ اس میں کیڑے نکالنے لگتے ہیں اور اگر کسی کمزور کو حاکم بناتا ہوں تو یہ اسے ذلیل کرتے ہیں۔''

کوفے کی طرح بصرہ کا حال بھی ایسا ہی تھا چنانچہ جس زمانے میں مغیرہ بن شعبہ یہاں کے گورنر تھے اس وقت بھی یہاں کے لوگوں نے ان پر زنا کا الزام لگا دیا تھا۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک یہ مقدمہ پہنچایا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ شکایت پکڑ لی تھی... اس کے باوجود انتظامی معاملات کی وجہ سے آپ نے مغیرہ بن شعبہ کو وہاں سے ہٹا دیا تھا۔

الزامات کا جواب

مطلب یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک ان لوگوں سے ناراض تھے۔ آپ نے مغیرہ بن شعبہ کی جگہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بصرے کا گورنر مقرر کرنے کا ارادہ فرمایا تو ان سے فرمایا:

''ابوموسیٰ! میں تمہیں ایک ایسے شہر کو گورنر بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں جہاں شیطان نے گھونسلا بنا رکھا ہے۔''

یہ سن کر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ چوکنے ہو گئے اور درخواست کی:

''تب آپ میرے ساتھ کچھ مدد بھی کر دیجیے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی بات منظور فرمائی اور چھ مددگار ان کے ساتھ کیے۔ اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ مغیرہ بن شعبہ کو کوفے کی گورنری پر مقرر کرنا چاہا تو ان سے فرمایا۔

''مغیرہ تمہیں یاد ہے بصرے میں تم پر کیسا الزام لگایا تھا......؟''

کہنے کا مطلب یہ تھا کہ تمہیں معلوم ہے بصرہ اور کوفہ کے لوگ بڑے سازشی ہیں...... تمہیں پہلے وہاں ایک واقعہ پیش آ چکا ہے، لہٰذا ان لوگوں سے ہوشیار رہنا ایسا نہ ہو کہ پھر ان کی سازش کا شکار ہو جاؤ۔

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کیا ذکر، کوفہ اور بصرہ کے حالات تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے خراب چلے آ رہے تھے کوئی گورنر ان کے ہاں زیادہ دنوں تک نہیں رہ سکتا تھا اسی بنیاد پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک مجبور تھے کہ جلد از جلد گورنروں کو تبدیل کریں اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ایسا کرنا پڑ گیا تو اس میں اعتراض والی کون سی بات ہے۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ کوفہ کے حالات کسی طرح قابو میں نہیں آ رہے تو آپ نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو وہاں کا گورنر مقرر کیا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ بہت سخت مزاج تھے۔ یہ حضرت عثمان کے ماں شریک بھائی تھے جس دن مکہ فتح ہوا اس روز اسلام لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنی مصطلق کے صدقات کا انچارج بنا کر بھیجا تھا بہت سوجھ بوجھ والے تھے، پکے ارادے کے مالک تھے۔ ان کی انہی خوبیوں کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں جزیرۃ العرب کا اعلیٰ افسر مقرر کیا تھا۔ (تاریخ طبری ۲۷۱/۴)

اب اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں کوفے کا گورنر مقرر کیا تو یہ الزام لگایا گیا کہ آپ نے اپنے قریبی رشتے داروں کو عہدے دیے کس طرح درست ہو سکتا ہے......؟ چونکہ یہ بہت سخت مزاج تھے تقریباً پانچ سال تک گورنر رہے...... پھر لوگ ان کی سخت گیری کی شکایات کرنے لگے...... جیسا کہ بصرہ کے لوگ مغیرہ بن شعبہ کے خلاف کر چکے تھے...... کوفے کے لوگوں نے ان پر شراب نوشی تک کا الزام لگایا چند گواہ بھی بنا لئے اس طرح ان کی شکایات مدینہ منورہ تک پہنچا دی۔ یہ من گھڑت الزام تھا آخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے مدینہ منورہ بلا لیں۔

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بعد سعید بن عاص اموی کوفے کے گورنر مقرر ہوئے ان کی تربیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمائی تھی۔ یہ نہایت بہادر اور اعلیٰ درجے کے جرنیل تھے۔ ۳۰ ہجری میں انہیں خراسان کی مہم پر بھیجا گیا اس وقت ان کے ساتھ ایک بڑی فوج تھی اس فوج میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنھم جیسے بڑے صحابہ بھی شامل تھے یہاں تک کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے یہ لشکر اسی ہزار مجاہدین پر مشتمل تھا۔ طبرستان ایران کا ایک بڑا صوبہ تھا وہ انہی کے ہاتھ پر فتح ہوا۔

اسی بنیاد پر انہیں فاتح طبرستان کہا گیا۔ غرض یہ کہ اس شان و شوکت کے ۲۷ سالہ جوان

تھے۔ انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفے کا گورنر مقرر کیا ان سے بہتر اس وقت کوفے کی گورنری کے لئے کوئی اور تھا بھی نہیں۔

اسی طرح بصرہ کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے چلے آرہے تھے بصرہ کے لوگ کہاں چین سے بیٹھنے والے تھے ان کے خلاف بھی شکایات شروع کر دیں...... مجبور ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو واپس بلا لیا۔ ان کی جگہ آپ نے عبداللہ بن عامر بن کریز کو بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ جب انہیں بصرہ کا گورنر مقرر کیا گیا اس وقت ان کی عمر ۲۵ سال تھی ان میں بھی بہت خوبیاں تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

”ابن عامر قریش کے نوجوانوں کا سردار ہے۔“

فارس سے لے کر قابل تک کی شان دار فتوحات کا سہرا ان کے سر ہے۔ ان میں خدمت خلق کا بھی بہت جذبہ تھا ایسے شخص کو جب گورنر مقرر کیا گیا تو ان لوگوں نے ان پر بھی اعتراضات کئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو تو شام کی گورنری پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقرر فرمایا تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پوری خلافت کے دوران بھی یہ شام کے گورنر رہے۔

ان حالات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ عہدوں میں ایسا ردوبدل تو حالات کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی کرتے رہے تھے...... اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کی کیا گنجائش تھی۔

اب حکم بن عاص کے بارے میں بھی پڑھ لیجئے! یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چچا تھے۔ فتح مکہ کے موقعے پر مسلمان ہوئے اور مدینہ منورہ میں رہنے لگے۔ ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ...... یہ بات کو راز نہیں رکھ سکتے...... راز کی باتوں کو بیان کر دیتے ہیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طائف بھیج دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تک یہ وہیں رہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہیں مدینہ واپس بلوا لیا۔ یہ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔

اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ جس شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے

طائف جلا وطن کر دیا تھا، اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے واپس مدینہ بلا لیا۔ اس میں بھلا اعتراض کی کیا بات تھی...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کون سا راز فاش کر سکتے تھے بھلا...... ان پر الزام تو یہی تھا، کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راز فاش کر دیا کرتے تھے۔

ایک الزام یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے رشتے داروں کو بیت المال سے بڑی بڑی رقمیں اور جاگیریں بطور انعام دے دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں عبداللہ بن سعد کو مال غنیمت کے پانچویں حصے کا پانچواں حصہ دینے کا الزام لگایا جاتا ہے۔

اس کا جواب پہلے ہی آ چکا ہے کہ ان لوگوں کے اعتراض کرنے پر آپ نے وہ مال ان سے واپس لے کر بیت المال میں جمع کرا دیا تھا۔

مروان بن حکم کے بارے میں الزام لگایا گیا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں افریقہ کے مال غنیمت کا پانچواں حصہ دیا، لیکن تاریخ کی روایات اس بات کو غلط قرار دیتی ہیں۔ مشہور ترین مؤرخ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ وہ حصہ مروان بن حکم نے پانچ لاکھ دینار میں خرید لیا تھا، بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان نے انہیں بطور عطیہ دیا تھا، یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ (تاریخ ابن خلدون: ۲/۱۲۹)

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خود بہت زیادہ دولت مند تھے...... اور یہ دولت مندی انہیں اسلام سے پہلے سے حاصل تھی...... پھر سخی بھی بہت تھے ان کی سخاوت کی روایات بے شمار ہیں...... ایسا شخص بیت المال کا خزانہ کیوں بلا وجہ دوسروں کو دینے لگا...... وہ تو اپنے پاس سے بھی دے سکتے تھے، چنانچہ جب ملک میں فساد بڑھا تو آپ نے لوگوں کے مجمعے میں فرمایا:

”اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے اہل خانہ سے محبت کرتا ہوں اور انہیں دیتا ہوں۔ ہاں میں ان سے محبت کرتا ہوں، لیکن ان کی محبت مجھے ناانصافی پر آمادہ نہیں کرتی بلکہ میرے اہل بیت پر جو دوسروں کے حقوق ہیں، میں ان سے دلواتا ہوں...... رہا انہیں کچھ دینا تو میں انہیں اپنے مال سے دیتا ہوں، اور مسلمانوں کا مال تو نہ میں اپنے لئے حلال سمجھتا ہوں نہ کسی اور شخص کے لئے۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بڑے بڑے عطیات اپنی کمائی سے دیتا رہا ہوں۔

یہ ملحد لوگ جو جی میں آتا ہے، کہہ ڈالتے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں نے کسی شہر پر خراج کا کوئی ایسا بوجھ نہیں ڈالا اور جو کچھ بھی وصول ہوا ہے وہ سب کا سب میں نے مسلمانوں پر ہی خرچ کیا ہے۔ پھر میرے پاس جو کچھ آیا ہے، وہ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ آیا ہے، اس مال میں سے میرے لئے کوئی چیز حلال نہیں تھی۔ مسلمانوں کو اختیار تھا کہ میرے مشورے کے بغیر جہاں چاہیں خرچ کریں۔ اللہ تعالیٰ کے مال میں سے ایک پیسے کے برابر بھی کوئی چیز ادھر ادھر نہیں ہوئی اور میں نے اس میں سے کوئی چیز ہڑپ نہیں کی، میں جو کچھ کھاتا ہوں اپنے مال میں سے کھاتا ہوں۔" (تاریخ طبری: ۳۴۷/۴)

سب نے یہ تقریر سنی اور کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا...... بلکہ سب نے ان باتوں کو تسلیم کیا۔ سب نے کہا۔

"ہم تسلیم کرتے ہیں، آپ نے سچ کہا۔"

کوئی ایک آواز بھی مخالفت میں نہ اُٹھی اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کسی طور پر بھی کسی بھی اعتراض کی کوئی ذرا سی بھی گنجائش نہیں تھی۔

کیا ایسا نہیں ہے

اعتراض کرنے والوں نے ایک اعتراض یہ کیا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کی چراگاہوں میں اپنے جانور چراتے ہیں۔ دوسرے لوگوں کے مویشی ان چراگاہوں میں نہیں جا سکتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبے میں اس اعتراض کا جواب بھی دیا، چنانچہ فرمایا:

"یہ لوگ چراگاہوں میں اپنے جانور چرانے کا الزام لگاتے ہیں۔ سن لو! میں نے وہی چراگاہیں مخصوص کی ہیں جن کو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مخصوص کیا تھا۔ ان چراگاہوں کو صدقات کے جانوروں کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے، تاکہ صدقات وصول کرنے والوں میں اور دوسرے لوگوں میں کوئی جھگڑا نہ ہو...... اس کے باوجود اگر دوسرے لوگوں میں سے کوئی اپنے جانور لے کر ان چراگاہوں میں آ جاتا ہے تو اسے منع نہیں کیا جاتا، نہ اس کے جانوروں کو ہٹایا جاتا ہے...... بہرحال یہ جو بھی انتظامات ہیں سرکاری

جانوروں کے لئے ہیں...... میرے ذاتی جانوروں کے لئے نہیں ہیں۔ میرا حال تو یہ ہے کہ جب میں خلیفہ ہوا تھا اس وقت اونٹ بکریاں سب سے زیادہ میرے پاس تھیں، لیکن آج عالم یہ ہے کہ لے دے کے اب میرے پاس صرف ایک بکری اور دو اونٹ ہیں، یہ اونٹ بھی میرے حج کے لئے ہیں۔"

یہ فرمانے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا۔

"کیا ایسا نہیں ہے؟"

سارا مجمع ایک آواز ہو کر بولا۔

"بے شک ایسا ہی ہے۔"

آپ غور کریں... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس تو اس وقت اپنے دو اونٹ اور ایک بکری کے علاوہ کوئی جانور تھے ہی نہیں... وہ مدینہ منورہ کی چراگاہوں کو اپنے جانور چرانے کے لئے کس طرح مقرر کر سکتے تھے۔

ایک اعتراض یہ تھا کہ نوجوانوں کو بڑے بڑے عہدے دیئے جا رہے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

"اس میں اعتراض کی کون سی بات ہے اگر ایک نوجوان میں صلاحیت ہے تو اسے عہدہ ملنا چاہئے۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے بڑے صحابہ پر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو نوعمری کے باوجود لشکر کا سالار مقرر نہیں فرمایا تھا۔"

یہ فرما کر آپ نے پوچھا۔

"کیا ایسا نہیں ہے؟"

سب نے ایک زبان ہو کر کہا:

"بے شک ایسا ہی ہے۔"

ایک اعتراض یہ تھا کہ عرب سے باہر اپنے لوگوں کو آپ نے زمین کے ٹکڑے دے دیئے ہیں۔ اس اعتراض کے جواب میں آپ نے خطبے میں فرمایا:

"جو زمینیں فتح ہوتی گئیں، وہ مہاجرین اور انصار میں مشترک کر دیں۔ پھر ان میں سے جو حضرات فتح کی گئی زمینوں میں آباد ہو گئے، وہ وہیں رہنے لگے...... لیکن ان میں سے جو حضرات بلادِ عرب میں واپس آ گئے، میں نے فتح کئے گئے علاقوں میں ان کی خالی پڑی زمینوں

سے ان لوگوں کی بلادِ عرب کی زمینوں سے تبادلہ کرادیا جو وہاں جا کر آباد ہونا چاہتے تھے..... بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے ایسا کرنا ضروری تھا، اس لئے اس میں اعتراض کی کون سی بات ہے... مطلب یہ کہ انہیں وہ زمینیں تبادلے میں دی گئی ہیں۔"

ان اعتراضات میں سب سے بڑا اور اہم جو اعتراض لگایا گیا... اس کا پس منظر ملاحظہ ہو:

- اعتراض کرنے والے مصری لوگوں کا ایک وفد مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا..... اس میں کوفے اور بصرے کے لوگ بھی شامل تھے..... ان کے کچھ مطالبات تھے۔ یہ اپنے مطالبات زبردستی منوانے کے لئے آئے تھے۔ تھے بھی مسلح۔ یہ لوگ مدینہ منورہ کے نزدیک پہنچ گئے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے بارے میں پتا چلا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف بھیجا کہ انہیں سمجھائیں۔ حضرت علی نے ان لوگوں سے ملاقات کی... انہیں سمجھایا بجھایا... اور آخر وہ واپس جانے پر آمادہ ہو گئے تھے یعنی مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی یہ واپس روانہ ہو گئے ابھی یہ راستے میں تھے کہ ان لوگوں کو ایک شخص ملا... انہوں نے اس سے پوچھا۔

"تم کون ہو... اور کہاں جا رہے ہو؟"

اس نے بتایا:

"میرے پاس خلیفہ کا ایک خط ہے یہ خط مجھے مصر کے گورنر کو پہنچانا ہے۔"

وفد نے اس کی تلاشی لی اور وہ خط برآمد کر لیا اس خط پر مروان بن حکم کا نام تھا... یعنی وہ خط مروان بن حکم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے لکھا تھا اس خط میں لکھا تھا جب یہ وفد مصر پہنچے تو ان سب کی گردنیں اڑا دی جائیں۔

یہ خط پڑھ کر وفد کو بہت غصہ آیا... لہٰذا وہ واپس جانے کے بجائے پھر مدینہ منورہ کی طرف لوٹ پلٹ پڑے اور مدینہ منورہ میں داخل ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کو گھیر لیا۔

مطلب یہ کہ ان لوگوں کا ایک اعتراض یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے بدعہدی کی ہے اور انہیں دھوکے سے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ جب انہوں نے اس خط کا معاملہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھا تو آپ نے فوراً کہا:

"اللہ کی قسم! یہ خط میں نے نہیں لکھا، نہ مجھے اس کے بارے میں کوئی علم ہے۔"

اس خط کا معاملہ بہت اہم ہے... مروان بن حکم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے

سرکاری خطوط لکھتا تھا اور اس خط پر اسی کا نام لکھا تھا... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے یہ خط لکھنے کا کوئی حکم نہیں دیا تھا... اب سوال یہ ہے کہ خط کس نے لکھا... اگر مروان نے لکھا، تب بھی اس نے یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے نہیں لکھا تھا... اور اگر خط مروان نے نہیں لکھا تو پھر کس نے لکھا تھا... اس کی تحقیق کی ضرورت تھی۔

بات دراصل یہ تھی کہ وہ خط بالکل جعلی تھا۔ اس سازش کا ایک حصہ تھا۔ عبداللہ بن سبا نے یا اس کی جماعت کے کسی آدمی نے لکھا تھا... اور مروان سے اس خط کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ اسی قسم کا ایک خط ان لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی ملا تھا۔ اس خط میں ان لوگوں کو واپس مدینہ کی طرف لوٹ آنے کی دعوت دی گئی تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنے مطالبات پیش کرنے لئے لکھا گیا تھا۔ چنانچہ جب یہ لوگ مدینہ واپس آ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان سے درخواست کی کہ آپ بھی ہمارے ساتھ خلیفہ کے پاس چلئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ کی قسم! میں تم لوگوں کے ساتھ ہرگز نہیں جاؤں گا۔"

یہ سن کر وہ لوگ بگڑ گئے اور بولے:

"اگر آپ ہمارے ساتھ چلنے پر آمادہ نہیں تو پھر آپ نے ہمیں خط کیوں لکھا تھا؟"

ان کی یہ بات سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ حیرت زدہ رہ گئے۔ آپ نے فرمایا:

"نہیں! اللہ کی قسم! میں نے تم لوگوں کو کوئی خط نہیں لکھا۔"

اس واقعے سے صاف ظاہر ہے جن سازشی لوگوں نے مروان کے نام والا خط لکھا، ان ہی لوگوں نے ایک خط ان لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی لکھا تھا۔ یہ بات بالکل صاف نظر آ رہی ہے... کیونکہ ایک طرف تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ: "اللہ کی قسم! میں نے ایسا کوئی خط نہیں لکھا..." دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فرمایا اب یہ دونوں شخصیات ایسی ہیں جن کے بارے میں ہم سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ جھوٹ بول سکتی تھیں... صاف ظاہر ہے کہ یہ سازش عبداللہ بن سبا کے گروہ کی تھی۔

مشہور مورخ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اس جماعت نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور دوسرے اکابر صحابہ کی طرف سے بھی اسی قسم کے جعلی خطوط لکھ لکھ کر مختلف شہروں میں بھیجے تھے۔ اسی جماعت

نے یہی چال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں چلی تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں جنگ کرادی تھی۔“

جہاں تک مروان بن حکم کا تعلق ہے... اس کے بارے میں بھی جان لیں کہ وہ نہایت سوجھ بوجھ کا آدمی تھا۔ ایک دوراندیش سیاست دان تھا ایسی حرکت کر ہی نہیں سکتا تھا اور پھر ان دنوں مصر کے گورنر تو مصر میں تھے بھی نہیں۔

ان دنوں میں ایک اہم واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مہر لگانے والی انگوٹھی کا کنویں میں گرنا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک روز ”اریس“ کے منڈیر پر کھڑے تھے۔ انگوٹھی آپ کی انگلی میں تھی... وہ انگلی سے نکل کر کنویں میں گر گئی۔ آپ نے کنویں میں انگوٹھی کو خوب تلاش کرایا، لیکن انگوٹھی نہ ملی۔ آپ نے اس پر انعام بھی مقرر کیا... مگر انگوٹھی نہ مل سکی۔

یہ واقعہ حضرت عثمان ؓ کی خلافت کے ساتویں سال پیش آیا۔ اس زمانے میں فساد کرنے والے اپنی سازش شروع کر چکے تھے، لہٰذا اس بات کا زبردست امکان ہے کہ انگوٹھی کو کنویں سے نکالے جانے والے پانی میں سے کسی سازشی نے چرا لیا ہو اور اس طرح یہ انگوٹھی عبداللہ بن سبا کے پاس پہنچ گئی ہو۔

سبائی دعوے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے پوچھا تھا کہ اگر یہ خط آپ نے نہیں لکھا تو اس خط پر مہر کیسے لگی ہوئی ہے... اس سوال کا جواب انگوٹھی والا واقعہ دے رہا ہے... مہر لگانے والی انگوٹھی ضرور کسی سازشی کے ہاتھ لگی تھی... اور جعلی خطوط پر مہر اس سے لگائی گئی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سوال کا جواب یہ فرمایا تھا:

”ان لوگوں نے اس جیسی انگوٹھی بنائی ہے۔“

اس کی مثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ملاحظہ فرمائیں۔ آپ کے دور میں ایک شخص معن بن زائدہ نے مہر خلافت جیسی ایک مہر بنالی۔ وہ اس کے ذریعے خراج کی بڑی بڑی رقمیں وصول کیا کرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے فریب کا پتا چلا تو آپ نے کوفے کے گورنر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ اس شخص کو فوراً گرفتار کیا جائے اور سزا دی جائے۔

ان باتوں سے ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ خط مروان نے نہیں لکھا۔ نہ ہی خلافت کے عملے میں سے یہ کسی کا کام تھا، بلکہ یہ سب کچھ عبداللہ بن سبا کی سازش تھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ایک الزام اس وقت یہ لگایا گیا کہ آپ نے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنھما کو مارا پیٹا تھا، لیکن یہ بات بالکل غلط ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی قرأت پر قرآن ایک جگہ جمع کروا رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا کہ وہ حضرت زید سے پہلے اسلام لائے ہیں، لہٰذا ان کی قرأت پر قرآن جمع کیا جائے۔ بس اس بات پر ان میں کچھ ناراضی ہو گئی تھی... بعد میں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی قرأت پر سارے صحابہ نے اتفاق کر لیا ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے وعدہ کیا کہ وہ خلیفہ کی پیروی کریں گے۔

(ابن کثیر البدایہ والنہایہ: ۲۱۸/۷)

جب حضرت عبداللہ بن مسعود کا انتقال ہوا تو ان کی نماز جنازہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی۔ انتقال سے پہلے دونوں میں صلح ہو چکی تھی اور دونوں نے ایک دوسرے کے لئے استغفار کیا تھا۔ (طبقات ابن سعد: ۱۱۳/۳)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی کہا گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان پر تشدد کرایا... لیکن یہ بات بھی غلط ہے۔ یہ درست ہے کہ عمار بن یاسر کی ہمدردیاں بنو ہاشم کے ساتھ تھیں۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگوں نے باتیں بنانا شروع کیں تو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی ان باتوں میں دلچسپی لینے لگے...... لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی۔ اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش نے زور پکڑا تو صورتِ حال جاننے کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جن چند لوگوں کو بھیجا، ان میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ (تاریخ طبری: ۳۴۶/۴)

یہ بھی کہا گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو کوفے کی گورنری سے ہٹایا تھا، لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ۲۱ ہجری میں کوفے کا گورنر مقرر کیا تھا، لیکن کوفے کے لوگوں کو ان سے شکایات پیدا ہو گئیں۔ انہوں نے ان کی برطرفی کا مطالبہ کیا تو چند ماہ بعد ہی انہیں معزول کر دیا گیا۔ مطلب یہ کہ انہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں معزول کر دیا گیا تھا۔

کوفے کے کچھ لوگ دوسروں کو پریشان کرتے تھے۔ یہ یمانی تھے۔ ان کے بارے میں کوفے کے گورنر حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی تو آپ نے ان کے بارے میں حکم دیا کہ انہیں شام کی طرف جلاوطن کردو۔ ان لوگوں کو شام بھجوانے کا فیصلہ اس لئے کیا کہ وہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ گورنر تھے۔ وہ نہایت تجربہ کار اور معاملات کو پہچاننے والے تھے۔ ان لوگوں کی اچھی طرح اصلاح کر سکتے تھے، لیکن یہ لوگ ان کے قابو میں بھی نہ آئے۔ انہوں نے ان لوگوں کو پھر کوفہ بھیج دیا... یہاں آ کر وہ پھر اپنی مخالفانہ کارروائیوں میں لگ گئے... ایک بار پھر انہیں جزیرہ کی طرف جلاوطن کیا گیا۔

اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو جلاوطن کیا... لیکن ایسا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور پہلے دو خلفاء کے دور میں بھی ہوتا رہا ہے... پھر اس میں اعتراض والی کون سی بات ہے۔

یہ تھے فتنہ پرور لوگوں کے اعتراضات۔ ان اعتراضات سے ان کا مقصد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنا تھا... اس لئے انہوں نے غلط باتوں کا سہارا لیا۔ جس طرح ابولؤلؤ اور اس کی جماعت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور بہانہ بنایا تھا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کی اجرت کا... اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلافت سے الگ کرنے اور الگ نہ ہوں تو قتل کرنے کے لئے انہوں نے یہ بہانے گھڑے تھے اس کا ثبوت پڑھیے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ..... ’’کچھ لوگوں سے میری ملاقات ہوئی وہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کر رہے تھے... میں نے ان کے سامنے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اعمال کا ذکر کیا... اور پوچھا: کیا تم لوگوں کو ان دونوں حضرات کے ان اعمال پر اعتراض ہے؟‘‘

کسی نے اعتراض نہ کیا تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

’’لیکن اب تم انہی اعمال کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ملزم قرار دے رہے ہو؟‘‘

اس پر کوئی اعتراض کرنے والا کوئی جواب نہ دے سکا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’اعتراض کرنے والے اس طرح لاجواب ہو گئے جیسے انگوٹھا چوسنے والے بچے۔‘‘

(انساب الاشراف بلاذری: ۵/۹۵)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایسے کاموں پر اعتراضات کیے گئے کہ اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کو کرتے تو کوئی منہ سے بات بھی نہ نکالتا۔''

خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی بہت سے موقعوں پر مخالفین کو خطاب کرتے ہوئے یہی بات فرمائی۔ اعتراضات کے جواب میں آپ نے بہت زوردار اور تفصیل سے تقریر کی اور فرمایا:

''سنو! اللہ تعالیٰ کی قسم! تم مجھ پر ایسی باتوں کی وجہ سے عیب جوئی کرتے ہو جن کو تم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بخوشی قبول کر لیا تھا، مگر ہاں بات یہ ہے کہ انہوں نے تمہیں پیروں سے روندا، ہاتھ سے مارا، اور زبان سے تمہاری خبر لی اس لئے تم ان کے فرمانبردار بنے رہے، لیکن میں نے تمہارے ساتھ نرمی کی، مروت سے کام لیا، اپنا ہاتھ، اپنی زبان دونوں کو تم سے روکے رکھا تو اب تمہیں مجھ پر یہ جرأت ہو گئی ہے۔''

۲۶ ہجری میں مسجد حرام میں توسیع کا ارادہ فرمایا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

''کیا تم جانتے ہو کہ کس چیز نے تمہیں مجھ پر دلیر کیا ہے یہ صرف میری بردباری ہے جس کی وجہ سے تم یہ جرأت کر رہے ہو ورنہ یہی فعل تمہارے ساتھ عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا تو تم نے کوئی شور وغل نہیں مچایا تھا۔''

غرض باغیوں میں ایسے فساد پسند لوگ شامل تھے کہ ان کے تمام اعتراضات بالکل بے بنیاد تھے اور وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نرم مزاجی کی وجہ سے دلیر ہو رہے تھے۔ آپ بہت صلح پسند تھے۔ کوفہ سے سعید بن عاص اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مصر سے ان لوگوں کے بارے میں برابر اطلاعات آپ کو بھیج رہے تھے اور ان کے خلاف کارروائی کی اجازت طلب کر رہے تھے، لیکن آپ جواب میں یہی ہدایات بھیجتے رہے کہ وہ فتنہ پسندوں کو ایک شہر سے دوسرے شہر بھیج دیں... لیکن انہیں سزا دینے کی اجازت آپ نے کبھی نہیں دی۔ مختلف ذریعوں سے انہیں سمجھانے کی کوشش کرتے رہے۔ اس وقت زیادہ تر بڑے بڑے صحابہ یا تو مدینہ منورہ میں رہے نہیں تھے، مختلف شہروں میں جا بسے تھے یا پھر بہت بوڑھے ہو گئے تھے... اس کے علاوہ حالات سے دل برداشتہ ہو کر انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔

ان باغیوں میں مختلف گروہ شامل تھے مصر کے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عقیدت مند تھے۔ بصرہ کے لوگ حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو پسند کرتے تھے... اور کوفہ کے

لوگ حضرت زبیر بن عوام کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے... ایک جماعت سرے سے عرب حکومت ہی کے خلاف تھی۔ مطلب یہ کہ ان میں آپس میں اگرچہ اختلافات تھے، لیکن سب گروہ اس پر اکٹھے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معزول کیا جائے۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے یہ جمع ہو گئے تھے... ان کا کام یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور آپ کے گورنروں کے خلاف بددلی اور بیزاری پیدا کرتے رہتے تھے۔ عبداللہ بن سبا ان سازشوں کا سردار تھا اس نے ان سب کو یہ ہدایات دی تھیں:

۱)...... امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے لوگوں کو اپنا گرویدہ بناؤ۔

۲)...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے عہدیداروں کو ہر ممکن طریقے سے بدنام کرو، رسوا کرو۔

۳)...... لوگوں کو یہ داستانیں سناؤ کہ خلیفہ نے اپنے رشتہ داروں کو عہدے دیئے ہیں اپنے کنبے کے لوگوں میں مال و دولت تقسیم کیا ہے۔ (تاریخ ابن اثیر: ۳/۱۵۳...... تاریخ طبری: ۴/۳۴۱)

فتنوں کی آگ

ان ہدایات پر سختی سے عمل کیا گیا۔ بصرہ، کوفہ اور مصر فتنوں کا مرکز تھے۔ اس پروپیگنڈے نے تینوں جگہ آگ سی بھڑکا دی... یہ خبریں جب مدینہ منورہ پہنچیں تو مدینہ منورہ کے لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ صورت حال معلوم کرنے کے لئے وہاں کچھ لوگوں کو بھیجا جائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بصرہ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو مصر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو شام روانہ کیا۔ ساتھ ہی آپ نے تمام شہروں میں ایک حکم بھیجا۔ اس میں لکھا تھا:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوگوں کو عہدے داروں سے شکایت ہے کہ بعض گورنر یا دوسرے عہدے دار لوگوں سے زیادتی کرتے ہیں... اگر واقعی ایسا ہے تو میں اعلان کرتا ہوں کہ حج کے موقعے پر سب حکام مکہ میں جمع ہوں گے، جس جس شخص کو بھی کوئی شکایت ہو وہ آکر مجھ سے ملے... میرے یا میرے عاملوں کے ذمے جو نکلتا ہو، وہ وصول کر لیں۔"

جب لوگوں کو یہ پیغام ملا تو وہ رو پڑے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دعائیں دینے

لگے۔

لوگوں کو تو آپ نے یہ پیغام بھیجا، دوسری طرف تمام عہدے داران کو یہ پیغام بھیجا۔

"آپ سب ایوانِ خلافت میں حاضر ہوں۔"

یہ حکم ملنے پر عبداللہ بن عامر، حضرت امیر معاویہ، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ تعالیٰ عنہم وہاں پہنچ گئے۔ حضرت عمرو بن عاص اور حضرت سعید بن عاص کو بھی مشورے میں شریک کیا گیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

"بہت افسوس کی بات ہے، میں یہ کیسی خبریں سن رہا ہوں۔ یہ کیسی کیسی باتیں مشہور ہو رہی ہیں۔ اللہ کی قسم... مجھے ڈر ہے کہ جو باتیں تم لوگوں کے بارے میں مشہور ہو رہی ہیں، کہیں وہ سچ ہی نہ ہوں... اگر ایسا ہے تو یہ سب باتیں میرے ذمے لگا دی جائیں گی۔"

ان حضرات نے جواب میں کہا:

"آپ نے صورت حال جاننے کے لئے یہاں سے کچھ لوگوں کو بھیجا تھا... کیا انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ ہر جگہ ہر طرح خیریت ہے... رہ گئے یہ افواہیں اڑانے والے لوگ، تو یہ جھوٹے ہیں آپ کے لئے مناسب نہیں کہ ایسی بے بنیاد باتوں کی طرف دھیان دیں۔ (طبری جلد ۳ صفحہ ۳۳۳)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کے جواب سے مطمئن نہیں ہوئے، کیونکہ ملک میں تو بے چینی پھیلی ہوئی تھی اس لئے آپ نے فرمایا:

"تم یہ مشورہ دو کہ ان حالات میں کرنا کیا چاہیے؟"

اس کے جواب میں حضرت سعید بن عاص نے کہا:

"وہ صرف چند آدمی ہیں... جو پوشیدہ طور پر غلط باتیں مشہور کر کے سیدھے سادے عوام کو ورغلا رہے ہیں، بہکا رہے ہیں، ان کا علاج یہ ہے کہ آپ ان لوگوں اور جو ان کے سرغنہ ہوں، ان کے سر قلم کرا دیجئے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"عمرو! تمہاری کیا رائے ہے؟"

انہوں نے جواب میں کہا:

"آپ ان فتنہ پرداز لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کر رہے ہیں...... آپ نے انھیں

بہت ڈھیل دے رکھی ہے...... آپ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے طریقے پر عمل کریں...... سختی کی جگہ سختی اور نرمی کی جگہ نرمی کو اپنائیں۔"

اب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"آپ حضرات نے جو مشورے دیے ہیں، وہ میں نے سنے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر معاملے کا ایک دروازہ ہوتا ہے، اس سے وہ اندر داخل ہوتا ہے۔ یہ فتنہ جو اُمت کو پیش آنے کو ہے، اس کو نرمی اور موافقت ہی سے بند کیا جاسکتا ہے... البتہ سزاؤں کی بات اور ہے... سزاؤں والا دروازہ بند نہیں کیا جاسکتا۔ مجھ پر کوئی شخص یہ الزام عاید نہیں کرسکتا کہ میں نے لوگوں کے ساتھ اور اپنے ساتھ بھی بھلائی کرنے میں کوتاہی نہیں کی ہے۔ فتنے کی چکی تو اب گھوم کر رہے گی... لیکن میں خود کو اس صورت میں خوش نصیب خیال کروں گا کہ میں اس حالت میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں کہ اس چکی کو میں نے حرکت نہیں دی۔ پس آپ ان حضرات کو فتنہ پردازی سے روکیں... جو ان کے حقوق ہیں وہ ادا کرنے میں سستی نہ کریں۔ ان کے لئے اللہ تعالٰی سے مغفرت مانگیں۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو پیغام تمام شہروں میں بھیجا تھا اس سے لوگوں کو بہت خوشی ہوئی تھی اور سب کا خیال تھا کہ ۳۵ ہجری کا سال امن وامان اور سکون سے گزرے گا... لیکن یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ وہ ایسے کہ کوفے میں سخت فساد ہو گیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

یہاں کے گورنر سعید بن عاص تھے۔ یہ نہایت لائق، سوجھ بوجھ والے اور مجاہد نوجوان تھے، لیکن تھے قریشی۔ کوفے کے لوگ شروع میں تو ان سے خوش رہے... ان کی تعریف کرتے رہے...... لیکن ایک مرتبہ ان کے منہ سے یہ جملہ نکل گیا۔

"کوفہ قریش کا چمن ہے۔"

اس مجلس میں دوسرے قبیلوں کے علاوہ یمنی لوگ بھی تھے ان کا سردار اشتر نخعی تھا۔ یہ شخص قریش کا شدید مخالف تھا۔ قریشیوں سے بہت بغض رکھتا تھا... یہ جملہ سنتے ہی سعید بن عاص پر بگڑ پڑا... اور بول اُٹھا:

"قریش میں ایسی کون سے خصوصیت ہے کہ کوفہ ان کا ہی چمن ہو... وہ تو سب مسلمانوں کا ہے۔"

اس وقت وہاں پولیس کا افسر بھی موجود تھا۔ اس نے غضب ناک ہو کر کہا:

”گورنر صاحب سے تہذیب میں رہ کر بات کریں۔“

اس پر یہ یمنی لوگ بپھر گئے۔ انہوں نے پولیس کے اس افسر کو اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گیا... انہوں نے اتنا ہی نہیں کیا، اس سے بھی آگے بڑھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، سعید بن عاص، اور قریش کی خوب برائیاں کیں۔ اس کے ساتھ ہی ان لوگوں نے فیصلہ کیا کہ اب سعید بن عاص کو گورنر نہیں رہنے دیں گے۔ چنانچہ ان لوگوں نے مطالبہ کیا کہ ان کی جگہ ابوموسیٰ اشعری کو گورنر مقرر کیا جائے۔ اس مطالبے کی وجہ یہ تھی کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ قریشی نہیں تھے ان کی رشتے داریاں یمن سے تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شر دور کرنے کے خیال سے ان کی بات مان لی اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر کر دیا... (طبری: ۳۳۲/۴)

اس فیصلے کا اثر اُلٹا ہوا... اب ان لوگوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ ان کے ساتھ بصرہ اور مصر کے لوگ بھی خلافت کے خلاف اٹھنے کے لئے تیار ہو گئے۔

ان لوگوں نے ایک جلسہ کیا۔ اس میں اپنا ایک نمائندہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ عبداللہ تمیمی کو اپنا نمائندہ بنا کر دربار خلافت بھیجا۔ یہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملا۔ سخت کلامی کی اور خلافت سے دست بردار ہونے کا مطالبہ کیا۔ اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شام سے وہاں آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے درخواست کی:

”آپ میرے ساتھ شام چلئے... وہاں کے حالات ٹھیک ہیں۔“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”چاہے میری گردن اُڑا دی جائے... میں کسی قیمت پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب اور ہمسائیگی نہیں چھوڑ سکتا۔“

اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بولے:

”اگر آپ کو یہ بات منظور نہیں تو پھر مجھے اجازت دیجئے، میں شام کا ایک لشکر بھیج دوں، وہ مدینہ منورہ کے پچھلے حصے میں ٹھہرا رہے گا... اگر ان لوگوں نے کوئی شرارت کرنے کی کوشش کی تو وہ لشکر آپ کی مدد کرے گا۔“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز بھی منظور نہ فرمائی اور فرمایا:

"اس طرح مدینہ منورہ کے لوگ پریشانی میں مبتلا ہوں گے ... میں اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔"

اب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بولے:

"تب پھر اے امیر المومنین! آپ کے ساتھ غدر والا معاملہ ہو جائے گا۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل"

ترجمہ: "اللہ ہی میرے لئے کافی ہے اور وہی بہترین مددگار ہے۔"

چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اجازت لی اور شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ سازش کرنے والوں کو اب مناسب وقت کا انتظار تھا اور ان کے لئے سب سے بہترین وقت حج کے دن تھے ... کیونکہ زیادہ تر لوگ حج کے لئے چلے جاتے تھے ... مدینہ منورہ میں ان دنوں بہت کم لوگ ہوتے تھے ... ان دنوں میں ان کے خلاف کوئی بڑی رکاوٹ پیش نہیں آ سکتی تھی، چنانچہ ایک خفیہ قرارداد کے مطابق کوفہ، بصرہ، اور مصر تینوں شہروں سے فتنہ پردازوں کی جماعتیں ایک ہی وقت میں روانہ ہوئیں۔

حملہ ہوتا ہے

ان تینوں جماعتوں کی تفصیل اس طرح ہے ...... کہ مصر کے لوگوں کی تعداد چھ سو سے ایک ہزار کے درمیان تھی۔ یہ پوری تعداد چار ٹولیوں میں تقسیم تھی۔ ان ٹولیوں کے سردار عبدالرحمٰن بن بدیس بلوی، کنانہ بن بشر تجیبی، عروہ بن شیم لیثی، ابو عمرو بن بدیل خزاعی، سواد بن رومان زمجی، زرع بن یشکر یافعی، سودان بن حمران سکونی تھے اور ان سب کا مجموعی سرغنہ غافقی بن حرب عکی تھا۔ یہ لشکر مصر سے اس قدر خاموشی سے روانہ ہوا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ کچھ لوگوں پر ان کی روانگی ظاہر ہو گئی تو انہیں بتایا گیا کہ یہ حاجیوں کا قافلہ ہے۔

اسی طرح کوفے کے لوگ بھی تعداد میں مصر کے لگ بھگ تھے یہ مصر کی طرح چار ٹولیوں میں تقسیم تھے۔ ان ٹولیوں کے سرکردہ لوگ یہ تھے: زید بن صوحان عبدی، اشتر نخعی، زیاد بن نضر حارثی، عبداللہ بن اصم اور ان سب کا مجموعی سردار "عمرو بن اصم" تھا۔

بصرہ کے باغی گروہ کی تعداد بھی قریب اتنی ہی تھی۔ یہ بھی چار ٹولیوں میں تقسیم تھا۔ ٹولیوں کی قیادت ان لوگوں کے سپرد تھی: حکیم بن جبلہ عبدی، ذریح بن عباد عبدی، بشر بن شریح، حطم بن ضبیعہ قیسی، ابن محرش بن عبد بن عمرو حنفی۔ ان سب کا مجموعی سرغنہ ''حرقوص بن زہیر سعدی'' تھا۔

جب یہ قافلہ روانہ ہوا تو راستے میں ان لوگوں کے ہم خیال لوگ بھی شامل ہوتے چلے گئے۔ مدینہ منورہ سے تین کلومیٹر کے فاصلے پر پہنچ کر یہ لوگ تین حصوں میں بٹ گئے۔ بصرہ کے لشکر نے ذوخشب میں قیام کیا، جب کہ کوفہ اور مصر کے لوگوں نے اعوص میں پڑاؤ ڈالا۔ ان کے علاوہ کچھ لوگ ذوالمروۃ میں ٹھہرے۔

یہاں پہنچ کر انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ آگے بڑھنے سے پہلے بہتر یہ ہے کہ اس سلسلے میں مدینہ کے لوگوں کے خیالات اور احساسات معلوم کر لئے جائیں، چنانچہ اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنے دو نمائندے زیاد بن نضر اور عبداللہ بن اصم مدینہ منورہ بھیجے۔ ان دونوں نے ازواج مطہرات، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملاقات کی، اپنے آنے کا مقصد بیان کیا انہوں نے کہا:

''ہم چاہتے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلافت چھوڑ دیں، کیونکہ ان کے بعض عاملوں نے اندھیر مچا رکھا ہے۔''

اس پر ان سب حضرات نے ان کی شدید مخالفت کی اور یہ بھی کہا:

''ہم تم لوگوں کو مدینہ منورہ داخل نہیں ہونے دیں گے۔''

یہ جواب سن کر دونوں واپس لوٹ گئے... اور اپنے باغی ساتھیوں کو صورتِ حال بتا دی...

اب انہوں نے ان حضرات سے الگ الگ ملاقاتیں کرنے کا پروگرام ترتیب دیا، چنانچہ مصر کے لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے کہا:

''ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے آپ کو ان کی جگہ خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ ان پر خوب بگڑے۔ انہیں بُرا بھلا کہا اور فرمایا:

''چلے جاؤ یہاں سے۔''

بصرہ کے لوگوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی... انہوں نے بھی آپ سے یہی الفاظ کہے... آپ نے بھی انہیں خوب جھاڑ پلائی۔ اسی طرح کوفہ کے لوگوں نے حضرت

زبیر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی... انہوں نے بھی انہیں خوب بُرا بھلا کہا اور فرمایا:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راستوں سے آنے والے لشکروں پر لعنت بھیجی ہے۔"

یعنی تم لوگوں کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی ہمیں خبردار کر دیا تھا ... لہٰذا فوراً واپس چلے جاؤ۔

ہر طرف سے لعنت ملامت سن کر ان لوگوں نے واپس لوٹ جانے میں ہی خیریت جانی ... یہ اس جگہ لوٹ گئے، یہاں ان کے تینوں لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے ... یہاں آکر انہوں نے پھر آپس میں مشورہ کیا... انہوں نے طے کیا کہ اس مقام سے کچھ دور ہٹ کر رک جاتے ہیں... اور اہل مدینہ کے حج کے لئے رخصت ہو جانے کا انتظار کرتے ہیں... جب سب لوگ حج کے لئے چلے جائیں گے... جب حملہ آور ہوں گے۔

ادھر باغیوں کے چلے جانے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہیں یہ مشورہ دیا:

"آپ کے خلاف لوگوں میں چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں، بہتر ہوگا کہ آپ لوگوں کے سامنے ایک تقریر کریں... اپنے خلاف لگائے جانے والے الزامات کی وضاحت کریں..... ورنہ مجھے ڈر ہے جن لوگوں کو ہم نے واپس بھیج دیا ہے وہ پھر واپس نہ آجائیں۔"

یہ مشورہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے۔ لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ اس خطبے میں آپ نے وعدہ فرمایا کہ "آئندہ کسی کو شکایت کا موقع نہیں دیں گے"

آپ نے فرمایا:

"میرا دروازہ ہر شخص کے لئے ہر وقت کھلا ہے، جس شخص کو بھی کوئی شکایت ہو وہ بلا تکلف میرے پاس آجائے... اور اپنی شکایت بیان کرے... یہی نہیں... جب میں منبر سے اتروں تو آپ لوگوں میں جو بلند مرتبہ حضرات ہیں، وہ میرے پاس آئیں... اس مسئلے میں مجھے مشورہ دیں۔"

آپ نے یہ خطبہ اس قدر درد بھرے انداز میں دیا کہ لوگوں پر رقت طاری ہوگئی... وہ رو پڑے... بعض لوگوں کی تو ہچکی بندھ گئی... لیکن جو لوگ فساد برپا کرنے پر تلے ہوئے تھے... ان پر بھلا کیا اثر ہوتا... چنانچہ ابھی اس خوشگوار خطبے کے اثرات لوگوں کے ذہنوں پر باقی تھے کہ...... ایک دن اچانک مدینہ منورہ گھوڑوں کے ٹاپوں سے گونج اٹھا..... ایک شور گونجا:

''باغی مدینہ منورہ میں گھس آئے۔''

باغیوں نے شہر میں داخل ہوتے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کو گھیر لیا حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی تو یہ تینوں حضرات مدینہ منورہ کے اور بہت سے لوگوں کے ساتھ ان باغیوں سے ملے... انہوں نے کوفہ، بصرہ اور مصر کے لوگوں سے باری باری ملاقات کی اور ان سے پوچھا:

''تم لوگ تو ہمارے سمجھانے بجھانے پر واپس لوٹ گئے تھے... پھر کیوں لوٹ آئے؟''

ان سب نے ایک ہی جواب دیا اور وہ یہ تھا:

''ہم واپس جا رہے تھے... راستے میں ہمیں ایک قاصد ملا اس کے پاس ایک خط تھا وہ خط امیر المومنین نے مصر کے گورنر کے نام لکھا تھا... اس میں لکھا تھا کہ جب یہ لوگ تمہارے پاس پہنچیں تو انہیں قتل کر دیا جائے... یہ حکم اگرچہ مصر کے لوگوں کے لئے ہے لیکن ہم نے اپنے بھائیوں کا ساتھ دینا پسند کیا اور ان کے ساتھ ہم بھی چلے آئے ہیں۔''

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے بصرہ اور کوفہ کے لوگو! تم تو مصر کے لوگوں سے پہلے ہی روانہ ہو گئے تھے... قاصد ملا مصر والوں کو... جو تم سے کافی بعد میں روانہ ہوئے تھے... تب پھر تم کیسے واپس آ گئے۔ یہ ضرور سوچا سمجھا منصوبہ ہے... سب تمہاری ملی بھگت ہے۔''

وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے اعتراض کا کوئی جواب نہ دے سکے... البتہ آپس میں کہنے لگے:

''ہمیں ان کی بھی کوئی پرواہ نہیں۔''

اب یہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کے گرد گھیرا ڈال کر دھرنا دے پڑ رہے۔ شروع شروع میں یہ گھیرا نرم تھا... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں آ جاتے تھے اور نماز کی امامت کراتے تھے... خود یہ فسادی لوگ بھی آپ کے پیچھے نماز ادا کرتے تھے۔

ایک دن ان فسادیوں نے حضرت علی اور حضرت محمد مسلمہ رضی اللہ عنہما سے کہا:

''ہم آپ کی موجودگی میں خلیفہ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔''

ان دونوں حضرات نے ظہر کے بعد کا وقت طے کر لیا اور ٹھیک وقت پر ان کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے۔ ان میں سے سب پہلے مصر کے عبدالرحمٰن بن

عدیس نے کہا:

’’ہمارا آپ سے مطالبہ ہے کہ آپ ہمارے گورنر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو گورنری سے ہٹادیں اور ان کی جگہ ہمارا پسندیدہ گورنر مقرر کریں۔ ‘‘

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

’’اگر میں تم لوگوں کی مرضی سے اپنے گورنروں کو معزول کرنے لگا اور تمہاری مرضی کے آدمیوں کو مقرر کرنے لگا تو پھر تو سارا انتظام تمہارے ہاتھ میں ہوگا... میں ایسا ہرگز نہیں کرسکتا۔ ‘‘

اس پر عبدالرحمٰن بن عدیس نے کہا:

’’ہم پہلے بھی آئے تھے... لیکن صحابہ کی ایک جماعت نے ہمیں آپ کی طرف سے یقین دلایا کہ ہماری شکایات جلد رفع کردی جائیں گی... ہم مطمئن ہوکر واپس جانے کے لئے چل پڑے، لیکن راستے میں آپ کا بھیجا ہوا قاصد ملا۔ اس کے پاس گورنر مصر کے نام آپ کا خط تھا... اور اس میں ہم لوگوں کے قتل کا حکم تھا... ہم اب وہ خط پڑھ کر واپس آئے ہیں۔ ‘‘

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی بات سن کر قسم کھا کر کہا:

’’میں نے ایسا کوئی خط نہیں لکھوایا۔ ‘‘

آخری کوشش

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وضاحت پر عبدالرحمٰن بن عدیس نے کہا:

’’آپ خط والی بات مانیں یا نہ مانیں... اب آپ کو خلافت سے تو دست بردار ہونا پڑے گا... اس سے کم پر تو ہم نہیں مانیں گے۔ ‘‘

حضرت عثمان نے رضی اللہ عنہ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

’’میں وہ قمیص نہیں اتاروں گا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے پہنائی ہے۔ ‘‘

یہ کہنے سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ میں یہ خلافت نہیں چھوڑوں گا... جو مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی ہے۔ اس پر مصری لوگوں نے کہا:

’’ہم یہاں سے اس وقت تک نہیں جائیں گے جب تک ہم آپ کو خلافت سے الگ نہ کردیں یا قتل نہ کردیں۔ اگر آپ کے ساتھیوں نے ہمارے راستے میں آنے کی کوشش کی تو ہم

ان سے جنگ کریں گے، یہاں تک کہ ہم آپ تک پہنچ جائیں گے۔"

ان کی اس بات کے جواب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"مجھے قتل ہو جانا منظور ہے، خلافت سے دست بردار ہونا منظور نہیں... رہا تمہارا یہ کہنا کہ تم میرے ساتھیوں سے جنگ کرو گے تو سن لو، میں انہیں جنگ کرنے ہی نہیں دوں گا۔"

اس پر یہ بات چیت ختم ہو گئی۔ مصری لوگ ان کے پاس سے لوٹ گئے۔ ان کے جانے کے بعد امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ ان سے فرمایا:

"آپ مصریوں کو میری طرف سے مطمئن کریں کہ ان کی جائز شکایات اور مطالبات پر غور کیا جائے گا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں عرض کیا:

"اب اس کا کوئی فائدہ نہیں... یہ لوگ مطمئن نہیں ہوں گے۔"

اس دوران ایک اور سخت ناخوش گوار واقعہ پیش آ گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جمعے کی نماز کے لئے مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ یہاں مصری وفد موجود تھا۔ نماز معمول کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور مصری وفد سے مخاطب ہوئے:

"اے دشمنو! اللہ تعالیٰ کے قہر اور غضب سے ڈرو! اہلِ مدینہ خوب جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں پر لعنت کی ہے... (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی تم لوگوں کے بارے میں پیش گوئی فرما چکے ہیں اور تم پر لعنت بھیج چکے ہیں) پس تم نے جو خطائیں کی ہیں، ان کی تلافی نیک اعمال سے کرو... کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ نیکیوں کے ذریعے گناہوں کو مٹاتا ہے۔"

آپ نے ابھی یہ الفاظ فرمائے ہی تھے کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بول اُٹھے:

"آپ نے بالکل سچ فرمایا، میں اس کا گواہ ہوں۔"

جونہی حضرت مسلمہ رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا... مصری وفد ان پر حملہ کرنے کے لئے بڑھا۔ اس پر مدینہ منورہ کے لوگ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے... دونوں گروہوں میں جھڑپ ہو گئی۔ مصری کنکر پتھر اُٹھا کر ان پر پھینکنے لگے... یہاں تک کہ اس لڑائی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی زخمی ہوئے... بلکہ بے ہوش ہو گئے... بے ہوشی کی حالت میں آپ کو گھر پہنچایا گیا... صحابہ کرام میں

سے اس وقت حضرت زید بن ثابت، سعد بن مالک، ابو ہریرہ اور حسن بن علی رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ انہوں نے مصریوں کو سزا دینے کا ارادہ کیا... مصری اس وقت مسجد سے نکل چکے تھے... ایسے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ہوش آ گیا... انہیں بتایا گیا کہ صحابہ کرام ان لوگوں پر حملہ کرنے کا پروگرام بنا رہے ہیں تو فوراً کہلا بھیجا:

''مصریوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔''

- حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے آئے اور اس واقعے پر افسوس کا اظہار کیا۔

اس واقعے سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ مصری لوگ فتنہ اور فساد برپا کرنے کی قسم کھا چکے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں اور فوج کے سالاروں کو ان حالات کی اطلاع دی اور انہیں ہدایت کی کہ وہ یہاں آ جائیں...

یہاں یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو اپنے گورنروں اور سالاروں کو پیغامات ارسال کئے... اس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ وہ آئیں اور فساد برپا کرنے والوں سے جنگ کریں... جی نہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تو ہرگز ہرگز کسی مسلمان کا خون بہانا گوارا نہیں تھا اس اقدام سے تو آپ کا مقصد صرف یہ تھا کہ باغی اپنی جانیں بچانے کے خیال سے بھاگ جائیں۔

آپ کی طرف سے یہ پیغام ملنے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بعض معاملات کی وجہ سے فوراً روانہ نہ ہو سکے... البتہ شام سے حبیب بن مسلمہ، بصرہ سے مجاشع بن مسعود لوگوں کی بڑی تعداد کے ساتھ روانہ ہوئے۔ یہ حضرات ابھی مدینہ منورہ سے تین میل دور تھے کہ انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی۔ (الکامل لابن اثیر)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا یہ محاصرہ تقریباً ایک ماہ تک جاری رہا۔ اس دوران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسجد میں آتے رہے، نماز پڑھاتے رہے، اس کے بعد باغیوں نے آپ کو مسجد میں آنے سے روک دیا... اب ان کا ایک ساتھی امیر غافقی نماز پڑھانے لگا۔

باغیوں نے جو یہ سختی اختیار کی اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو اپنے گورنروں اور امیروں کو پیغامات بھیجے، انہیں اس کا پتا چل گیا تھا۔ اس سختی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ حج کے دن ختم ہونے کے قریب تھے... انہوں نے سوچا حاجیوں کی

آمد سے پہلے پہلے انہیں اپنے منصوبے کو پورا کر ڈالنا چاہئے... ورنہ پھر اپنے منصوبے پر عمل نہیں کر سکیں گے۔

اب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں قید ہو کر رہ گئے۔ اس حالت میں باغیوں نے گھر میں گھسنے کی کوشش کی، لیکن آپ کے گھر پر چھ سو کے لگ بھگ جاں نثار پہرہ دے رہے تھے۔ ان میں بڑے بڑے صحابہ کے علاوہ حضرت حسن، حضرت حسین، عبداللہ بن زبیر، اور عبداللہ بن عمر، رضی اللہ عنھم شامل تھے... ان حضرات نے باغیوں کو اندر آنے نہ دیا۔

ان حالات کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حج کے لئے بھی نہیں جا سکے تھے... آپ اس سے پہلے ہر سال جاتے رہے تھے... وہاں آپ اپنے گورنروں سے ملاقات کرتے تھے ہر ایک سے ان کے علاقوں کے حالات معلوم کرتے تھے... عوام سے ان کے دکھ درد معلوم کرتے تھے... اس طرح حالات سے اور لوگوں کے مسائل سے باخبر رہنے کی پوری کوشش کرتے تھے... اب چونکہ اس مرتبہ آپ نہیں جا سکے تھے، اس لئے آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا:

''اس مرتبہ تم میری طرف سے حج کو چلے جاؤ۔''

حضرت عبداللہ بن عباس نے عرض کیا:

''اے امیر المومنین! ان باغیوں سے جہاد کرنا میرے نزدیک حج کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا اور انہیں جانے پر مجبور کیا.. تب وہ حج کے لیے گئے۔ جب باغیوں نے آپ کو گھر میں قید کر دیا تو ایک دن آپ اپنی چھت پر آئے اور باغیوں سے یوں خطاب کیا:

''میں تم لوگوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں، سچ کہو، کیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر بیر رومہ خرید کر اس کا پانی تمام مسلمانوں کے لئے وقف نہیں کر دیا تھا...؟''

اس پر سب نے کہا:

''ہاں! یہ ٹھیک ہے۔''

آپ نے مزید ارشاد فرمایا:

''مسجد نبوی کی جگہ تنگ ہو گئی تھی، اس میں سب نمازی نہیں آ سکتے تھے... تو کیا میں نے

اس کے ساتھ والی زمین خرید کر مسجد میں شامل نہیں کی تھی......؟"

سب نے جواب دیا:

"ہاں! یہی بات ہے۔"

آپ نے پھر ارشاد فرمایا:

"غزوہ تبوک کے موقعے پر جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امداد کی اپیل کی تھی تو کیا میں نے لشکر کے لیے سامان نہیں دیا تھا... اور کیا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر مجھے جنت کی بشارت نہیں دی تھی......؟"

سب ایک آواز ہو کر بولے:

"ہاں! ایسا ہی ہے۔"

اب آپ نے فرمایا:

"اور پھر اللہ کے رسول نے تین بار فرمایا تھا: اے اللہ تو گواہ رہ......؟"

اس کے علاوہ آپ نے اپنی اس تقریر میں یہ بھی فرمایا:

"کیا تم لوگوں کو معلوم نہیں کہ ایک مرتبہ حرا پہاڑ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور میں ہم تینوں کھڑے تھے ایسے میں پہاڑ لرزنے لگا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

"اے حرا ٹھہر جا! اس وقت تیری پشت پر ایک نبی، ایک صدیق اور ایک شہید ہے... بتاؤ ... بتاؤ... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا یا نہیں......؟"

ان سب نے ایک آواز ہو کر کہا:

"بے شک۔"

اس تقریر سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کے ضمیر کو جگانا چاہتے تھے...... انہیں یہ سوچنے پر آمادہ کرنا چاہتے تھے کہ وہ کیسے شخص کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں... لیکن ان کے ضمیر تو مردہ ہو چکے تھے... ہر سوال کا جواب انہوں نے ہاں میں دیا... لیکن اپنے مطالبے پر پھر بھی ڈٹے رہے... ان کا کہنا یہی تھا:

"یا تو آپ خلافت چھوڑ دیں، ورنہ پھر ہم آپ کو قتل کریں گے۔"

شہادت کی تیاری

آپ نے باغیوں سے یہ بھی فرمایا:

"تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تمہارے پاس اس کا کیا جواز ہے۔ میں نے تو اسلام سے پہلے بھی کبھی شراب نہیں پی، زنا نہیں کیا، کسی کو قتل نہیں کیا... یاد رکھو، اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر اس کے بعد بھی تم میں باہم محبت نہیں رہے گی... تم ہمیشہ آپس میں لڑتے ہی رہو گے... تمہاری اجتماعیت ختم ہو جائے گی..."

ان لوگوں پر آپ کی ان باتوں کا بھی کوئی اثر نہ ہوا... اس وقت حالات بہت نازک ہو چکے تھے... وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ باغیوں سے فرما چکے تھے کہ وہ کسی صورت کسی شخص کو بھی یہ اجازت نہیں دیں گے کہ ان کی طرف سے جنگ کریں... وہاں اس وقت جتنے بھی جانثار موجود تھے، ان سب ہی نے بار بار یہ درخواست کی تھی کہ ہمیں باغیوں سے جنگ کرنے کی اجازت دی جائے... لیکن آپ نے انہیں اجازت نہیں دی تھی... اس طرح باغیوں کو یہ اطمینان حاصل تھا کہ ان پر تو حملہ ہوگا نہیں، دوسری طرف حج کے دن ختم ہونے کو تھے۔ اہل مدینہ اور دوسرے لوگ وہاں پہنچنے والے تھے... اس بنا پر باغیوں نے چاہا، وہ محاصرے کو شدید سے شدید کر دیں اور امیر المومنین پر زیادہ سے زیادہ دباؤ ڈالیں اور ان سے خلافت چھوڑنے کا اعلان کرا لیں... چنانچہ اب انہوں نے محاصرہ اس قدر تنگ کر دیا کہ کوئی مکان کے اندر نہیں جا سکتا تھا اور نہ مکان سے باہر آ سکتا تھا... یہاں تک کہ مکان میں پانی کا داخلہ بھی بند کر دیا۔

ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اس بات کا علم ہوا تو آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کے لئے آئیں، لیکن باغیوں نے انہیں بھی اندر جانے نہ دیا اور ان کے ساتھ بھی سخت گستاخی سے پیش آئے۔ یہاں تک کہ آپ کی سواری کے خچر کو بھی زخمی کر دیا... چند آدمی جو وہاں موجود تھے انہوں نے آپ کو وہاں سے نکالا۔ (تاریخ طبری: ۴/۳۷۲)

مدینہ منورہ میں اس وقت خوف کا عالم تھا... بہت سے کمزور اور بوڑھے اصحاب تو گوشہ نشین ہو گئے... کچھ مدینہ چھوڑ کر ادھر اُدھر چلے گئے...... آخری مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا تو باغیوں نے ان کا بھی راستہ روک لیا...... آپ نے قاصد کو اپنا عمامہ اتار کر دیا اور فرمایا:

''جو حالت تم دیکھ رہے ہو جا کر بیان کر دینا۔'' (طبقات ابن سعد: ۳/۴۷)

ایسے میں خبر پہنچی کہ عراق سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کے لئے جو لوگ روانہ ہوئے تھے وہ مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گئے ہیں اور شام سے روانہ ہونے والے بھی مدینہ منورہ کے نزدیک وادی القریٰ کے نزدیک پہنچ گئے ہیں۔

ان لشکروں کے آنے کی خبر پہنچی تو جوش اور بے چینی میں اضافہ ہو گیا حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ مکان کے پاس آئے اور پکارے:

''انصار دروازے پر موجود ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ ہم مدد کے لئے موجود ہیں، حکم فرمائیں؟''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا:

''اگر مقصد جنگ کرنا ہے تو میں اجازت نہیں دوں گا۔''

ایک روایت کے مطابق آپ نے یہ فرمایا:

''میرا سب سے مددگار وہ ہوگا جو اپنا ہاتھ اور ہتھیار روکے رہے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی عرض کیا:

''امیر المومنین! جنگ کی اجازت دیجئے؟''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ابوہریرہ! کیا تم اس بات کو پسند کرو گے کہ تم مجھے اور سب لوگوں کو قتل کر دو؟''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''نہیں۔''

اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اگر تم ایک آدمی کو بھی قتل کرو گے تو گویا سب ہی کو قتل کر دیا۔''

ان کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر حاضر ہوئے اور زور ڈال کر کہا:

''آپ باغیوں سے جنگ کیجئے! اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے ان لوگوں سے جنگ کرنا حلال کر دیا ہے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی وہی جواب دیا اور جنگ کی اجازت نہ دی۔

(طبقات ابن سعد: ۳/۴۸)

اسی طرح حضرت مغیرہ بن شعبہ بھی آئے، انہوں نے کہا:

''اے امیر المومنین! آپ اُمت کے امام ہیں، خلیفۂ برحق ہیں... اس وقت جو حالات ہیں ان میں تین صورتیں ہیں، آپ ان میں سے کوئی ایک اختیار کرلیں، ایک یہ کہ آپ کے پاس کافی طاقت ہے اس کے ساتھ ان دشمنوں کا مقابلہ کیجیے۔ آپ حق پر ہیں اور وہ باطل پر۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آپ کے مکان کے دروازے پر اس وقت باغیوں کا ہجوم ہے... ہم پچھلی طرف سے ایک دروازہ نکال دیتے ہیں۔ آپ اس سے نکل کر سواری پر بیٹھ جائیے اور مکہ مکرمہ چلیے۔ وہاں حرم میں یہ لوگ جنگ نہیں کرسکیں گے... تیسری صورت یہ ہے کہ اس دروازے سے نکل کر شام چلے جائیے، وہاں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں اور شام کے لوگ وفادار بھی ہیں۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ تینوں تجویزیں منظور نہ فرمائیں... جواب میں ان سے فرمایا:

''میں مقابلہ نہیں کروں گا، کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پہلا خلیفہ نہیں بننا چاہتا جس کے ہاتھوں امت میں خون ریزی کا آغاز ہو، دوسرے یہ کہ میں مکہ بھی نہیں جاؤں گا کیونکہ یہ فسادی وہاں بھی خون ریزی سے باز نہیں آئیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی ہے کہ قریش کا ایک شخص مکہ کی حرمت اُٹھائے گا... میں وہ شخص نہیں بننا چاہتا... رہا شام جانا... وہاں کے لوگ ضرور وفادار ہیں اور معاویہ بھی وہاں ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑوس اور دار الہجرت سے جدائی اور دوری مجھے کسی صورت منظور نہیں۔''

ادھر جتنا وقت گذرتا جارہا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیوں کی روشنی میں اپنی شہادت کا یقین ہو چلا تھا اور آپ نے اپنی شہادت کی تیاری شروع کردی تھی، چنانچہ جس دن یہ سانحہ پیش آیا، اس روز آپ نے روزہ رکھا وہ دن تھا جمعے کا۔ آپ پر اس حالت میں نیند کی کیفیت طاری ہوگئی... اس کیفیت سے ہوشیار ہوئے تو فرمایا:

''میں نے نیم خوابی کے عالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا ہے، آپ فرمارہے تھے: ''عثمان! آج کا روزہ تم ہمارے ساتھ افطار کرنا۔''

اس روز آپ روزے سے تو تھے ہی، آپ نے بیس غلام بھی آزاد فرمائے۔ آپ کے پاس ایک پاجامہ تھا... اس پاجامے کو آپ نے کبھی پہنا نہیں تھا اس روز وہ پاجامہ آپ نے پہنا۔

آپ اپنے جاں نثاروں کو ہتھیار اٹھانے سے منع کر چکے تھے... لیکن باغیوں نے جب مدینے کے نزدیک لشکروں کی آمد کی خبر سنی تو وہ مارے غصے کے آپے سے باہر ہو گئے۔ آپ کے مکان کے دروازے کی طرف بڑھے اور اس کو آگ لگا دی۔ اندر جو حضرات موجود تھے، باہر نکل آئے، ان کی فسادیوں سے جھڑپ ہوئی۔ اس جھڑپ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور مروان بن حکم زخمی ہوئے۔ کچھ لوگ شہید بھی ہوئے۔ (تاریخ طبری: ۳۵۲/۴)

آپ کے مکان کے پڑوس میں حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کا مکان تھا۔ اس مکان کی ایک کھڑکی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان میں کھلتی تھی۔ دروازے پر جب یہ جھڑپ ہوئی تو فسادیوں میں سے کچھ اس کھڑکی کے ذریعے اندر آ گھسے۔

اور وہ وقت عصر کے بعد کا تھا.. آپ کی زوجہ محترمہ حضرت نائلہ آپ کے پاس بیٹھی تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے قرآن کھلا ہوا تھا اور آپ اس کی تلاوت کر رہے تھے اسی حالت میں ایک فسادی نے آگے بڑھ کر آپ کی ڈاڑھی مبارک کو پکڑ لیا اور سخت بدکلامی سے پیش آیا.. اس کے ہاتھ میں خنجر تھا وہ خنجر اس نے آپ کی پیشانی پر مارا۔ پیشانی سے خون کا فوارہ بہہ نکلا۔ خون سے آپ کی ڈاڑھی مبارک تر ہو گئی اس وقت آپ کی زبان مبارک سے نکلا۔

"......بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ......"

ترجمہ: "اللہ کے نام سے، اللہ ہی پر بھروسہ ہے۔"

ساتھ ہی آپ بائیں کروٹ گر گئے۔ قرآن مجید آپ کے سامنے کھلا ہوا تھا۔ آپ اس وقت سورۂ بقرہ کی تلاوت کر رہے تھے۔ پیشانی سے نکل کر خون ڈاڑھی تک آیا اور ڈاڑھی سے قرآن کریم پر بہنے لگا...... یہاں تک کہ اس آیت پر پہنچ کر رک گیا۔

﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾

اس آیت کا ترجمہ یہ ہے

"پس عنقریب اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے آپ کو بے نیاز کر دے گا اور وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔" (البقرۃ: ۱۳۷)

اب سب مل کر آپ پر ٹوٹ پڑے کنانہ بن بشر بن عتاب نے لوہے کی سلاخ ماری، سودان بن حمران نے تلوار کا وار کیا اور عمرو بن حمق نے سینے پر بیٹھ کر نیزے کے مسلسل کئی وار

کیے... اس کے ساتھ ہی آپ کی روح جسم مبارک سے جدا ہو گئی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

شہادت کے بعد......

آپ کی بیوی حضرت نائلہ نے آپ پر جھک کر سودان بن حمران کی تلوار کا وار اپنے ہاتھ پر روکا تو ان کی انگلیاں کٹ گئیں۔ اس کے بعد ان قاتلوں نے گھر میں لوٹ مار کی، جس کے ہاتھ جو چیز آئی اٹھائی اور چلتا بنا۔

یہ ہولناک سانحہ عصر اور مغرب کے درمیان جمعے کے روز ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو ہوا۔ باغیوں کی وجہ سے پورے شہر مدینہ میں خوف پھیل گیا تھا... ایک طرح سے پورا شہر ان بلوائیوں کے قبضے میں تھا... لوگوں نے اپنے گھروں کے دروازے بند کر لئے تھے۔ بلوائی شہر میں دندناتے پھر رہے تھے...

ان حالات میں سوال یہ پیدا ہوا کہ مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ، ذوالنورین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کفن دفن کا انتظام کیسے کیا جائے۔ مراکش سے لے کر کابل تک کا حکمران آج اس حالت میں بے گور و کفن پڑا تھا کہ کوئی اس کے کفن دفن کے لئے نہیں آیا تھا۔

رات کے وقت کچھ حضرات خاموشی سے آئے اور آپ کی نعش اٹھا کر باہر لے آئے...

یہاں تاریخی روایات میں بہت زیادہ اختلاف ہے... کچھ روایات کی رُو سے جنازے میں کل ۱۷ آدمی تھے... ابن سعد کی روایت ہے کہ جنازے میں کل چار افراد تھے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ حضرت جبیر بن مطعم حضرت حکیم بن حزام، حضرت ابوجہم بنؒ حذیفہ اور حضرت نیار بن مکرم اسلمی رضی اللہ عنہم۔ یہ حضرات آپ کا جنازہ جنت البقیع میں لائے۔ جنت البقیع کے پہلو میں ”حشِ کوکب“ نام کا ایک نخلستان تھا۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی ملکیت تھا اسی میں آپ کی قبر بنائی گئی اور جن کپڑوں میں آپ شہید کیے گئے تھے... ان ہی کپڑوں میں آپ کو دفن کیا گیا۔ جنازے کی نماز حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مدینہ منورہ آئے تو آپ نے ”حشِ کوکب“ کے درمیان جو دیوار تھی اسے گرا دیا۔ اس طرح ”حشِ کوکب“ بھی جنت البقیع میں شامل ہو گیا۔

شہادت کے وقت آپ کی عمر بیاسی (۸۲) سال تھی۔ آپ ۱۲ برس تک خلیفہ رہے۔ صحابہ کرام ان باغیوں کی وجہ سے اپنے گھروں میں بند تھے... انہیں فوری طور پر اس سانحہ کا پتا بھی نہ چل سکا۔ دراصل انہیں یہ اُمید نہیں تھی کہ نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی۔ جونہی صحابہ کو یہ ہولناک خبر ملی وہ رونے لگے، بے قرار ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ملی تو انہوں نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر فرمایا:

''اے اللہ! تو گواہ رہ، میں عثمان کے خون سے بری ہوں۔''

آپ نے یہ بھی فرمایا:

''حضرت عثمان کی شہادت سے میری کمر ٹوٹ گئی۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس وقت حج کے لئے گئی ہوئی تھیں... وہ حج کے بعد واپس آ رہی تھیں کہ اس سانحے کی اطلاع ملی انہوں نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! عثمان مظلوم قتل کیے گئے ہیں۔ میں ان کے قاتلوں سے بدلے کا مطالبہ کروں گی۔''

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ خبر سن کر فرمایا:

''اب اسلام میں اتنا بڑا شگاف پیدا ہو گیا ہے کہ پہاڑ بھی اسے بند نہیں کر سکتا۔''

ثمامہ بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا:

''امت محمدیہ کے خلافت نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔ اب ملوکیت اور زبردستی کی حکومت کا دور دورہ ہوگا۔ جو شخص جس چیز پر غالب آئے گا... اسے ہڑپ کر لے گا۔''

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدری صحابی ہیں آپ نے یہ خبر سن کر فرمایا:

''میں اب کبھی نہیں ہنسوں گا... اور تمام عمر فلاں فلاں کام نہیں کروں گا۔''

حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کو لوگوں نے بے تحاشہ روتے دیکھا۔

عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ خبر سن کر فرمایا:

''آج عرب تباہ ہو گیا۔''

حضرت زید بن صوحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''اب مسلمانوں کے دل قیامت تک ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے۔''

ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک صحابیہ ہیں انہوں نے فرمایا:

"اب مسلمانوں میں باہم خون خرابے کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔"

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"تم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کیا کیا ہے، حق یہ ہے کہ اس پر اُحد پہاڑ کو گر جانا چاہیے۔"

ابو مسلم خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ الفاظ فرمائے:

"قاتلین عثمان کا انجام وہی ہوگا... جو قوم ثمود کا ہوا تھا... کیونکہ خلیفہ کا قتل ایک اونٹنی کے قتل سے کہیں زیادہ بڑا گناہ ہے۔"

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے شاعر حضرات نے اپنے اشعار میں غم کا اظہار کیا۔ ان میں سے ایک شعر کا ترجمہ یہ ہے:

"عثمان دنیا کے سب سے زیادہ امن پسند تھے... تو کیا اب ان کے بعد بھی امت خیر کی امید کر سکتی ہے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پہلا نکاح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا۔ ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ یہ کم سنی ہی میں فوت ہوگیا تھا۔ اس کی نسبت سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد آپ کا نکاح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا۔ ان کا انتقال غزوہ بدر والے دن ہوا۔ چونکہ آپ کے نکاح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں آئیں اس لئے آپ کو ذوالنورین کا لقب ملا۔ ذوالنورین کا مطلب دو نوروں والے۔

ان کے بعد بھی آپ نے کچھ نکاح کئے... ان سے اولاد بھی ہوئی حضرت نائلہ بنت القرافصہ سے آپ نے سب سے آخر میں نکاح کیا... شہادت کے وقت یہی آپ کے ساتھ موجود تھیں۔ شہادت کے وقت ان کی بھی انگلیاں تلوار کے وار سے کٹ گئی تھیں۔ یہ بہت حسین تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ان سے نکاح کی خواہش ظاہر کی گئی، لیکن آپ نے انکار کر دیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں آپ کا کیا مقام تھا... اس بارے میں بخاری کی ایک روایت یہ ہے کہ:

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

''ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگوں کے درجات بیان کرتے تھے تو حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنھم کو ترتیب وار درجہ دیا کرتے تھے۔''

حضرت علامہ ذہبی نے حضرت عثمان کے فضائل ان الفاظ میں بیان کئے ہیں:

''حضرت عثمان ذوالنورین تھے۔ ان سے فرشتوں کو حیاء آتی تھی۔ انہوں نے ساری امت کو اختلافات پیدا ہو جانے کے بعد ایک قرآن پر جمع کیا۔ ان کے عہدے داروں نے مشرق میں خراسان اور مغرب میں اقصیٰ تک سب فتح کر ڈالا۔ وہ بالکل سچے اور کھرے تھے۔ راتوں کو جاگنے والے اور دن میں روزہ رکھنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں بے دریغ خرچ کرنے والے تھے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعے پر اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

''بیٹی! تیرا شوہر تو وہ ہے جس سے اللہ اور اس کا رسول دونوں محبت کرتے ہیں اور وہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرتے ہیں، کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ جب تم جنت داخل ہو تو دیکھو کہ وہاں تمہارے شوہر کا مکان سب لوگوں کے مکان سے اونچا ہے۔'' (البدایہ والنھایہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

''اے اللہ! عثمان تیری رضا کا طلب گار ہے تو اس سے راضی ہو جا۔''

ایک شخص کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض تھا جب وہ فوت ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

''یہ شخص عثمان سے بغض رکھتا تھا اس لئے میں اس کی نماز نہیں پڑھوں گا۔''

اللہ کی اُن پر کروڑ ہا رحمتیں نازل ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد تین دن تک خلافت کا منصب خالی

رہا... اس دوران لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی:

"آپ خلافت کا منصب قبول کریں۔"

لوگوں نے سخت اصرار کیا، لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھاری بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا۔ آخر کار جب مہاجرین اور انصار کا اصرار حد سے بڑھ گیا تب آپ نے مجبور ہو کر یہ بوجھ اٹھا لیا۔ چنانچہ ۲۱ ذی الحجہ ۳۵ ہجری کے دن مسجد نبوی میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست مبارک پر بیعت ہوئی۔

خلیفہ بننے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کا پتا چلانا اور انہیں سزا دینا تھا...... لیکن اس وقت مشکل یہ تھی کہ شہادت کے وقت صرف ان کی زوجہ محترمہ حضرت نائلہ موجود تھیں... اور وہ قاتلوں کو پہچانتی نہیں تھیں۔

یہاں یہ بات سمجھ لیں کہ تاریخ کی کتابوں میں قاتلوں کے نام لکھے ہیں، لیکن گواہی کی جو قانونی حیثیت ہے، اس سے وہ مجرم ثابت نہیں ہوتے تھے... مطلب یہ کہ قاتلوں کے خلاف گواہ کوئی نہیں تھا... اس لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں سزا دینے کے معاملے میں معذور تھے۔ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال تھا کہ یہ جو اتنا بڑا سانحہ ہوا ہے... یہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گورنروں اور دوسرے عہدے داروں کی بے احتیاطی سے ہوا ہے، چنانچہ خلیفہ بننے کے بعد آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کے عاملوں کو معزول کر دیا۔ عثمان بن حنیف کو بصرے کا گورنر مقرر فرمایا۔ عمار بن حسان کو کوفے کی حکومت سپرد کی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یمن کا امیر مقرر فرمایا اور سہیل بن حنیف کو شام کا گورنری کا فرمان دے کر روانہ کیا۔ سہیل تبوک کے مقام تک پہنچے تھے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فوجیوں نے انہیں روک لیا اور مدینہ واپس جانے پر مجبور کیا۔ یہ خبر سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اندازہ ہوا کہ ان کی خلافت لڑائی جھگڑوں سے خالی نہیں ہے۔

اب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا:

"مہاجرین اور انصار نے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے... ان سب نے اتفاق کر کے مجھے خلیفہ چن لیا ہے... اس لیے آپ بھی مجھے خلیفہ مان لیں۔"

اس کے جواب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے قاصد قبیصہ عبسی کے

ذریعے زبانی پیغام بھیجا۔ انہوں نے آ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی اور کہا:

''شام میں ساٹھ ہزار لوگ ایسے ہیں، جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خون آلود قمیص کو دیکھ کر روتے ہیں۔''

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''کیا وہ لوگ مجھ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہکے خون کا بدلہ طلب کرتے ہیں... اے اللہ! میں عثمان کے خون سے بری ہوں۔ عثمان کے قاتلوں سے اللہ سمجھے۔''

یہ کہہ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبیصہ کو واپس روانہ کر دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس جواب سے انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بیعت نہیں کریں گے۔

دوسری طرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئی ہی تھیں کہ راستے میں ان کے ایک عزیز مل گئے۔ ان سے مدینہ منورہ کے حالات پوچھے تو انہوں نے بتایا کہ... ''حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے... اور حضرت علی خلیفہ مقرر ہو گئے ہیں... اور وہاں فتنے کا بازار گرم ہے۔''

آپ نے یہ خبر سنی تو مکہ واپس لوٹ گئیں۔ لوگوں نے واپسی کی وجہ پوچھی تو فرمایا:

''عثمان مظلوم شہید کر دیئے گئے یہ فتنہ دبتا نظر نہیں آ رہا، اس لئے تم لوگ مظلوم خلیفہ کا خون رائیگاں نہ جانے دو... قاتلوں سے خون کا حساب لے کر اسلام کی عزت بچاؤ۔''

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ منورہ میں فتنہ وفساد کے آثار دیکھ کر حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اجازت لے کر مکہ آ گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان سے بھی وہاں کے حالات پوچھے۔ انہوں نے بھی وہی حالات بیان کئے۔ اس طرح تمام باتوں کی تصدیق ہو گئی۔

ادھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی پوری کوشش کے باوجود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں کا پتا چلانے میں کامیاب نہیں ہو رہے تھے... یہی وہ حالات تھے جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کے بدلے کا مطالبہ کیا۔ مکہ میں اپنے اردگرد موجود لوگوں کے درمیان آپ نے اعلان کرایا:

''ہم عثمان کے خون کا بدلہ لیں گے۔''

اس وقت مکہ معظمہ کے حاکم عبداللہ بن عامر حضرمی تھے۔ انہوں نے اور ان کے ساتھ مروان بن حکم اور سعید بن عاص وغیرہ نے نہایت پرجوش انداز میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ساتھ دینے کا اعلان کیا یہ حضرات بنی امیہ سے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی بنی امیہ سے تھے... اس طرح بنی امیہ کے لوگ ان کے گرد جمع ہونے لگے اور یہ ایک باقاعدہ تحریک بن گئی۔ ان حضرات نے مکہ سے بصرہ جانے کا پروگرام بنایا تاکہ وہاں کے لوگوں کو ساتھ ملایا جاسکے۔

ان حضرات کی ان تیاریوں کی خبریں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچیں تو آپ نے بھی بصرہ کا رُخ کیا..... تاکہ ان لوگوں سے پہلے وہاں پہنچ کر بیت المال کی حفاظت کریں..... اور عراق کے لوگوں کو اپنی وفاداری کے لئے تیار کرسکیں..... مدینہ منورہ کے لوگوں کو جب آپ کے اس ارادے کی خبر ہوئی تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے..... ان میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے..... یہ بہت بلند پایہ صحابی تھے..... غزوہ بدر میں شریک رہ چکے تھے..... انہوں نے مدینہ منورہ کے ساتھیوں کی طرف سے عرض کیا:

"آپ کا مدینہ منورہ چھوڑ کر جانا کسی طرح بھی مناسب نہیں... حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں کتنی بڑی بڑی جنگیں پیش آئیں، لیکن انہوں نے کبھی مدینہ منورہ سے باہر قدم نہیں رکھا۔ یہ ٹھیک ہے، اس وقت حضرت خالد، ابوعبیدہ، سعد بن وقاص اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے صحابہ کرام نے شام اور ایران کو فتح کر ڈالا تھا، لیکن اس وقت بھی جانبازوں کی کمی نہیں، لہٰذا آپ یہیں رہیں۔"

ان کی اس بات کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"عراق اس وقت مسلمانوں کی بہت بڑی نوآبادی ہے۔ وہاں کے بیت المال بھی مال و زر سے پر ہیں اس لئے میرا وہاں موجود رہنا ضروری ہے۔"

اس کے بعد آپ نے مدینہ منورہ میں عام اعلان کر دیا کہ لوگ عراق کے سفر کے لئے تیار ہو جائیں بعض بڑے صحابہ کے علاوہ باقی لوگ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوگئے... حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں لیے مدینہ منورہ سے نکلے۔ ابھی ذی قار تک پہنچے تھے کہ خبر ملی... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور مکہ کے دوسرے لوگوں کے ساتھ بصرہ پہنچ گئی ہیں... قبیلہ بنو سعد کے علاوہ وہاں کے تمام لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہیں رک گئے۔ آپ نے حضرت حسن اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کوفہ روانہ فرمایا..... تاکہ وہاں کے لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حمایت پر تیار کریں۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ پہنچ کر وہاں کی مسجد میں لوگوں کے سامنے تقریر کی اور انہیں حضرت علی کا ساتھ دینے کے لئے کہا... حجر بن عدی کندی کوفہ کے بڑے آدمی تھے بہت بااثر تھے۔ انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تائید کی اور کہا:

''لوگو! امیر المومنین نے خود اپنے صاحبزادے کو بھیج کر تمہیں دعوت دی ہے۔ اس دعوت کو قبول کرو... اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ دے کر فتنے کی آگ کو بجھا دو۔ میں بھی ان کے ساتھ ہوں۔''

اس طرح حضرت حسن اور حجر بن عدی کندی کی تقریروں سے لوگوں میں جوش پیدا ہو گیا ان کے گرد تقریباً ۹ ہزار مسلمان جمع ہو گئے یہ انہیں لے کر روانہ ہوئے اور ذی قار پہنچ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فوج میں شامل ہو گئے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اب اپنی فوج کو نئے سرے سے ترتیب دیا اور بصرہ کی طرف کوچ فرمایا۔

جنگ جمل

اس وقت بصرہ کا حال یہ تھا کہ وہاں تین گروہ تھے۔ ایک غیر جانب دار گروہ تھا... یعنی نہ وہ اِدھر تھا، نہ اُدھر، دوسرا گروہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طرف دار تھا...... اور تیسرا حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ کا حامی تھا۔

خانہ جنگی کی تیاریوں کو دیکھ کر پہلے گروہ نے بہت کوشش کی کہ مسلمان آپس میں نہ لڑیں.. تمام نیک نیت لوگ یہی چاہتے تھے... خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی یہی چاہتے تھے کہ جنگ نہ ہو اور آپس کے یہ اختلافات دور ہو جائیں۔

جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے نزدیک پہنچ گئے تو سب نیک لوگوں نے صلح پر زور دیا۔

..آخر صلح کی بات چیت شروع ہوئی... دونوں طرف کے لوگوں کی یہ عین خواہش تھی کہ جنگ نہ ہو... آپس کے اختلافات بات چیت کے ذریعے طے ہو جائیں... صلح کی بات چیت جاری تھی اور زبردست امید ہو چلی تھی کہ تمام معاملات طے ہو جائیں گے... صلح ہو جائے گی... کہ رات ہوگئی اور طے پایا کہ باقی بات چیت صبح ہو جائے گی... چنانچہ دونوں فریق اپنے اپنے پڑاؤ میں چلے گئے... سب آرام اور چین کی نیند سو گئے۔

اب ہوا یہ کہ دونوں طرف کچھ ایسے لوگ شامل تھے جو چاہتے تھے، کسی قیمت پر صلح نہ ہو... کیونکہ صلح ہو جانے کی صورت میں ان کی خیر نہیں تھی... اور ظاہر ہے... یہ لوگ وہی بلوائی تھے ... جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کو چالیس دن تک گھیرے رکھا تھا اور انہی میں سے کچھ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا تھا، اب ظاہر ہے صلح ہونے کی صورت میں وہ پکڑے جاتے، کیونکہ اس طرح سکون کے ساتھ تحقیقات کرنے کی مہلت مل جاتی... اور ان کی نشاندہی ہو جاتی... پھر ظاہر ہے... انہیں قتل کے جرم میں قتل کر دیا جاتا... وہ بھلا یہ کیسے پسند کر سکتے تھے... عبداللہ بن سبا کے لوگ بھی دونوں طرف موجود تھے... وہ تو تھے ہی سازشی لوگ... مسلمانوں کو آپس میں لڑانا ہی ان کا مقصد تھا اور سچ تو یہ ہے کہ یہ مقصد آج تک کارفرما چلا آرہا ہے... آج بھی دشمن طاقتیں مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی کوششوں میں دن رات ایک کرتی رہتی ہیں... ایسے لوگوں نے رات کے وقت اچانک حضرت عائشہ کی فوج پر حملہ کر دیا... حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے ساتھی یہ سمجھے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فوج نے انہیں دھوکہ دیا ہے۔ بس اس طرح دونوں فریقوں میں جنگ شروع ہوگئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے اونٹ پر سوار ہوئیں...... تاکہ فوج کو روک سکیں...... حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنی فوج کو روکنے کے لئے پورا زور لگایا... لیکن جنگ تو چھڑ گئی تھی، پھر جلد نہ رک سکی... حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھیوں نے انھیں اونٹ پر سوار دیکھ کر خیال کیا کہ آپ جنگ پر آمادہ ہیں، لہٰذا وہ اور زیادہ جوش و خروش سے لڑنے لگے۔ ان کی فوج میں محمد بن طلحہ سواروں کے افسر تھے۔ عبداللہ بن زبیر پیدل فوج کے افسر تھے اور مجموعی طور پر پوری فوج کی قیادت حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کر رہے تھے۔

جنگ کے دوران حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا۔ حضرت زبیر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا:

''اے ابو عبداللہ! تمہیں وہ دن یاد ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے پوچھا تھا کہ...... ''کیا تم علی کو دوست رکھتے ہو......؟'' تو تم نے عرض کیا تھا...... ''اے اللہ کے رسول! ہاں! میں علی کو دوست رکھتا ہوں......'' یاد کرو، اس وقت تم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ...... ''ایک دن تم اس سے ناحق لڑو گے۔'' (مستدرک للحاکم: ۳۶۶/۳)

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً کہا۔

''ہاں! مجھے یاد آ گیا...''

یہ کہہ کر حضرت زبیر لڑائی سے الگ ہو گئے، انہوں نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ سے فرمایا:

''اے پیارے بیٹے! علی نے مجھے ایسی بات یاد دلا دی ہے کہ جنگ کا تمام جوش ختم ہو گیا ہے بے شک ہم حق پر نہیں ہیں... لہٰذا تم بھی جنگ سے باز آ جاؤ... اور میرے ساتھ چلو۔''

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عرض کیا:

''میں تو میدانِ جنگ سے نہیں ہٹوں گا۔''

اس پر وہ اکیلے ہی میدان جنگ سے نکل آئے... اور بصرے کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جاتے دیکھا تو ان کا ارادہ بھی بدل گیا اور وہ بھی میدان جنگ سے نکل آئے... ایسے میں ان کے پاؤں میں ایک تیر آ کر لگا... زخمی حالت ہی میں یہ وہاں سے نکل آئے... تاہم اسی زخم سے آپ کی شہادت ہوئی۔

اس موقعے پر میدانِ جنگ میں عبداللہ بن سبا کے ساتھیوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں گستاخی کرنے کی کئی بار کوشش کی، لیکن آپ کے ساتھ جو جاں نثار تھے وہ انہیں منہ توڑ جواب دیتے رہے... وہ لوگ آپ کو گرفتار کرنا چاہتے تھے، لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جاں نثاران کے لئے رکاوٹ بن گئے اور ان کی ایک نہ چلنے دی۔ ان کی لاشوں پر لاشیں گر رہی تھیں... لیکن وہ آپ کی حفاظت سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹ رہے تھے۔ ان کی بہادری نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی حیرت زدہ کر دیا... ادھر حضرت علی اس بات سے پریشان تھے کہ ان کی جاں نثاری کی وجہ سے جنگ طول پکڑتی جا رہی ہے... اور فریقین کا زیادہ نقصان ہو رہا ہے... یہی حالت رہی تو نہ جانے نقصان کہاں تک

پہنچے۔ حالت یہ تھی کہ ایک گرتا تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اونٹ کی نکیل دوسرا پکڑ لیتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے اونٹ کی نکیل پکڑی وہ زخمی ہوئے تو فوراً ایک اور نے پکڑ لی وہ بھی زخمی ہوئے تو ایک اور نے پکڑ لی... اس طرح یکے بعد دیگرے ۷۰ آدمیوں نے اپنے آپ کو قربان کر دیا۔ (تاریخ طبری: ۳۱۸/۹، مستدرک للحاکم: ۳۶۶/۳)

بصرہ کا شہسوار عمرو بن بجرہ اس قدر جوش سے لڑ رہا تھا کہ جو اس کے سامنے آیا کٹ گیا۔ اس طرح بنوضبہ شجاعت کے جوہر دکھا رہا تھا۔

یہ حالات دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوچا، جب تک اونٹ کو بٹھایا نہیں جائے گا، اس وقت تک خون ریزی نہیں رکے گی۔ اس لئے آپ کے اشارے پر ایک شخص نے پیچھے سے جا کر اونٹ پر وار کیا۔ اونٹ زخمی ہو کر بیٹھ گیا اونٹ کے بیٹھتے ہی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فوج ہمت ہار گئی۔ جنگ کا فیصلہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ہو گیا... حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت اعلان فرمایا:

''بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمیوں پر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں اور مال غنیمت نہ لوٹا جائے... جو ہتھیار ڈال دیں انہیں امن ہے۔''

اس اعلان کے بعد آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور ان کی مزاج پرسی کی۔ انہیں چند دن بصرے میں آرام و آسائش سے ٹھہرایا۔ پھر ان کے بھائی محمد بن ابی بکر کے ساتھ مدینہ منورہ بھیج دیا۔ بصرے کی چالیس معزز عورتیں ان کے ساتھ گئیں۔ رخصت کرتے وقت چند میل تک ساتھ گئے۔ ایک منزل تک اپنے صاحب زادوں کو ساتھ بھیجا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رخصت ہوتے وقت فرمایا:

''میرے بچو! ہماری آپس کی کشمکش صرف غلط فہمی کا نتیجہ تھی، ورنہ مجھ میں اور علی میں پہلے کوئی جھگڑا نہیں تھا۔''

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کی تائید کی... اور فرمایا:

''یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمِ محترم اور ہماری ماں ہیں۔ ان کی تعظیم اور توقیر ضروری ہے۔''

اس طرح رجب کی پہلی تاریخ ۳۶ ہجری کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ چونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس جنگ میں

اونٹ پر سوار تھیں اس لئے یہ جنگ ''جنگِ جمل'' کہلائی۔

جنگِ صفین

بصرے میں چند روز قیام کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفے کی طرف کوچ کیا۔ ۱۲ رجب ۳۶ ہجری کو شہر میں داخل ہوئے۔ کوفے کے لوگوں نے وہاں واقع ایک محل میں آپ کی مہمان نوازی کا سامان کر رکھا تھا، لیکن آپ آخر زاہد تھے، اس میں ٹھہرنے سے انکار کر دیا اور ارشاد فرمایا:

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان عالی شان محلات کو حقارت کی نظر سے دیکھا ہے، مجھے بھی ان کی ضرورت نہیں۔ میدان میرے لئے کافی ہے۔''

چنانچہ میدان میں قیام فرمایا۔ مسجدِ اعظم میں دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ جمعے کے روز خطبہ دیا۔ اس میں لوگوں کو پرہیزگاری کی ہدایت فرمائی۔

اس طرح جنگِ جمل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ چھوڑ کر کوفے میں مستقل رہائش اختیار فرمائی اور دارالحکومت حجاز سے عراق میں منتقل ہو گیا۔

تاریخ کی کتابوں میں اس کی بہت سی وجوہات آئی ہیں... ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے حرمِ نبوی کی بہت توہین ہوئی تھی... شاید یہی وجہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیاسی مرکز کو تبدیل کر دیا۔ دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس وقت کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامی اور طرف بڑی تعداد میں موجود تھے...

کوفہ آنے کے بعد آپ نے ملک کے نظم و نسق کی طرف توجہ دی... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا۔ اسی طرح دوسرے علاقوں پر اپنے امیر مقرر فرمائے۔ جزیرہ موصل پر اشتر نخعی کو مقرر کیا۔ یہ علاقہ شام کے ساتھ تھا۔ اشتر نے آگے بڑھ کر شام کے کچھ علاقوں پر قبضہ کر لیا، لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عامل ضحاک بن قیس نے اس کا مقابلہ کیا اور وہ علاقے اس سے واپس لے لئے۔ اشتر پھر موصل چلا گیا۔ تاہم اس نے شامی فوجوں سے چھیڑ چھاڑ جاری رکھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کی خلافت کو

تسلیم نہیں کریں گے تاہم آپ نے حجت پوری کرنے کی خاطر انہیں ایک بار پھر صلح کی دعوت دی۔ اس غرض کے لیے آپ نے جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو قاصد بنا کر بھیجا۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ جس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے، وہاں اس وقت شام کے بڑے بڑے امیر جمع تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خط خود پڑھا، پھر تمام حاضرین کو پڑھ کر سنایا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

> ''تم اور تمہارے زیر اثر جس قدر مسلمان ہیں، ان سب پر میری بیعت لازم ہے کیونکہ مہاجرین اور انصار نے عام اتفاق سے مجھے خلیفہ چنا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی انہوں نے خلیفہ چنا تھا۔ اس لئے جو شخص اس بیعت سے انکار کرے گا، اس سے جبراً بیعت لی جائے گی۔ پس تم مہاجرین اور انصار کی پیروی کرو۔ یہی سب سے بہتر طریقہ ہے۔ ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ تم نے عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی آڑ میں بیعت سے انکار کیا ہے، اگر تم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے انتقام لینے کے لیے پُر جوش ہو تو میری اطاعت قبول کرو۔ اس کے بعد باضابطہ اس مقدمے کو پیش کرو۔ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس خط کے جواب میں لکھا:

> ''آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دیں.. اس صورت میں میں اور تمام اہل شام خوشی سے آپ کی بیعت کر لیں گے... فضل و کمال کے لحاظ سے آپ ہی خلافت کے حق دار ہیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس خط کا جواب دوسرے روز دینے کا وعدہ فرمایا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا خط ابو مسلم لائے تھے... وہ دوسری صبح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہاں اس وقت دس ہزار مسلح آدمی موجود تھے۔ ابو مسلم کو دیکھتے ہی سب ایک آواز ہو کر بولے:

> ''ہم عثمان کے قاتل ہیں۔''

حضرت ابو مسلم کو حیرت ہوئی... حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس موقعے پر فرمایا:

> ''آپ اسی سے اندازہ لگا لیں کہ حالات کیا ہیں۔''

اس کے بعد آپ نے حضرت امیر معاویہ کے نام خط لکھوایا... اس خط میں تھا:

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں میری کوئی شرکت نہیں تھی لہٰذا آپ بیعت کر لیں... اس کے بعد ہم قاتلوں کے خلاف کاروائی کریں گے۔"

صلح کی تمام کوششیں ناکام ہوئیں... حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آخر کار شام کے خلاف لشکر کشی کا فیصلہ کیا۔ آپ تقریباً ۸۰ ہزار کے لشکر کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ دریائے فرات کو عبور کر کے شام کی سرحد تک جا پہنچے۔ اس مقام پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابوالدعور سلمی مقرر تھے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہراول دستے کو روکا۔ دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا... اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مزید لشکر وہاں پہنچ گیا۔ ابوالدعور نے محسوس کر لیا کہ ان کے پاس اتنی فوج نہیں کہ مقابلہ جاری رکھ سکیں، چنانچہ رات کی تاریکی میں اپنی فوج کو لیے پیچھے ہٹ گئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی۔ یہ اطلاع ملنے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اپنی فوج لے کر روانہ ہوئے اور صفین کے مقام پر پہنچ کر ڈیرے ڈال دیئے اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

اب اس مقام پر پھر وہی کیفیت پیدا ہو گئی، دونوں فریق چاہتے تھے، جنگ نہ ہو... لہٰذا صلح کی کوشش شروع ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک بار پھر صلح کے لیے ایک وفد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ دونوں طرف صحابہ کرام ﷺ موجود تھے۔ ان میں حافظِ قرآن اور عالم بھی تھے۔ ان سب نے پوری پوری کوشش کی کہ صلح ہو جائے... لیکن یہاں پھر وہی مسئلہ تھا... سبائی گروہ کب صلح کو پسند کرتا تھا... اس کی پوری پوری کوشش تھی کہ جنگ ضرور ہو...۔

یہ کوششیں تین ماہ تک جاری رہیں۔ ان تین ماہ میں ان شر پسندوں نے، ان مفسدوں نے پچاسی مرتبہ جنگ چھیڑنے کی کوشش کی، لیکن یہ جو بزرگ صحابہ تھے... علماء اور فضلا تھے... وہ ہر بار درمیان میں پڑ کر جنگ کو ٹالتے رہے، ٹالنے کی پوری کوشش کرتے رہے... آخر کیوں کوشش نہ کرتے، دونوں طرف مسلمان تھے... ان کے اندر دونوں طرف ایسا طبقہ موجود تھا جو صلح کی کوششوں کو ناکام بنانے پر تلا ہوا تھا۔ ان کی سازشیں مسلسل جاری تھیں۔

دونوں طرف مؤقف میدانِ جنگ میں بھی وہی رہا... حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے مخلصین ساتھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے مخلص ساتھیوں سے یہ کہتے تھے:

''تم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنا چاہتے ہو... کیا وہ خلافت کے تم سے زیادہ حق دار نہیں ہیں...؟'' جواب میں حضرت امیر معاویہ کی طرف سے کہا جاتا: ''ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خونِ ناحق کے لئے میدان میں آئے ہیں... یعنی قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دیں تو یہ جنگ ابھی ٹل سکتی ہے۔''

غرض اسی طرح صلح کی ہر کوشش ناکام بنا دی گئی۔ رجب سے لے کر محرم ۳۷ ہجری کے آخر تک دونوں لشکر اسی طرح پڑے رہے... پھر جونہی صفر کا مہینہ شروع ہوا، جنگ پھر چھڑ گئی اور اس قدر خون ریز لڑائیاں ہوئیں کہ ہزاروں افراد دونوں طرف کے شہید ہو گئے... اس کے باوجود اس خانہ جنگی کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ان حالات سے بہت تنگ آ چکے تھے... تھک کر انہوں نے فیصلہ کن جنگ کا ارادہ کر لیا۔ اپنی فوج کے سامنے ایک تقریر کی۔ اس طرح ان کی فوج میں جوش پیدا ہو گیا۔ اب دونوں فوجوں میں زبردست جنگ شروع ہوئی۔ اس جنگ کا سلسلہ چند دنوں تک جاری رہا... یہاں تک کہ جمعے کے روز بہت زبردست جنگ ہوئی۔ صبح سے جنگ شروع ہوئی تو رات تک نہ رک سکی... دوسری صبح تک جاری رہی... زمین اس جنگ سے کانپ رہی تھی... شاید اس لیے کہ دونوں طرف سے مسلمان شہید ہو رہے تھے... دشمنوں کی لگائی ہوئی آگ میں مسلمان کٹ کٹ کر گر رہے تھے... اور شرپسند اس آگ کے لگنے پر بغلیں بجا رہے تھے... دل ہی دل میں خوش ہو رہے تھے... آخر وہ مسلمانوں کو لڑانے میں کامیاب ہو گئے۔ دوسری صبح شہید ہونے والوں کی نعشیں اور زخمیوں کو اٹھانے کے لیے جنگ روک دی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک بار پھر اپنی فوج کے سامنے پرجوش تقریر کی۔

دوسری طرف عمرو بن العاص نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

> ''اگر مسلمان آپس میں اسی طرح لڑتے رہے تو سارا عرب ویران ہو جائے گا... پھر ہم رومیوں کے رحم کرم پر ہوں گے، کیونکہ ہماری طاقت ختم ہو چکی ہوگی...''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بڑے بڑے ساتھیوں نے بھی عمرو بن العاص کے خیالات کی تائید کی۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا۔

خط کے الفاظ یہ تھے:

"اگر ہمیں اور آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ جنگ اس قدر طول پکڑ جائے گی تو شاید ہم دونوں اسے ہرگز پسند نہ کرتے، بہرحال اب ہمیں اس تباہ کن جنگ کو روک دینا چاہیے... ہم لوگ بنی عبد مناف ہیں، اس لئے صلح ایسی ہو کہ دونوں کی عزت و آبرو برقرار رہے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس خط کے جواب میں صلح کرنے سے انکار کر دیا اور دوسری صبح اپنی فوج کے ساتھ میدان میں آ گئے... لیکن دوسری طرف جنگ بند کر دینے کا فیصلہ کیا جا چکا تھا۔ اس وقت حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے تدبیر کی... انہوں نے پانچ ساتھیوں کو نیزوں پر قرآن اٹھا کر آگے چلنے کا حکم دیا۔ یہ پانچ ساتھی نیزوں پر قرآن اُٹھائے جب سامنے آئے تو اور جتنے لوگوں کے پاس قرآن تھے... ان سب نے بھی اپنے اپنے نیزوں پر قرآن کو اٹھا لیا۔ اگلے چند افراد نے اعلان کرنے کے انداز میں کہا:

> "اللہ تعالیٰ ہم سب کو رومیوں اور ایرانیوں کے ہاتھوں سے بچائے... اگر جنگ اسی طرح جاری رہی تو ضرور ہم فنا ہو جائیں گے... یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے... یہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔ یہ ہمارے اور تمہارے درمیان حَکم ہے۔" (یعنی یہ فیصلہ کرے گی)

اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں بھی یہ آواز بلند ہوئی کہ ٹھیک ہے... قرآن سے فیصلہ ہونا چاہیے... اور اگر اس فیصلے کو نہ مانا گیا... تو فوج سے الگ ہو جائیں گے... اس موقعے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک وفادار اشعث بن قیس نے کہا:

"اے امیر المومنین! میں جس طرح کل آپ کا جانثار تھا، اسی طرح آج بھی ہوں، لیکن میری بھی یہی رائے ہے کہ قرآن حکیم کا حکم مان لینا چاہیے"۔

آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ بند کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس طرح جنگ رُک گئی۔

اب دونوں فریقوں میں بات چیت شروع ہوئی۔ یہ بات چیت خطوط کے ذریعے ہوئی... پھر دونوں طرف کے عالم فاضل لوگ جمع ہوئے۔ آخر طے پایا کہ خلافت کا مسئلہ حل کرنے کے لئے دو حَکم مقرر کر دیئے جائیں۔ وہ جو فیصلہ کریں، اس پر عمل کیا جائے۔ شامیوں کی طرف سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا نام تجویز کیا گیا۔ حضرت علی کی طرف سے اشعث بن قیس نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام لیا، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا نام تجویز کیا، اس پر کچھ لوگوں نے کہا:

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور آپ تو ایک ہی ہیں، حَکم تو غیر جانب دار ہونے چاہئیں۔''

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشتر کا نام لیا... اس پر اعتراض کیا گیا اور کہا گیا...

''جنگ کی آگ تو بھڑکائی ہی اشتر نے ہے، یہ تو آخر وقت تک جنگ جاری رکھنے کے حق میں تھا، اسے کس طرح حَکم مقرر کیا جا سکتا ہے۔''

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ٹھیک ہے... تم جسے چاہو حَکم مقرر کر دو... مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا... وہ اس جنگ سے بیزار ہو کر شام کے ایک گاؤں میں چلے گئے تھے... اس طرح دونوں طرف کے حَکم ایک جگہ جمع ہوئے... اور ایک معاہدہ لکھا گیا۔ اس معاہدے کے الفاظ یہ تھے:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان دونوں کے طرف دار آپس میں رضا مندی سے یہ عہد کرتے ہیں کہ دونوں حَکم یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ قرآن و سنت کے مطابق جو فیصلہ کریں گے، اس کو تسلیم کرتے ہیں، انہیں کوئی پس و پیش نہیں ہوگا۔ اس لیے دونوں فریق کے لیے ضروری ہے کہ کسی حالت میں اس فیصلے سے انکار نہ کریں... ہاں اگر فیصلہ قرآن اور سنت کے خلاف ہوگا تو اس کو تسلیم نہیں کیا جائے گا... اس صورت میں فریقین کو اختیار ہوگا کہ پھر جنگ شروع کر دیں۔''

یہ معاہدہ ۲۳ صفر ہجری کو لکھا گیا۔ اشعث بن قیس کو اس کام پر مامور کیا گیا کہ وہ تمام قبیلوں کے سرداروں سے اس پر دستخط کرائیں۔ اشعث بن قیس نے یہ کام شروع کیا... وہ سرداروں کے ہاں جا جا کر معاہدہ سنا سنا کر دستخط کروانے لگے... حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں بہت سے لوگوں نے اس معاہدے کو ناپسند کیا اور انہوں نے دستخط سے انکار کیا...

یہاں تک کہ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے فرمایا:

''ہمیں یہ معاہدہ منظور نہیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بات نہیں سنی... اس پر وہ لوگ ناراض ہو گئے... اس سارے معاملے سے الگ ہو گئے... اس طرح ان کا ایک الگ فرقہ بن گیا... یہ فرقہ خارجی کہلایا

اس کا ذکر آگے آئے گا۔

دونوں حکموں کے اجلاس کے لیے ایک مقام دومۃ الجندل مقرر کیا گیا۔ یہ مقام عراق اور شام کے درمیان واقع ہے۔ ان دونوں حکموں کے ساتھ چار چار سو آدمی تھے۔ یعنی چار سو آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے حکم حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ فرمائے اور چار سو آدمی ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے حکم حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ فرمائے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو چار سو آدمی روانہ کیے گئے۔ ان کے افسر "شریح بن ہانی" تھے۔

کچھ بزرگ صحابہ ایسے تھے جو اس جنگ سے بالکل الگ رہے تھے اب جب کہ انہوں نے سنا کہ دونوں طرف سے صلح کی کوشش ہو رہی ہے اور اس غرض کے لیے حکم مقرر کیے گئے ہیں، تو وہ بھی اس موقعے پر دومۃ الجندل پہنچ گئے۔ ان صحابہ کرام کے نام حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم ہیں۔

ان میں سے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اس قسم کے معاملات میں بہت سوجھ بوجھ رکھتے تھے۔ انہوں نے دونوں حکموں سے الگ الگ ملاقات کی... اس طرح ان کے خیالات معلوم کر کے اندازہ لگا لیا کہ اس طرح بھی کوئی خوش گوار نتیجہ نکلنے کی امید نہیں ہے۔ انہوں نے اپنا یہ خیال دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتا بھی دیا۔

ادھر دونوں حکم ایک جگہ مل بیٹھے۔ ان کی آپس میں بات چیت شروع ہوئی۔ کافی دیر کی بات چیت کے بعد آخر دونوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کر دیا جائے اور مسلمان نئے سرے سے اپنا خلیفہ منتخب کریں... دونوں یہ فیصلہ کر کے مسلمانوں کے درمیان واپس آئے۔ مسجد میں دونوں کو جمع کیا گیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا:

"آپ منبر پر آ کر فیصلہ سنا دیں۔"

اس پر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا:

"آپ فضل اور کمال میں ہمارے بزرگ ہیں، لہٰذا آپ کے مقابلے میں میں پہل کیسے کر سکتا ہوں... پہلے آپ منبر پر آئیں اور فیصلہ سنائیں۔"

چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ منبر پر آئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

"صاحبو! ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کرتے ہیں... مجلس شوریٰ پھر سے خلیفہ کا انتخاب کرے۔"

اب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی باری آئی۔

واقعۂ شہادت

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔ پھر فرمایا:

"ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جو بات کہی، وہ تم نے سن لی ہے... انہوں نے اپنے امیر کو معزول کر دیا ہے... اور میں نے بھی انہیں معزول کر دیا ہے... میں اپنا امیر معاویہ کو قائم کرتا ہوں۔ بلاشبہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مددگار اور ان کے خون کے بدلے کا مطالبہ کرنے والے ہیں۔ وہ سب لوگوں سے زیادہ ان کی جگہ پر کھڑے ہونے کے حق دار ہیں۔"

دراصل حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے صاف طور پر محسوس کر لیا تھا کہ اگر اس وقت لوگوں کو بغیر امیر کے چھوڑ دیا گیا تو اس سے بھی زیادہ طویل اختلافات پڑ جائیں گے... بس آپ نے اس مصلحت کو دیکھ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قائم رکھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس فیصلے کو ناپسند فرمایا... اور دوبارہ فوج کو تیار کرنے لگے تھے کہ خارجیوں کی بغاوت کے بارے میں علم ہوا۔

خارجیوں کا مختصر سا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے... یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حکم مقرر کرنے کو پسند نہیں کیا تھا اور جب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو حکم مقرر کیا گیا تو یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے الگ ہو کر وہاں سے چلے گئے۔ ان کی تعداد بارہ ہزار کے قریب بتائی جاتی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ دین کے معاملات میں کسی کو بھی حکم مقرر نہیں کیا جا سکتا اور ایسا کرنا کفر ہے۔

اب انہوں نے دوسرے لوگوں سے پوچھنا شروع کیا کہ وہ حکم مقرر کرنے کو کفر مانتے ہیں یا نہیں۔ جس نے ان کی بات سے اتفاق کیا، اسے انہوں نے زندہ چھوڑ دیا اور جس نے اختلاف کیا، اسے قتل کرایا... اس طرح ان لوگوں نے کچھ لوگوں کو قتل کر دیا۔ جب یہ خبریں حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچیں تو آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بجائے ان

لوگوں سے جنگ کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ چنانچہ پہلے ایک قاصد خارجیوں کی طرف بھیجا.. ان لوگوں نے آپ کے اس قاصد کو بھی قتل کر دیا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوری طور پر ان کا رُخ کیا اور نہروان کے مقام پر پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ اس جگہ آپ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو خارجیوں کے پاس بھیجا.. تاکہ وہ ان سے بات چیت کر کے انہیں سمجھانے کی کوشش کریں۔ خارجیوں نے ان کی بات بھی نہ سنی.. اب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف سے ایک شخص کو بلایا، تاکہ خود بات کریں۔ اس طرح جو شخص آیا، اس کا نام ابن الکوا تھا۔ آپ نے اسے سمجھانے کی پوری کوشش کی، لیکن ان کے دل سیاہ ہو چکے تھے... سمجھانے کی ہر کوشش ناکام رہی۔ آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوج کو تیاری کا حکم دیا...

خارجیوں کا سردار عبداللہ بن وہب راسبی تھا.. آخر جنگ شروع ہوئی۔ بہت خوف ناک جنگ لڑی گئی.. خارجیوں میں سے بہت سے لوگ جنگ سے جان بچانے کے لئے پہلے ہی میدان سے نکل گئے تھے.... اس طرح عبداللہ بن وہب راسبی کے ساتھ صرف چار ہزار آدمی رہ گئے تھے... تاہم یہ چار ہزار میدانِ جنگ میں ڈٹے رہے... یہاں تک کہ ایک ایک کر کے سب کے سب قتل کر دیے گئے... میدان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ رہا۔

جنگ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ قتل ہونے والوں میں سے کسی کی تلاش کرنے لگے.. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے بارے میں آپ سے پیش گوئی فرمائی تھی... یعنی ان لوگوں کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے کے بارے میں فرمایا تھا اور ان کے درمیان قتل ہونے والے ایک شخص کا مکمل حلیہ بیان فرمایا تھا.. تو اس وقت حضرت علی دراصل اس حلیے والے اس شخص کو تلاش کر رہے تھے.. اور آخر آپ کو وہ شخص لاشوں کے درمیان مل گیا.. اس کا حلیہ بالکل وہی تھا جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا ...یہ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ پکار اُٹھے...

''اللہ اکبر! اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے بالکل درست فرمایا تھا۔''

اس جنگ کا نام جنگ نہروان ہے۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر شام پر چڑھائی کرنے کا ارادہ فرمایا.. لیکن اس موقعے پر اشعث بن قیس نے کہا:

''امیر المومنین! ہمارے ترکش خالی ہو گئے، تلواروں کی دھاریں مڑ گئیں، نیزوں کے

پھل خراب ہو گئے، اس لیے جنگ سے پہلے ہمیں تیاری کرنے کی مہلت دیں۔ آپ نے انہیں مہلت دی اور نخیلہ کے مقام پر پڑاؤ کیا... آپ کے ہمراہی جنگ سے تنگ آ چکے تھے... لہٰذا رات کی تاریکی میں کھسکنے لگے... یہاں تک کہ آپ کے اردگرد صرف ایک ہزار افراد رہ گئے ...یہ حالت دیکھ کر آپ نے شام پر چڑھائی کا ارادہ ترک کر دیا... اور واپس کوفہ چلے آئے۔

اس کے بعد آپ کی زندگی کے دن بغاوتوں کے خلاف کوششوں میں بسر ہوتے رہے۔ دوسری طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی طاقت بڑھانے میں کامیاب ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آ گیا... اس کی تفصیل یہ ہے کہ نہروان کی جنگ کے بعد چند خارجی حج کے موقعے پر جمع ہوئے۔ انہوں نے اس وقت کے حالات پر بات چیت شروع کی۔ کافی دیر کی بحث کے بعد انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ جب تک تین آدمی دنیا میں موجود ہیں، اسلامی دنیا کو خانہ جنگیوں سے نجات نہیں مل سکے گی... اور وہ تین آدمی یہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس پر ان میں سے تین آدمی ان تینوں حضرات کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

عبدالرحمٰن بن ملجم نے کہا:

"میں حضرت علی ؓ کے قتل کا ذمہ لیتا ہوں۔"

نزال نامی شخص نے کہا:

"میں حضرت معاویہ ؓ کو قتل کروں گا۔"

تیسرے شخص عبداللہ نے حضرت عمرو بن عاص ؓ کو قتل کرنے کی ذمے داری لی۔ تینوں اپنی اپنی مہم پر روانہ ہوئے۔

رمضان ۴۰ ہجری میں تینوں نے ایک ہی روز صبح کے وقت ان تینوں حضرات پر حملہ کرنے کا پروگرام ترتیب دیا۔ حضرت امیر معاویہ ؓ اور حضرت عمرو بن عاص ؓ اتفاقی طور پر بچ گئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر وار اوچھا پڑا۔ حضرت عمرو بن عاص ؓ اس روز امامت کے لیے آئے ہی نہیں۔ ان کی جگہ نماز پڑھانے کے لئے کوئی اور آیا اور ان کی جگہ مارا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی کے دن پورے ہو چکے تھے... آپ مسجد میں تشریف لائے۔ ابن ملجم پہلے ہی آ کر مسجد میں لیٹ گیا تھا۔ آپ نے اُٹھا دیا۔ جب آپ نے نماز شروع کی تو اسی حالت میں اس بدبخت اور سنگ دل شخص نے تلوار کا وار کیا، وار سر پر لگا۔ ابن ملجم کو

لوگوں نے بھاگنے کی مہلت نہ دی اور گرفتار کرلیا۔ حضرت علی شدید زخمی ہوئے۔ آپ نے فوراً محسوس کرلیا کہ اس زخم سے بچ نہیں سکیں گے... چنانچہ حضرت حسن ؓ اور حضرت حسین ؓ کو بلا کر نصیحتیں فرمانے لگے۔

اس وقت جندب بن عبداللہ نے پوچھا:

"امیر المومنین! آپ کے بعد ہم حضرت حسن ؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلیں؟"

آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"اس کے بارے میں میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔"

اس کے بعد آپ نے اپنے قاتل کے بارے میں فرمایا:

"اس سے معمولی انداز سے بدلہ لیا جائے۔"

ابن ملجم کی تلوار زہر میں بجھی ہوئی تھی... زہر نے اپنا کام کیا... آپ اس زخم سے بچ نہ سکے... اور ۲۰ رمضان ۴۰ ہجری جمعہ کی رات کو اپنے اللہ سے جا ملے... علم اور فضل کا سورج غروب ہو گیا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

* * *

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل

حضرت علی رضی اللہ عنہ جس وقت خلیفہ بنے، اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے مدینہ منورہ کے علاوہ بھی پورا عالم اسلام پریشان تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا... چنانچہ ہر طرف ہیجان پھیل گیا تھا... یہی وجہ ہے کہ آپ کا سارا دور آپس کے اختلافات کی نذر ہو گیا۔

ان پریشان کن حالات کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اصلاحات کا کام جاری رکھا۔ آپ اپنے عاملوں کی نگرانی کرتے تھے۔ لوگوں کے ساتھ شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ بیت المال کے دروازے غریبوں کے لیے کھلے تھے۔ اس میں جو رقم آتی، آپ ضرورت مندوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔

آپ خود بہت تجربہ کار جنگ آزما تھے۔ جنگی معاملات کو اچھی طرح سمجھتے تھے، چنانچہ خلیفہ بننے کے بعد آپ نے فوجی چھاؤنیاں نہایت کثرت سے قائم کیں۔

ایران کی طرف شورش اور بغاوت کی وجہ سے آپ نے اصطخر میں قلعہ حسن زیاد بنوایا... تاکہ خطرے کے وقت عورتوں اور بچوں کی حفاظت ہو سکے... جنگی تعمیرات کے سلسلے میں دریائے فرات پر پل بنوایا۔ یمن میں اسلام کی روشنی آپ ہی کی کوششوں سے پھیلی تھی۔ سورۂ برأت نازل ہوئی تو اس کی تبلیغ اور اشاعت کی خدمت آپ ہی کے سپرد ہوئی تھی۔

آپ کے خلیفہ بننے کے بعد ایران اور آرمینیہ کے نئے نئے مسلمان مرتد ہو گئے تو آپ نے ان کی سرکوبی فرمائی، چنانچہ ان میں سے اکثر نے توبہ کی اور مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح خارجیون کا قلع قمع کیا۔

سبائی گروہ میں سے کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا کہنے لگے تھے۔ آپ نے انہیں عبرت ناک سزائیں دیں۔ ان کے گھروں کو ڈھا دیا۔

آپ کو بچپن ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہو گئی تھی۔ لہٰذا آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم و تربیت کا موقع ملا تھا... اور یہ سلسلہ آخر تک جاری رہا۔

آپ کو دن رات میں دو مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہنے کا موقع ملتا تھا۔ سفر میں بھی اکثر آپ ساتھ ہوتے تھے۔ اس طرح آپ کو سفر سے متعلق شرعی احکامات سے واقف ہونے کا موقع ملتا رہتا تھا۔

آپ لکھنا پڑھنا جانتے تھے.... چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تحریری کام آپ ہی کرتے تھے.... کاتبانِ وحی میں آپ کا نام بھی شامل ہے۔ آپ نے پورا قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں حفظ کر لیا تھا۔ آپ قرآن کریم کی ایک ایک آیت کے معنی اور شانِ نزول سے واقف تھے۔ چنانچہ آپ کا شمار قرآن کریم کے مفسروں میں ہوتا ہے۔ صحابہ کرام میں آپ کے علاوہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی قرآن کریم کے مفسر تھے۔

بعض لوگوں کا خیال تھا کہ آنحضرت ﷺ نے قرآن کریم کے علاوہ بھی کچھ خاص علوم آپ کو بتائے ہیں، چنانچہ آپ کے شاگردوں نے آپ سے پوچھا:

''کیا قرآن کے علاوہ کچھ اور علوم بھی آپ کے پاس ہیں؟''

آپ نے جواب میں فرمایا:

''قسم اس ذات کی جو دانے کو پھاڑ کر درخت اُگاتا ہے اور جو جان کو جسم کے اندر پیدا کر دیتا ہے، قرآن کے سوا میرے پاس کچھ اور نہیں، لیکن قرآن کے سمجھنے کی طاقت اللہ تعالیٰ جسے چاہیں عطا کر دیں۔ اس کے علاوہ چند احادیث میرے پاس ہیں۔

آپ نے بچپن سے لے کر وفاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک تقریباً تیس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بسر کیے۔ اس لیے اسلام کے احکام اور فرائض کے آپ بہت بڑے عالم تھے۔ اس طرح احادیث کی روایت کا زمانہ آپ کو سب سے زیادہ ملا۔ خلفائے راشدین میں آپ کی روایات کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ آپ ۸۸۶ احادیث کے راوی ہیں۔

فقہ اور اجتہاد میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ بڑے بڑے صحابہ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی کبھی کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مسائل معلوم کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل آپ نہایت آسانی سے حل فرما دیتے تھے۔

فقہی مسائل میں حضرت علی ؓ کو جو کمال حاصل تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ جو بات نہیں جانتے تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیا کرتے تھے۔ حنفی فقہ کی بنیاد حضرت عبداللہ

بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی ؓ کے ہی فیصلوں پر مبنی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

"ہم میں مقدمات کے فیصلوں کے لیے سب سے موزوں علی ہیں اور سب سے بڑے قاری ابی بن کعب ہیں۔" (طبقات ابن سعد: ۱۰۲/۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"ہم (صحابہ) کہا کرتے تھے کہ مدینہ والوں میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے علی ہیں۔" (مستدرک حاکم ۱۳۵/۳)

آپ کے پاس بہت ہی عجیب نوعیت کے مقدمات آتے تھے... جن کے بارے میں دوسرے فیصلہ نہیں کر پاتے تھے... لیکن آپ بہت آسانی سے ان کا فیصلہ فرما دیتے تھے... تاریخ کی کتب میں ایسے بہت سے مقدمات درج ہیں... ان کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔

آپ بہت بلند پایہ خطیب تھے۔ تقریر اور خطابت میں آپ کو ملکہ حاصل تھا۔ آپ کی تقریر بہت باا‌ثر ہوتی تھی۔

آپ میں کمال درجے کا زہد پایا جاتا تھا۔ حق یہ ہے کہ آپ کی ذات زہد کا نمونہ تھی۔

ایک مرتبہ شدید بھوک کی حالت میں صبح سے شام تک مزدوری کی۔ اس طرح مزدوری میں جو کھجوریں ملیں... وہ بھی ایک سوال کرنے والے کو دے دیں... گھر میں کوئی خادم یا خادمہ نہیں تھی، گھر کا سارا کام حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کرتی تھیں۔

آپ نہایت عبادت گزار تھے۔ سادگی اور انکساری بھی آپ میں انتہا درجے کی تھی۔ لوگ مسائل پوچھنے آتے تو آپ کبھی اونٹ چرا رہے ہوتے، کبھی زمین کھود رہے ہوتے۔ مزاج میں سادگی اتنی تھی کہ زمین پر ہی بلا تکلف سو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کو مٹی پر سوتا دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اے ابوتراب اب اٹھ بیٹھو۔"

"ابوتراب" کا مطلب ہے مٹی والے... لہٰذا یہی آپ کی کنیت مشہور ہو گئی اور "ابوتراب" کہلانا آپ کو بہت پسند تھا... کوئی آپ کو اس نام سے پکارتا تو بہت خوش ہوتے تھے۔ خلافت کے دنوں میں بھی یہ سادگی برقرار رہی۔

شجاعت اور بہادری تو آپ کی خاص خوبی تھی... اس میں کوئی آپ کے ہم پلہ نہیں تھا۔

آپ تمام غزوات میں شریک رہے... اور سب ہی میں شجاعت کے جوہر دکھائے۔

آپ دشمنوں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک سے پیش آتے تھے۔ اس کی بہت سی مثالیں تاریخ کی کتب میں موجود ہیں... پہلے تینوں خلفاء کے آپ مشیر رہے.... تینوں آپ سے مشورے لیا کرتے تھے۔

آپ کے سترہ لڑکیاں اور چودہ لڑکے پیدا ہوئے۔ ان میں سے حضرت حسن، حضرت حسین، محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہم سے سلسلۂ نسل چلا۔

اللہ تعالیٰ کی آپ پر بے شمار رحمتیں نازل ہوں۔

* * *

بیعت حضرت حسن رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وفات سے پہلے پوچھا گیا:

"کیا آپ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔"

جواب میں آپ نے فرمایا:

"میں اپنے حال میں مشغول ہوں... تم جسے پسند کرو، اس کے ہاتھ پر بیعت کر لینا۔"

آپ کے اس جملے سے لوگوں نے خیال کیا کہ آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اجازت دی ہے، چنانچہ لوگ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آئے... سب سے پہلے قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اس کے بعد دوسرے لوگ آگے آتے رہے اور بیعت کرتے رہے۔ حضرت بیعت لیتے وقت کہتے تھے۔

"میرے کہنے پر عمل کرنا، جس سے میں جنگ کروں، تم بھی اس سے جنگ کرنا... اور جس سے میں صلح کروں، تم بھی اس سے صلح کرنا۔"

دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لئے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا... اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام بھیجا:

"صلح جنگ سے بہتر ہے... اور بہتر یہی ہے کہ آپ مجھے خلیفہ تسلیم کر کے میرے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔"

اس موقعے پر خارجیوں اور منافقوں نے یہ بات مشہور کر دی کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنا چاہتے ہیں... اگرچہ ایسی صلح یقیناً خیر کا باعث تھی مگر ان ظالموں نے پروپیگنڈے کے ذریعے گویا اسے ایک سازش کے طور پر مشہور کر دیا، ساتھ ہی انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ اس فتوے نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لشکر میں ہل چل مچا دی۔ وہ دو حصوں میں بٹ گئے اور آپس ہی میں لڑنے لگے۔ یہاں تک کہ کچھ لوگ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خیمے میں بھی گھس آئے اور آپ کا لباس پکڑ کر کھینچنے لگے... یہاں تک کہ آپ کا لباس تار تار ہو گیا... وہ لوگ آپ کی چادر اور خیمے کی ہر چیز

لوٹ کر لے گئے۔ ان حالات میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے قبیلہ ربیعہ اور ہمدان کو آواز دی ... یہ دونوں قبیلے آپ کی مدد کو آ گئے اور شر پسندوں کو آپ کے پاس سے ہٹانے میں کامیاب ہو گئے اس طرح شور شرابا ختم ہو گیا۔ اس کے بعد آپ مدائن کی طرف جا رہے تھے کہ ایک خارجی جراح بن قبیصہ نے آپ پر نیزے کا وار کیا، نیزہ آپ کی ران پر لگا۔ آپ کو اٹھا کر مدائن میں لایا گیا۔ جراحوں نے آپ کے زخم کا علاج کیا اور آخر زخم ٹھیک ہو گیا۔

ان حالات کا جائزہ لینے کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا:

"میں صلح کرنے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں ... اگر آپ میری چند شرائط مان لیں ...."

صلح کی یہ شرائط آپ نے عبداللہ بن عامر کے ہاتھ روانہ کیں۔ عبداللہ بن عامر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور یہ شرائط بیان کیں، ساتھ ہی اپنی طرف سے یہ شرائط بھی پیش کر دیں۔

"جب آپ فوت ہو جائیں تو خلافت کے حق دار حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہوں گے اور جب تک آپ زندہ ہیں، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ہر سال پانچ لاکھ درہم سالانہ بیت المال سے بھیجتے رہیں گے۔ ایک شرط یہ ہے کہ علاقہ اہواز اور فارس کا خراج حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ملا کرے گا۔"

یہ شرائط سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"مجھے یہ سب شرائط منظور ہیں ... اور اگر حسن رضی اللہ عنہ کچھ اور شرائط بھی پیش کریں گے تو میں وہ بھی منظور کروں گا، کیونکہ ان کی نیت نیک ہے اور وہ مسلمانوں میں صلح کے خواہش مند نظر آتے ہیں۔"

یہ کہہ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر لگائی اور عبداللہ بن عامر کو دیتے ہوئے فرمایا:

"یہ کاغذ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہہ دو، جو شرائط چاہیں اس کاغذ پر لکھ دیں میں تمام شرائط ماننے کے لئے تیار ہوں۔"

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے والد محترم کے زمانے سے حالات کو دیکھتے چلے آ رہے

تھے... وہ آپس کی جنگوں سے بیزار تھے، چنانچہ عبداللہ بن عامر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دستخط اور مہر والا کاغذ لے کر آپ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے ان شرائط کو پڑھا تو ناراض ہوئے اور فرمایا:

"مجھے یہ شرط ہرگز پسند نہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد میں خلیفہ بنایا جاؤں۔ اگر مجھے خلافت کی خواہش ہوتی تو میں اس وقت ہی کیوں اسے چھوڑنے پر تیار ہوتا۔"

یہ فرمانے کے بعد آپ نے کاتب کو بلوایا اور صلح نامہ لکھنے کا حکم دیا، صلح نامہ اس طرح لکھا گیا:

"یہ صلح نامہ حسن بن علی بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان کے درمیان لکھا جاتا ہے، دونوں ان باتوں پر رضا مند ہو گئے ہیں، خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی گئی۔ ان کے بعد مسلمان مصلحت کے تحت جسے چاہیں گے، خلیفہ بنا لیں گے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے تمام مسلمان محفوظ رہیں گے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سب کے ساتھ نیک سلوک کریں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرف داروں کو کچھ نہیں کہیں گے۔"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب یہ معاہدہ ملا تو آپ بہت خوش ہوئے۔ آپ نے اسے بخوشی منظور فرمایا۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوفے کی مسجد میں پہنچ کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بیعت لی۔ کوفہ والوں نے بھی آپ کی بیعت کی۔

بیعت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

"میں مسلمانوں میں فتنے کو بہت مکروہ سمجھتا ہوں، اپنے جدِ امجد کی اُمت میں سے فتنے اور فساد کو دور کرنے اور مسلمانوں کی جان و مال محفوظ کرنے کے لئے میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی ہے اور انہیں اپنا امیر اور خلیفہ تسلیم کیا ہے۔ اگر امارت اور خلافت ان کا حق تھا تو انہیں پہنچ گیا اور اگر یہ میرا حق تھا تو میں نے یہ حق انہیں بخش دیا۔"

اس صلح کے بعد تمام معاملات طے ہو گئے... اور اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیش گوئی پوری ہوئی جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

"میرا یہ بیٹا سردار ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرا دے گا۔"

حضرت حسن رضی اللہ عنہ یہ خطبہ دے کر منبر سے نیچے اُترے تو حضرت امیر معاویہ رضی

اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے ابو محمد! آج آپ نے ایسی جواں مردی اور بہادری دکھائی ہے کہ آج تک کوئی نہیں دکھا سکا۔"

یہ صلح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چھ ماہ بعد ۴۱ ہجری میں ہوئی۔ اسی لئے ۴۱ ہجری کو عام الجماعت (جماعت کا سال) کہا گیا۔ صلح کے مکمل ہونے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کوفہ سے دمشق کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ جب تک زندہ رہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ نہایت عزت اور احترام سے پیش آتے رہے۔

اس صلح کے نتیجے میں حضرت امیر معاویہ پورے عالم اسلام کے خلیفہ ہو گئے اور قریب قریب سب ہی حضرات نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کرلیا۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اس صلح کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کوفہ کی سکونت چھوڑ کر مدینہ منورہ آ گئے اور باقی زندگی آپ نے مدینہ منورہ ہی میں بسر فرمائی۔

آپ کی وفات ۵۰ ہجری یا ۵۱ ہجری میں ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو کچھ سازش کرنے والوں نے زہر دیا تھا۔۔ آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا خاتونِ جنت کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ آپ کے نو بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے وہ مرتبہ عطا فرمایا کہ ان کے ذریعے مسلمانوں کی آپس کی خانہ جنگیوں کا دس سالہ دور ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی ان پر بے شمار رحمتیں نازل ہوں۔

آمین ثم آمین

☆☆☆☆

اللّٰھم اجعلہ ھادیاً مھدیاً واھد بہ (الحدیث)

سیدنا معاویہؓ کے بارے میں

گمراہ کن غلط فہمیوں کا ازالہ

یہ کتاب کسی تقابلی تحقیق کی کاوش کا نتیجہ نہیں ۔۔۔ بلکہ
ایک نادان دوست کی شاطرانہ حملوں ۔۔۔ کا علمی تحقیقی
کا مختصر سا اور حقیقت افروز جائزہ ہے

تصنیف
محمد ظفر اقبال

تقریظ
شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ
مہتمم جامعہ فاروقیہ | کراچی

مکتبہ عمر فاروق
4/501 شاہ فیصل کالونی ۔ کراچی
فون 4594144

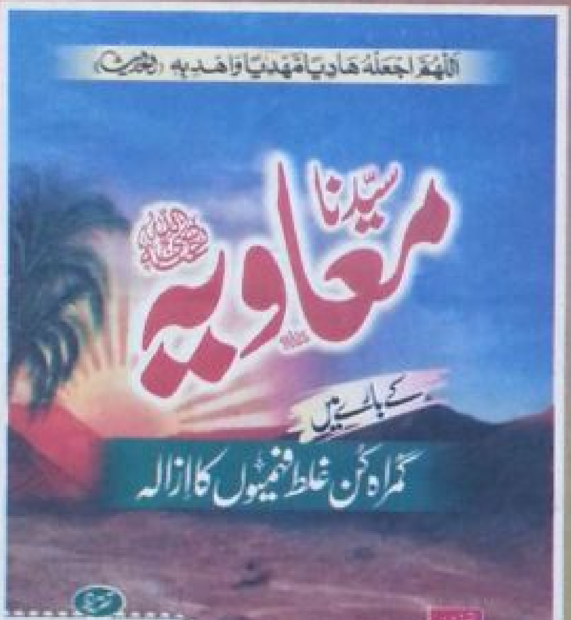

اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا واھد بہ (الحدیث)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

کے بارے میں

گمراہ کن غلط فہمیوں کا ازالہ

تصنیف

محمد ظفر اقبال

مترجم

سلیم اللہ خان

مکتبہ عمر فاروق

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی
Tel: 021-4594144
Cell: 0334-3432345